محمود المواعظ

(جلد نہم)

مجموعۂ مواعظ

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

سابق صدر مفتی وحال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

مرتب

مولانا عظیم الدین ارنالوی

مدرس مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، سورت، گجرات

ناشر

مکتبۂ محمودیہ، محمودنگر، ڈابھیل

تفصیلات

کتاب کا نام:........... محمود المواعظ (جلد نہم)

افادات:.......... حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

مرتب:.......... مولانا عظیم الدین ارنالوی (استاذ مدرسہ مفتاح العلوم تراج)

صفحات:.......................... ۳۸۴

ناشر:.................. مکتبۂ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

حضرت دامت برکاتہم کے مواعظ، کتابیں حاصل کرنے اور ہر سنیچر کو براہِ راست حضرتِ اقدس کی مجلس سننے کے لیے حسبِ ذیل ویب سائٹ کا استعمال کریں:

www.muftiahmedkhanpuri.com

ملنے کے پتے

- ادارۃ الصدیق، نزد جامعہ تعلیم الدین، ڈابھیل Mo:99133,19190
- مکتبۂ انور، ڈابھیل (مفتی عبد القیوم صاحب راجکوٹی) Mo:99246,93470
- مکتبۂ الاتحاد، دیوبند Mo:98972,96985
- مکتبۂ ابوہریرہ، کھروڈ (مولانا جاوید صاحب مہاراشٹری) Mo:99256,52499
- مفتی صدیق اسلامپوری (جامعہ خیر العلوم ادگاؤں، کولہاپور) Mo:99220,98249

اجمالی فہرست مضامین...... جلد نہم

تفصیلی فہرست مضامین ...... جلد نہم

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
	(۱) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات **(۲) اسلام میں مکمل داخلہ مطلوب ہے**	
۱	لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر قرآنِ پاک کا نزول اور اس کی مدت	۳۹
۲	زمانۂ فترت	۴۰
۳	زمانۂ فترت کے بعد دوسری وحی	۴۰
۴	قرآنِ پاک کی آیات اور سورتوں کے نزول کے مختلف اسباب	۴۱
۵	شانِ نزول کی حقیقت	۴۱
۶	حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ	۴۲
۷	حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا خواب	۴۳
۸	حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جنتی قرار دینے والا ایک واقعہ	۴۳
۹	ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ کا مذہبی جغرافیہ	۴۴
۱۰	آسمانی کتابوں میں نبیٔ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ	۴۵
۱۱	یہودیوں کا مشرکین کو نبیٔ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ڈرانا	۴۵

(۲) اسلام کے پانچ شعبے

(۳) پانچ کاموں پر ایمانِ کامل کا نبوی وعدہ

(۴) عورتوں کے لیے جنت میں داخلے کا مختصر ترین راستہ

(۵) اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں مسلمان کی جان، مال اور عزت و آبرو کی قدر و قیمت

(۶) عشرۂ ذی الحجہ کیسے گزاریں......؟؟؟

(۷) عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل

(۱) حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات

(۲) اسلام میں مکمل داخلہ مطلوب ہے

حضرت دامت برکاتہم کے ۹ر مختلف مواقع پر بیان کردہ مواعظ کو مدِ نظر رکھ کر اس بیان کو ترتیب دیا گیا ہے۔

اقتباس

آج یہ جو خود دنیا کے سرغنے بنے بیٹھے ہیں اور دنیا میں امن وامان پھیلانے کے دعوے دار ہیں، اپنے آپ کو حقوقِ انسانی کے علَم بردار کہلواتے ہیں، چاہے وہ امریکہ ہو یا یورپ کے ممالک، وہ -نعوذ باللہ- اسلام پر دہشت گردی کا الزام لگا کر لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف سے غلط فہمی اور بدگمانی پیدا کر رہے ہیں، وہ بتائیں کہ یہ کیا تھا؟ ان لوگوں کو جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کے دشمن تھے، جنھوں نے ایک پل آپ کو چین سے نہیں رہنے دیا یہاں تک کہ ہجرت کرنے پہ مجبور کر دیا اور مدینہ منورہ آنے کے بعد بھی کبھی سکون کی سانس لینے نہیں دی، ہر سال حملے کیا کرتے تھے۔ یہاں ان دشمنوں کے یہاں جانے والا غلّہ آپ نے بند نہیں کیا تھا، ایک آدمی نے اپنے طور پر بند کیا تھا، وہ بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاری کروایا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدللّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لاشريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله إلىٰ كافّة الناس بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً، صلّى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً.

أمابعد: فَأَعُوْذُ بِاللّٰه مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱدۡخُلُواْ فِي ٱلسِّلۡمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُواْ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيۡطَٰنِۚ إِنَّهُۥ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝٢٠٨﴾ [البقرة]

لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر قرآنِ پاک کا نزول اور اس کی مدت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کو لوحِ محفوظ سے دنیا کے آسمان کے اوپر رمضان کے مہینے میں شبِ قدر میں اتارا، قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّآ أَنزَلۡنَٰهُ فِي لَيۡلَةِ ٱلۡقَدۡرِ ۝١﴾: ہم نے قرآن کو شبِ قدر میں اتارا، ایک اور موقع پر فرماتے ہیں: ﴿شَهۡرُ رَمَضَانَ ٱلَّذِيٓ أُنزِلَ فِيهِ ٱلۡقُرۡءَانُ﴾: رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ علما نے لکھا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوحِ محفوظ سے

پورا قرآن ایک ہی رات میں رمضان کے مہینے میں اتارا، پھر دنیا کے آسمان سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے آپ کی حیاتِ نبوت کے ۲۳؍سالہ عرصے میں اتارا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہونا شروع ہوئی، وہاں سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک کا کل زمانہ ۲۳؍سال کا ہے، اس عرصے میں قرآنِ پاک مختلف اوقات اور مختلف مواقع میں ضرورت کے مطابق نازل ہوتا رہا۔

زمانۂ فترت

سب سے پہلی وحی: ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝١﴾ ہے جو غارِ حرا میں نازل ہوئی، اس کے بعد کچھ مدت کے لیے وحی کا سلسلہ بند رہا، اس کو ''زمانۂ فترت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ کتنی مدت تھی؟ اس میں کئی اقوال ہیں: دو مہینے سے لے کر تین سال تک کی بات ہے، محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ جو سیر و مغازی کے امام سمجھے جاتے ہیں، ان کا قول تین سال کا ہے، کتابوں میں عام طور پر اسی قول کو ذکر کیا جاتا ہے لیکن حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ اس سے اتفاق نہیں کرتے۔

زمانۂ فترت کے بعد دوسری وحی

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا سے نکل کر گھر جانے کے لیے وادی میں اترے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی، اُفق کے اوپر ان کی اصلی شکل میں زیارت ہوئی کہ آسمان کے کنارے کے اوپر کرسی لیے بیٹھے ہیں اور پورا آسمان کا کنارا گھیر رکھا ہے، یہ پہلا موقع تھا جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا، اس

کی وجہ سے آپ پر غشی طاری ہوئی اوراس وقت دوسری وحی سورۂ مدثر نازل ہوئی، پھر یہ سلسلہ نبیٔ کریم ﷺ کی وفات تک برابر جاری وساری رہا۔

قرآنِ پاک کی آیات اورسورتوں کے نزول کے مختلف اسباب

قرآنِ پاک کی بہت سی آیتیں اورسورتیں ایسی ہیں جوکسی خاص موقع پرنازل کی گئیں،کوئی واقعہ پیش آیااوراس واقعے کے سلسلے میں ضرورت تھی کہ انسان کی رہنمائی کی جائے اوراس بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے لوگوں کوواقف کیا جائےتو اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نےقرآنِ پاک کی کوئی آیت یا کوئی سورت نازل کرکے اس موقع پرلوگوں کوکیاطرزاختیارکرناچاہیے،وہ بتلادیا۔

کبھی ایساہواکہ کسی کی طرف سےکوئی سوال کیا گیا:کبھی دشمنوں کی طرف سے سوال کیاجاتا تھا۔دشمنوں میں یہودی بھی تھے،مشرکین بھی تھے،وہ نبیٔ کریم ﷺ کو زِک پہنچانے کے لیےاوریہ سمجھ کرکے کہ ان کے پاس اس کاکوئی جواب نہیں ہوگا،سوال کرلیاکرتے تھےاوراللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سےاس سوال کے جواب کے لیےکوئی آیت،کوئی سورت نازل کی جاتی تھی۔ایسے بہت سارے واقعات پیش آئے ہیں۔ کبھی خودمسلمانوں کی طرف سےبھی کسی مسئلے کےسلسلے میں سوال کیا گیااوراس کے جواب میں کوئی آیت نازل کی گئی۔

شانِ نزول کی حقیقت

الغرض!بہت ساری آیتیں اورسورتیں ایسی ہیں جوخاص خاص موقع پراورخاص

سوالات کے جواب میں نازل ہوئیں، وہ مخصوص واقعہ جس کو لے کر وہ آیت یا سورت نازل کی گئی، اس واقعے کو محدثین اور مفسرین کی اصطلاح میں شانِ نزول کہا جاتا ہے کہ فلانی سورت ہے وہ فلاں واقعے کے پیش آنے پر قرآنِ پاک میں نازل ہوئی، وہ اس کا شانِ نزول ہے۔

ابھی جو آیتِ کریمہ آپ کے سامنے تلاوت کی گئی، اس کے سلسلے میں بھی مفسرین نے ایک خاص واقعہ ذکر کیا ہے اور اسی واقعے کی مناسبت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس آیتِ کریمہ کو نازل کیا گیا؛ لہٰذا وہ واقعہ اس آیت کا شانِ نزول ہے۔ اس واقعے کو ذکر کرنے سے پہلے بطورِ تمہید کے صاحبِ واقعہ کے بارے میں کچھ باتیں عرض کی جاتی ہیں، ان کو بھی سن لیں؛ تاکہ وہ باتیں اچھی طرح سمجھ میں آ جاویں جو آگے بیان کی جانے والی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن صحابہ کو مستقلاً جنت کی بشارتیں سنائیں، ان میں سے یہ ہیں۔ حضرت قیس بن عبادؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مسجد کے اندر تھا، وہاں سے ایک آدمی گذرے، لوگ باتیں کرنے لگے کہ یہ جنتی آدمی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں ان سے ملا اور کہا کہ: لوگ آپ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ آپ جنتی آدمی ہیں، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کو ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں، جو باتیں وہ نہیں جانتے،

ایسی باتیں وہ کیوں کرتے ہیں!۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا خواب

اس کے بعد انھوں نے بتلایا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں مَیں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا، سرسبز وشاداب باغ ہے اور اس کے بیچ میں لوہے کا ایک بہت اونچا ستون ہے، اس کا ایک سرا تو زمین کے اندر ہے اور دوسرا آسمان میں ہے۔ مجھ سے کہا گیا کہ اس کے اوپر چڑھو تو میں نے کہا کہ مجھ سے نہیں چڑھا جائے گا، اتنے میں ایک غلام آیا، اس نے میرے کپڑے اٹھائے اور کہا کہ: تم چڑھو! فرماتے ہیں کہ: میں نے چڑھنا شروع کیا اور اوپر کے سرے تک پہنچ گیا، وہاں ایک کڑا تھا، میں نے اس کو پکڑ لیا۔ اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے میں نے اپنا یہ خواب بیان کیا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ یہ باغ اسلام کا باغ ہے اور یہ ستون "عمود الاسلام" اسلام کا ستون ہے۔ تمھاری موت اس حال میں آئے گی کہ تم "العروۃ الوُثقٰی" کو پکڑے ہوئے ہوگے[1]۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جنتی قرار دینے والا ایک واقعہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس پیالے میں کھانے کی ایک چیز لائی گئی، آپ نے اس میں سے نوش کیا اور فرمایا کہ اس میں جو بچ گیا ہے، ابھی اس راستے سے ایک آدمی آئے گا، وہ اس کو کھائے گا اور وہ

---

① صحیح البخاری، باب مَنَاقِبُ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلاَمٍ رضی اللہ عنہ، ر:۳۸۱۱.

جنتی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے چلا تھا تو میں اپنے بھائی عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو مسجد میں آنے کی تیاری کرتے ہوئے چھوڑ آیا تھا، میں نے اپنے دل میں یہ تمنا کی کہ کاش وہ آجائے؛ لیکن حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے وہ بچا ہوا کھانا تناول فرمایا[۱]۔

ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ کا مذہبی جغرافیہ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت فرما کر مکۂ مکرمہ سے مدینۂ منورہ تشریف لے گئے تو اس سے پہلے وہاں جو آبادی تھی، اس میں دو قومیں شامل تھیں: ایک تو یہود اور دوسرے عرب، عربوں کا مذہب بت پرستی تھا اور یہود آسمانی دین کو ماننے والے تھے، حضرتِ موسیٰ علی نبیناوعلیہ الصلوة والسلام پر ایمان رکھتے تھے۔ یہودیوں کے دو قبیلے تھے: (۱) بنو نضیر (۲) بنو قریظہ، ان دونوں قبیلوں کی کچھ چھوٹی چھوٹی شاخیں بھی تھیں۔

الغرض مدینۂ منورہ میں یہود بڑی تعداد میں آباد تھے اور ان کے یہاں آسمانی کتابوں، خاص طور پر توریت کے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ برابر جاری تھا، باقاعدہ مدارس قائم تھے، بخاری شریف میں روایت موجود ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو قینقاع کے یہاں تشریف لے گئے جو یہود کا ایک قبیلہ ہے اور بنو نضیر کی ایک شاخ ہے،

---

(۱) مسند أحمد، مسند سعد بن أبی وقاص رضي الله عنه، ر:۱۴۵۸.

وہاں ان کا جو دار العلوم تھا، وہاں جا کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو ایمان لانے کے لیے ترغیب دی، دعوت دی۔

بہر حال! مدینہ میں یہود بھی آباد تھے اور عرب بھی جو بت پرستی میں مشغول تھے، ان کے بھی دو قبیلے تھے: (۱) اوس (۲) خزرج۔

آسمانی کتابوں میں نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تذکرہ

یہود اہلِ کتاب تھے، آسمانی دین کے ماننے والے۔ ان کے پاس ایک آسمانی کتاب تورات تھی جو حضرتِ موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے نازل فرمائی تھی اور اس کے علاوہ کچھ صحیفے تھے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سے پہلے مختلف نبیوں پر نازل فرمائے تھے اور کچھ صحیفے خود حضرتِ موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام پر اتارے گئے تھے۔

اس آسمانی کتاب اور صحیفوں میں نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی علامتیں اور نشانیاں بتلائی گئی تھیں اور ان کو آگاہ کیا گیا تھا کہ آخری زمانے میں سب نبیوں کے بعد ایک نبی آئیں گے اور ان کو یہ تنبیہ بھی کی گئی تھی کہ تمھیں ان پر ایمان لانا ہے۔ اپنی ان آسمانی کتابوں کی معلومات کی بنیاد پر یہود اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ آخری دور میں یہ نبی آنے والے ہیں۔

یہودیوں کا مشرکین کو نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ ڈرانا

اب ان یہودیوں کا مشرکین کے ساتھ مقابلہ ہوتا رہتا تھا اور جنگیں پیش آتی رہتی

تھیں۔ یہ یہود مشرکین کے ساتھ ان جنگوں کے موقع پر یہ بھی کہہ دیا کرتے تھے کہ دیکھو! آخری نبی آنے والے ہیں اور وہ آئیں گے تو ہم ان پر ایمان لائیں گے اور ان پر ایمان لانے کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری مدد کرے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس مدد سے ہم تم پر غلبہ حاصل کریں گے، یہ بات ان کے درمیان بڑی مشہور تھی۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور اہلِ مکہ کی مخالفت

اب اِدھر مکۂ مکرمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا، وحی کا سلسلہ جاری ہوا اور آپ نے لوگوں کو ایمان و اسلام کی دعوت دینا شروع کیا؛ لیکن مکے والوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعوت کی کھل کر مخالفت کی، آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو بہت ایذائیں دیں، بہت ستایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی اس مخالفت اور معاندانہ رویّے کی وجہ سے ان کی طرف سے مایوس ہو گئے۔

عربوں میں حج کا دستور قدیم زمانے سے تھا

چوں کہ مشرکین میں حج کا بھی رواج تھا؛ کیوں کہ حضرتِ ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے خانۂ کعبہ تعمیر کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ لوگوں کو کعبۃ اللہ کے حج کی دعوت دیں، ﴿وَأَذِّن فِي ٱلنَّاسِ بِٱلۡحَجِّ يَأۡتُوكَ رِجَالٗا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٖ يَأۡتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٖ ۝٢٧﴾ [الحج] اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس حکم پر حضرتِ ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے باقاعدہ اعلان کیا۔ جو لوگ اس زمانے میں موجود تھے ان کے کانوں میں یہ آواز پہنچی اور جو لوگ ابھی پیدا

نہیں ہوئے تھے، ان کی روحوں نے سنا اور جن کی قسمت میں وہاں کی حاضری تھی، انھوں نے "لَبَّيك" بھی کہا۔

اہلِ عرب اسی قدیم دستور کے مطابق حج اور عمرہ کے ارادے سے مکہ مکرمہ آتے جاتے رہتے تھے اور ان میں حج کا رواج موجود تھا۔ دوسری قومیں حج کو نہیں جانتی تھیں۔

صاحبِ استطاعت کے حج کیے بغیر مرنے پر وعید کی حکمت

اسی لیے جس آدمی پر حج فرض ہو اور حج کیے بغیر دنیا سے جاتا ہے تو اس کے متعلق حدیث میں وعید آئی ہے کہ جس پر حج فرض ہے اور اس نے ادا نہیں کیا تو اب وہ چاہے تو یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے[1]۔ کیوں کہ یہودیوں اور نصرانیوں میں حج نہیں تھا۔

حج کا دستور عربوں میں بہت پرانا تھا، بلکہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے سے حج چلا آرہا تھا۔ روایتوں میں ہے کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے ہندوستان سے سفر کر کے حج ادا فرمایا تھا۔

حج کے لیے آنے والوں میں اسلام کی دعوت

بہرحال! حج کے لیے مکہ مکرمہ میں عرب کے مختلف قبائل کا آنا جانا رہتا تھا۔ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکینِ مکہ اور قریش کی طرف سے مایوس ہو گئے تو حج کے زمانے میں آنے والے ان مختلف قبائل کے پاس جانا شروع کیا اور انھیں ایمان اور اسلام کی دعوت

(۱) سنن الترمذی، عَنْ عَلِيٍّ، باب مَا جَاءَ فِي التَّغْلِيظِ فِي تَرْكِ الْحَجِّ.

پیش کرنے لگے۔

مدینہ منورہ کے چھ خوش نصیب حضرات

ہجرت کا واقعہ جس سال پیش آیا، اس کے تین سال پہلے مدینہ منورہ کے قبیلۂ خزرج کے چھ آدمی حج میں گئے اور منٰی میں جمرۂ عقبہ کے پاس نبیٔ کریم ﷺ سے ان کی ملاقات ہوئی اور حضورِ اکرم ﷺ نے ان کو ایمان واسلام کی دعوت پیش کی اور کہا کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور میرے پاس وحی آتی ہے۔

ان حضرات نے نبیٔ کریم ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ باتیں سنیں تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ یہ وہی نبی تو نہیں جن کے متعلق یہودی ہم سے کہتے ہیں اور جن کے متعلق وہ ہمیں ڈراتے رہتے ہیں کہ وہ آئیں گے تو ہم ان پر ایمان لائیں گے اور ان پر ایمان لانے کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری مدد کرے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس مدد سے ہم تم پر غلبہ حاصل کریں گے؛ اس لیے آؤ، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا موقع دیا ہے تو ہم ہی ان پر ایمان لانے کے معاملے میں سبقت کریں۔

مدینہ منورہ میں اسلام کی بہار

چناں چہ یہ چھ کے چھ ایمان لے آئے اور مدینہ منورہ آگئے اور یہاں آکر یہ بات دوسرے لوگوں کو بتلائی تو مدینے بھر میں اس کا چرچا ہونے لگا، جہاں کہیں کوئی مجلس لگی اور کچھ لوگ جمع ہوئے ہیں تو وہاں نبیٔ کریم ﷺ کی باتوں کا چرچا ہو رہا ہے، مدینہ گویا نبیٔ کریم ﷺ کے چرچے سے بھر گیا، مردوں میں، عورتوں میں اور اس طرح یہ دعوت

وہاں پھیلنے لگی۔اس کے بعد اہلِ مدینہ کی درخواست پر حضورِ اکرم ﷺ نے دو آدمیوں کو ان کی تعلیم کے لیے بھیجا: (۱) حضرت سالم مولیٰ ابا حذیفہ رضی اللہ عنہ اور (۲) حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ۔

بیعتِ عقبۂ اولیٰ وثانیہ

دوسرے سال بارہ آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ کے دستِ مبارک کے اوپر بیعت ہوئے۔ یہ بیعتِ عقبۂ اولیٰ کہلاتی ہے۔

عقبہ یعنی جمرۂ عقبہ جس کو لوگ بڑا شیطان کہتے ہیں، پہاڑ جہاں ختم ہوتا یعنی پہاڑ کی اونچائی ختم ہوتے ہوتے پست زمین کے ساتھ ملنے لگتی ہے، ایسی جگہ کو اہلِ عرب ''عقبہ'' کہتے ہیں۔اس جگہ نبیٔ کریم ﷺ کی ان حضرات سے گفتگو ہوئی اور یہ لوگ ایمان لے آئے۔دوسرے سال ۷۳/ یا ۷۵/لوگ آئے جن میں دو عورتیں اور باقی مرد تھے اور نبیٔ کریم ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے، یہ دوسری ''بیعتِ عقبہ'' کہلاتی ہے۔

مدینہ منورہ میں آفتابِ نبوت کے جلوہ افروز ہونے کی تیاریاں

اسی موقع پر رات کے اندھیرے میں، مکہ والوں کو پتہ نہ چلے، قریش کو پتہ نہ چلے، اس طرح چپکے سے باتیں ہوئیں اور نبیٔ کریم ﷺ نے ان سے کہا کہ کیا تم مجھے پناہ دوں گے کہ میں آؤں اور آزادی کے ساتھ لوگوں کے سامنے ایمان واسلام کی دعوت پیش کروں؟ ان حضرات نے جواب دیا کہ بالکل! آپ آیئے اور ان کے ساتھ

باقاعدہ معاہدہ ہوا جس میں انھوں نے کہا کہ جس طرح ہم اپنی اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں، اسی طرح ہم آپ کی حفاظت کریں گے اور آپ کے دعوت کے اس کام میں آپ کا پورا ساتھ دیں گے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا

اسی موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کے ان مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ دیکھو! تم ان کو اپنے یہاں لے جا تو رہے ہو اور ان کی مدد کا وعدہ تو کرتے ہو؛ لیکن یاد رکھنا! ایسا کر کے تم پورے عرب کو اپنا دشمن بنا بیٹھو گے؛ اس لیے اچھی طرح سوچ لو کہ اس کے لیے تیار ہو؟ انھوں نے کہا کہ تیار ہیں۔ اس معاہدے میں یہ تھا کہ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھرپور مدد کریں گے، باہر کے سلسلے میں ایسا کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی ہجرت مدینہ

اس طرح یہ بیعت ہوئی اور اس موقع پر ان سے جو عہد و پیمان ہوا، اسی کے نتیجے میں مدینہ کی طرف ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا حکم دیا کہ اب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی طرف جائیں۔ چناں چہ بہت سارے مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ گئے اور پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی کہ آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے جائیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہجرت کی اجازت طلب کرنا

چناں چہ روایتوں میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ جانے کی تیاریاں مکمل کرلیں اور اجازت طلب کرنے کے لیے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: ٹھہر جاؤ، امید ہے کہ مجھے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اجازت مل جائے، اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ سمجھے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے سفر میں اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: آپ کو توقع ہے؟ تو فرمایا کہ: ہاں! ہے۔

نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے تعلق

چناں چہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کی اجازت ملی تو۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ۔ آپ بنفسِ نفیس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پر تشریف لے گئے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو تعلقات اور دوستی تھی، اس کی وجہ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح اور شام دو وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لے جاتے تھے۔ بخاری میں باقاعدہ باب قائم کرکے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ کوئی آدمی تعلقات کی بنا پر کسی کے یہاں صبح بھی جاوے اور شام بھی جاوے، ایسا جائز ہے، یہ روایت میں ہے [۱]۔

---

(۱) صحیح البخاری، عن عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنهَا، باب هل يزور صاحبه كل يوم إلخ.

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو من جانب اللہ ہجرت کی اجازت

وہاں یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ عین دوپہر کے وقت جب کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاضری کا وقت نہیں تھا، آپ اچانک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچتے ہیں اور آتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: باہر آؤ اور اندر جو لوگ ہیں، ان کو ہٹا دو۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راز کی کوئی خاص بات کرنا چاہتے ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! گھر میں میری دو بیٹیاں ہی ہیں، ان میں سے ایک تو آپ کی بیوی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہو چکا تھا، رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ اور دوسری بیٹی اسماء ہے اور کوئی نہیں ہے۔ اس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفرِ ہجرت کی مختصر روداد

پھر سفرِ ہجرت شروع ہوا، مکہ مکرمہ سے نکل کر سب سے پہلے غارِ ثور کے اندر قیام کیا، وہاں روپوش ہوئے؛ اس لیے کہ پتہ تھا کہ مشرکین کو پتہ چلے گا تو یہ لوگ آپ کا تعاقب اور پیچھا کریں گے اور آپ کو پریشان کریں گے؛ اس لیے ضرورت تھی کہ ابتدا میں کسی جگہ چھپ کر کے ان کی تلاش وجستجو کے ختم ہونے کا انتظار کیا جائے، اس کے بعد سفرِ ہجرت کے سلسلے کو آگے بڑھایا جائے۔

چناں چہ اس درمیان میں غارِ ثور میں تین روز تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام رہا، اس دوران مکہ والے اِدھر اُدھر سب جگہ ڈھونڈتے رہے، جب وہ ناکام اور مایوس ہو کر بیٹھ

گئے تو اس کے بعد سفر کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔

آپ کے نبی ہونے کے بارے میں یہود کا یقین

اب یہ جو مدینہ منورہ میں عرب لوگ تھے یعنی اوس اور خزرج۔ کیوں کہ خزرج کے ساتھ اوس والے بھی ایمان لائے تھے اور بیعتِ عقبۂ اولی اور بیعتِ عقبۂ ثانیہ کے بعد تو اس کا خوب چرچا ہوا اور ایمان و اسلام کی خوب دعوت دی جانے لگی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سے واقفیت بڑھنے لگی۔

اب یہ یہود جتنے بھی تھے، ان میں سے تو کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا نہیں تھا؛ لیکن ان قبائلِ عرب اور ایمان لانے والوں کی زبان سے جب انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سنے تو ان میں جو عالم اور جان کار لوگ تھے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو نشانیاں آسمانی کتابوں میں بیان کی گئی تھیں، ان سے واقف تھے ان کو تو یہ باتیں سن کر اس بات کا یقین ہو گیا کہ یہ وہی نبی ہیں جو آخری زمانے میں آنے والے ہیں اور جن کی بشارتیں سنائی گئی ہیں۔ گویا حالات سن کر ان کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا۔

یہودیوں کے دلوں میں معرفتِ نبی معرفتِ ابناء کی طرح تھی

یہ جتنے بھی یہودی عالم تھے، ان سب کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا یقین تھا، قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ٱلَّذِينَ ءَاتَيۡنَٰهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ يَعۡرِفُونَهُۥ كَمَا يَعۡرِفُونَ أَبۡنَآءَهُمُ﴾ [الأنعام۲۰] کہ: وہ لوگ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، ایک باپ اپنے بیٹے کو کیسے پہچانتا ہے، ایک باپ کے لیے اپنے بیٹے

کی پہچان میں کوئی تردد، کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوتی، اسی طرح ان کو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبئ آخرالزماں ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

بلکہ جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے اور ابھی جن کا قصہ بیان کیا جائے گا، انہی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ باری تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿يَعْرِفُونَهُۥ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَآءَهُمُ﴾ کہ: یہود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں، جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں تو جواب میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے بھی بڑھ کر! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اس سے بڑھ کر کیسے؟۔

تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر اس طرح کہ دیکھو! ایک باپ جو اپنے بیٹے کو پہچانتا ہے، وہ اس لیے کہ وہ اس کی بیوی کے پیٹ سے پیدا ہوا، شوہر یوں سمجھتا ہے کہ یہ میری بیوی کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے؛ اس لیے میرا بیٹا ہے؛ لیکن ہوسکتا ہے کہ اس کی بیوی نے خیانت کی ہو اور کسی دوسرے سے یہ حمل ٹھہرا ہو اور اولاد پیدا ہوئی ہو اور باپ یہ سمجھتا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس کو بیٹا سمجھنے میں غلطی کی گنجائش ہے اور تردد ہوسکتا ہے لیکن نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں اس طرح کا کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب سنا تو دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ تمھاری آنکھیں ٹھنڈی کریں[1]۔

---

(۱) الدر المنثور في التفسير بالماثور ۲/ ۳۳

حُیی بن اخطب کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اعتراف اور معاندانہ انکار

بہرحال! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ہونے کو سب یہودی جانتے تھے۔ حُیی بن اخطب جو اُم المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ ہے، وہ اپنے دین کا بہت بڑا عالم تھا اور پہلے سے سب کچھ جانتا تھا، جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر قُبا پہنچے تو وہ باقاعدہ اپنے یہاں سے سفر کر کے قُبا آیا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رات گذاری، آپ کے حالات دیکھے۔

جب وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات اور اخلاق وغیرہ دیکھ کر واپس لوٹا تو اس کا بھائی اس سے پوچھتا ہے: کیا یہ وہی ہیں؟ تو جواب دیا کہ ہاں وہی ہیں۔ اس نے کہا کہ اب ہم کیا کریں گے؟ تو حُیی نے جواب دیا کہ: ہم تو اس کی مخالفت ہی کریں گے۔ یہ قصہ نقل کرنے والی بھی اُم المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں، وہ اپنے باپ اور چچا کی گفتگو سن رہی تھیں۔

ہدایت دینا صرف اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں

ہدایت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَآءُ﴾[القصص۵۶] نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت ابوطالب کا انتقال ہوا اور وہ ایمان سے محروم گئے۔

جب حضرت ابوطالب کی موت کا وقت آیا۔ بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے۔ تو مکہ میں بات پھیل گئی کہ ابوطالب کی آخری گھڑیاں ہیں۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ دونوں کو اس کا پتہ چلا تو ابوطالب کے پاس پہنچ گئے آپس میں یہ کہتے ہوئے کہ:

کہیں آخری وقت میں ان کے بھتیجے ان کے پاس آکر کلمہ نہ کہلوا دیں؛ اس لیے دونوں جلدی جلدی وہاں پہنچے۔

یہ عبداللہ بن ابی امیہ نبیٔ کریم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور ابو طالب کے بھانجے ہوتے ہیں اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے باپ شریک بھائی ہوتے ہیں، بعد میں فتحِ مکہ کے موقع پر ایمان لائے ہیں۔

یہ دونوں پہنچے اور ابو طالب جہاں لیٹے ہوئے تھے، وہاں دو آدمیوں کے بیٹھنے کے بقدر جگہ تھی تو انھوں نے اس جگہ پر قبضہ کرلیا؛ تاکہ جب نبیٔ کریم ﷺ کو پتہ چلے اور آپ تشریف لاویں تو آپ کو اطمینان کے ساتھ بیٹھنے اور بات کرنے کا موقع نہ ملے۔

چچا جان کو اسلام کی دعوت

اس کے بعد نبیٔ کریم ﷺ کو اطلاع ہوئی کہ چچا جان کی آخری گھڑیاں ہیں، آپ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں بیٹھنے کی بھی جگہ نہیں ہے سو کھڑے کھڑے نبیٔ کریم ﷺ نے چچا سے درخواست کی: قُلْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ کہ: چچا! آپ یہ کلمہ پڑھ لیجیے، بس ایک مرتبہ آپ یہ کلمہ پڑھ لیجیے، پھر میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کردوں گا، آپ کے لیے کچھ دلیل کرسکوں گا یعنی آپ کی سفارش کا موقع مجھے اسی وقت ملے گا جب آپ یہ کلمہ پڑھیں گے۔

صدرِ جمہوریہ بھی تمھاری سفارش نہیں کرسکتا

بھائی! دیکھو، سفارش کی قبولیت کے لیے بھی کچھ شرائط ہوا کرتی ہیں۔ جیسے آپ کا

کوئی عزیز ہے، اس نے سرکار کی کسی اسامی اور پوسٹ کے لیے درخواست دی کہ فلاں سرکاری شعبے میں فلانی پوسٹ خالی ہوئی ہے اوراخبار میں اس کے متعلق اشتہاراور''ایڈ'' آئی۔ آپ کے اس بھتیجے نے اس کے لیے درخواست دے دی۔ اب جو آفیسر درخواست دینے والوں کا انٹرویو لینے پر مامور ہے، وہ آپ کا دوست ہے۔ آپ کے بھتیجے نے آپ سے آ کر کہا کہ: چچا! وہ جو ایڈ آئی تھی نا، میں نے بھی اس کے لیے درخواست دی ہے تو جس آفیسر کے ہاتھ میں درخواست کی منظوری دینا ہے، وہ آپ کا دوست ہے تو آپ ذرا میری سفارش کر دیجیے۔ آپ اس سے پوچھیں گے کہ اس پوسٹ کے لیے جس سرٹی اور ڈگری کا ہونا ضروری ہے، وہ تمھارے پاس ہے؟ وہ کہتا ہے کہ وہ ''سرٹی'' تو نہیں ہے تو آپ جواب میں کیا کہیں گے کہ جب ''سرٹی'' نہیں ہے تو میں کیا، صدر جمہوریہ بھی تمھاری سفارش نہیں کرسکتا۔ ظاہر سی بات ہے کہ ''سرٹی'' تو ہونی چاہیے۔

دخولِ جنت کی شرطِ اولین

اسی طرح جنت میں داخل ہونے کے لیے لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰہُ کی ''سرٹی'' ضروری ہے، اس کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جاسکتا۔ چناں چہ نبیٔ کریم ﷺ نے حضرتِ ابوطالب سے کہا کہ: آپ کلمہ پڑھ لیجیے، اگر آپ کلمہ پڑھ لیں گے تو مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کے حق میں دو لفظ کہنے کی گنجائش مل سکے گی۔

أختارُ النار علی العار

جب حضور ﷺ نے یہ درخواست کی تو ابوجہل نے کہا: ابوطالب! اگر آخری گھڑی

میں کلمہ پڑھ لوگے تو مکے کی عورتیں اور بچے یوں کہیں گے کہ جہنم کی آگ سے ڈر گیا اور کلمہ پڑھ لیا۔ عار دلائی، یہ عار ہے نا عار؛ وہ آدمی کو بہت ساری خوبیوں سے روکتی ہے۔ ابوطالب نے کہا: أختارُ النار علی العار: میں نار کو عار کے مقابلے میں اختیار کرتا ہوں یعنی مجھے جہنم گوارا ہے لیکن مکہ کی عورتیں اور بچے یہ کہیں کہ ابوطالب ڈر گیا اور کلمہ پڑھ لیا، یہ مجھے گوارا نہیں ہے۔ دیکھئے! یہ عار آدمی کو کہاں تک پہنچا دیتی ہے۔

عار: احکامِ شرع پر عمل سے روکنے والا ایک برا جذبہ

جو کیفیت ہمیں بہت سے احکامِ شریعت پر عمل کرنے سے روکتی ہے، وہ ''عار'' کہلاتی ہے۔ ''لوگ کیا کہیں گے'' بڑے سے بڑے دین دار، بڑے سے بڑے شریعت پر عمل کرنے والے، جب شادی بیاہ کا موقع آتا ہے اور رسم ورواج کی بات آتی ہے تو پھسل جاتے ہیں۔ لوگ ان سے کہتے ہیں کہ آپ بھی ایسی خرافات کا ارتکاب کرتے ہیں! تو جواب دیتے ہیں کہ کیا کریں مولوی صاحب! عورتیں نہیں مانتیں، لوگ کیا کہیں گے۔ یہ ''عار'' ہے جس کی وجہ سے آدمی بہت سے احکامِ شرع کو چھوڑ دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے ہمیں مفت میں ایمان دے دیا، ہمیں مسلمان ماں باپ کے گھر پیدا کیا اور ایمان ورثے میں مل گیا، ورنہ خدانخواستہ غیر مسلم ماں باپ کے گھر پیدا ہوتے اور ہمارے سامنے اسلام کی حقّانیت واضح ہوتی، پھر بھی کوئی گارنٹی تھی کہ ہم ایمان لاتے؟ مکہ کے بھی بہت سے لوگ جانتے تھے کہ حضور ﷺ سچے نبی

ہیں، پھر بھی وہ اسی عار کی وجہ سے ایمان نہیں لائے، جو عار ہم کو آج شریعت پر عمل نہیں کرنے دیتی۔

رسم ورواج کو چھوڑے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا

حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان عار پر ایمان کو غالب نہیں کرتا، وہاں تک صحیح معنیٰ میں مؤمن نہیں ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: آدمی رسم ورواج کے مقابلے میں جب تک کہ شریعت کے احکام کو ترجیح نہ دے، معمولی معمولی رسم کے مقابلے میں جب تک شریعت کو ترجیح نہ دے، وہاں تک یوں سمجھنا چاہیے کہ اس کے دل میں ایمان کما حقہ پیوست نہیں ہوا ہے۔

جب ابوجہل نے یوں کہا کہ عورتیں اور بچے کیا کہیں گے تو ابوطالب نے کہا کہ عورتیں اور بچے میرے بارے میں ایسا کہیں، یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا اس کے مقابلے میں مجھے جہنم میں جانا پسند ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنج اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلاسہ

اس طرح بغیر ایمان کے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت رنج ہوا کہ جس چچا نے پوری زندگی سپورٹ کیا، میری تائید اور تقویت کی، وہ دنیا سے بغیر ایمان کے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس غم کو دور کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں آیت نازل فرمائی: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾: اے نبی! آپ جس کو چاہیں، ہدایت نہیں دے سکتے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔

ہدایت اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے[۱]۔

بات یہ چل رہی تھی کہ یہود کے بڑے بڑے عالموں کو نبیٔ کریم ﷺ کی نبوت کا یقین تھا؛ لیکن وہ ایمان کی دولت سے محروم رہے۔

صاحبِ واقعہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات

بہر حال! ان یہودیوں کو حضور ﷺ کے حالات سن کر آپ کے نبیٔ آخر الزماں ہونے کا یقین ہوگیا تھا۔ ان یہودی عالموں میں ایک بڑے عالم تھے: حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، یہ یہود کے بہت بڑے عالم تھے۔ توریت اور دوسری سابقہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں نبیٔ آخر الزماں حضور اکرم ﷺ کے جو حالات، نشانیاں اور علامتیں بیان کی گئی تھیں، ان سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔ ان کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت لکھ دی تھی، انھوں نے بھی جب حضور ﷺ کے حالات سنے، آپ کو دیکھا تو تھا نہیں، حالات سنتے ہی ان کو یقین ہوگیا کہ یہی نبیٔ آخر الزماں ﷺ ہیں۔

نبیٔ کریم ﷺ کی ہجرت

نبیٔ کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو قُبا جو آج کل مدینہ منورہ کا ایک حصہ ہے، اس زمانے میں یہ مدینہ منورہ سے الگ تین میل کی دوری پر ایک مستقل آبادی تھی، وہاں ان ہی انصار کے کچھ قبائل آباد تھے، وہاں نبیٔ

---

① صحيح البخاری، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ، باب قَوْلِهِ: إِنَّك لاَ تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ.

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا قیام رہا اور جیسا کہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ چودہ یا چوبیس روز قیام فرمایا[۱]۔ چودہ والی روایت کو راجح قرار دیا گیا ہے۔ چودہ روز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں قیام پذیر رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری پر اہلِ مدینہ کا اظہارِ مسرت

آپ کی ہجرت کی اطلاع اور مکہ مکرمہ سے روانہ ہونے کی خبر مدینہ منورہ پہلے سے ہی پہنچ چکی تھی اور لوگ، بچے، بوڑھے، عورتیں روزانہ آبادی سے باہر آپ کے استقبال کے لیے آجاتے تھے اور اس انتظار میں کھڑے رہتے تھے کہ آج نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں گے۔

جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو عورتیں اور بچیاں بھی مارے خوشی کے گھروں سے باہر نکل پڑیں اور بچیوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خوشی میں ترانے پڑھے:

طَلَعَ البَدْرُ علینا مِن ثَنیَّاتِ الوَدَاعِ	❁	وجبَ الشُّکرُ علینا مَا دعا للهِ داعِ[۲]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی وجہ سے مدینہ کی ہر چیز روشن ہوگئی[۳]۔

بہر حال! جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ جماعت

---

(۱) صحیح البخاری، عن أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه، باب مَقْدَمِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَصْحَابِهِ الْمَدِينَةَ.
(۲) دلائل النبوة للبيهقي، باب من استقبل رسول الله وصاحبه من أصحابه إلخ
(۳) الشمائل المحمدية، بَابُ: مَا جَاءَ فِي وَفَاةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، ر:۳۹۳.

در جماعت، گروہ در گروہ آپ ﷺ کی ملاقات اور زیارت کے لیے آپ کی قیام گاہ پر آنے لگے، سبھی آرہے تھے، جو ایمان لائے تھے، وہ بھی اور جو ایمان نہیں لائے تھے، وہ بھی آنے لگے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ حضورِ اکرم ﷺ کی ملاقات کے لیے، آپ کی زیارت اور آپ کو دیکھنے کے لیے جماعت در جماعت اور گروہ در گروہ جانے لگے۔ جیسے کوئی خاص آدمی آنے والا ہوتا ہے تو لوگوں کے دلوں میں ایک تجسس سا پیدا ہوتا ہے کہ ذرا دیکھیں تو سہی کہ کون ہے اور کیسا ہے؟۔

آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع پر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا ردِّ عمل

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے کھجور کے باغ میں کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا تھا کہ اس وقت مجھے اطلاع ملی کہ نبیٔ کریم ﷺ تشریف لا چکے ہیں تو یہ سن کر میں مارے خوشی کے درخت سے کود پڑا۔ اس وقت میری پھوپھی وہاں باغ میں موجود تھی۔ یہ بھی یہودی تھے اور وہ بھی یہودن تھی۔ انھوں نے میری خوشی کا یہ عالم دیکھ کر کے مجھے کہا کہ تم تو ان کی آمد پر ایسی خوشی ظاہر کر رہے ہو، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام آ گئے ہوں۔

اظہارِ مسرت پر پھوپھی کا سوال

چوں کہ یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا نبی مانتے ہیں تو یہ کہنا چاہتی ہیں کہ اگروہ

آجاتے تو ان کی آمد پر جیسی خوشی کا اظہار کیا جاتا، آپ نے درخت سے چھلانگ لگا کر ویسی ہی خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ بھی اسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، جس گروہ سے حضرت موسی علیہ السلام تعلق رکھتے ہیں۔ گویا نبیوں کا گروہ اور نبیوں کی جماعت سے ان کا تعلق ہے، یہ اللہ کے نبی ہیں۔ پھوپھی نے پوچھا کہ یہ اللہ کے نبی ہیں؟ تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں! اللہ کے نبی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حضرت عبداللہ بن سلام کا ابتدائی تاثر

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: یہ کہہ کر میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے آپ کی قیام گاہ کی طرف چلا اور دور سے جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک کے اوپر نظر پڑی تو روایت کے الفاظ ہیں: فَلَمَّا رَأَيْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ أَنَّهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ کہ: جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بابرکت چہرے پر میری نظر پڑی تو نظر پڑتے ہی میرے دل کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ یہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا[1]۔

کائناتِ حسن جب پھیلی تو لامحدود تھی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ وجاہت عطا فرمائی تھی، آپ کے چہرۂ انور میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ بات رکھی تھی کہ دیکھنے والے اس کو دیکھ کر آپ کے

---

① دلائل النبوة للبيهقي، باب ما جاء في دخول عبد الله بن سلام رضي الله عنه على رسول الله ﷺ حين قدم المدينة الخ

گرویدہ ہوجاتے تھے اور آپ کی حقّانیت کا اقرار کرنے لگتے تھے اور دشمن بھی اس چیز کو تسلیم کرتے تھے۔

اور جب سمٹی تو آپ کا نام بن کر رہ گئی

حضرت حارث بن عمرو سہمی رضی اللہ عنہ کی روایت ابوداود شریف کے اندر ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منیٰ یا عرفات کے اندر تشریف فرما ہیں، وَقَدْ أَطَافَ بِهِ النَّاسُ: حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھیرے ہوئے ہیں، فَتَجِيءُ الأَعْرَابُ فَإِذَا رَأَوْا وَجْهَهُ قَالُوا هَذَا وَجْهٌ مُبَارَكٌ کہ: دیہات کے رہنے والے جنھوں نے کبھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نہیں کی تھی؛ اس لیے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر بہت بڑا مجمع تھا، ایسے بہت سے لوگ تھے جنھوں نے پہلے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا نہیں تھا تو فرماتے ہیں کہ دیہات کے رہنے والے آتے تھے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر کے بے اختیار ان کی زبان سے نکلتا تھا کہ: کیسا بابرکت چہرہ ہے، کیسا بابرکت چہرہ ہے (۱)! اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ شان عطا فرمائی تھی؛ اسی لیے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میرے دل نے گواہی دی کہ یہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ یہ تو دور سے دیکھنے پر ان کا تأثر تھا۔

زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہوا سب سے پہلا کلام

جب آپ کی مجلس کے قریب پہنچے اور اتنے قریب پہنچے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو باتیں

---

(۱) سنن أبي داود، باب فِي الْمَوَاقِيتِ، ر:۱۷۴۴.

ارشاد فرمارہے تھے، ان کی آواز ان کے کان میں پڑنے لگی، فرماتے ہیں کہ: سب سے پہلا کلام اور سب سے پہلی بات جو نبیٔ کریم ﷺ کی زبانِ مبارک سے سنی، وہ یہ تھی: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَأَفْشُوا السَّلاَمَ وَصِلُوا الأَرْحَامَ وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلاَمٍ [۱]۔

یہ سب سے پہلا کلام تھا، سب سے پہلی بات تھی جو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم ﷺ کی زبانِ مبارک سے سنی کہ حضور ﷺ فرمارہے ہیں کہ اے لوگو! أَطْعِمُوا الطَّعَامَ: کھانا کھلاؤ۔

خواب میں نبیٔ کریم ﷺ کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا اور باہم سوال وجواب

کھانا کھلانا ان اعمال میں سے ہے جو آدمی کو جنت میں لے جائیں گے اور اس کے درجات کو بلند کریں گے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ خواب میں مجھ سے پوچھا گیا کہ: ملأِ اعلیٰ یعنی آسمان کے فرشتے کون سی چیز میں بحث کررہے ہیں؟ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں خاموش رہا۔ دوسری مرتبہ پھر تیسری پوچھا اور میں خاموش رہا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا دستِ مبارک میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان میں رکھا جس کی ٹھنڈک کو میں نے اپنے سینے میں محسوس کیا، گویا اللہ کی طرف سے فیض پہنچا پھر پوچھا گیا تو اس کے جواب میں میں نے عرض کیا کہ کفارات کے بارے میں بحث کررہے ہیں یعنی وہ اعمال جو آدمی کے گناہوں کو معاف کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں، ان کی چرچا ہورہی ہے۔

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي، باب التَّرْغِيبِ فِي قِيَامِ اللَّيْلِ، ر:٤٨٣١.

گناہوں کو معاف کرانے والا ایک عمل: وضو کامل کرنا

اس میں ایک عمل بتایا گیا: إِسْبَاغُ الوُضُوءِ فِي الْمَكَارِهِ: آدمی تکلیف کے اندر بھی پورے طور پر وضو کرے جیسے سردی کے زمانے میں بہت ٹھنڈی ہے، پانی بھی بہت ٹھنڈا ہے، وضو کرنا طبیعت کو گراں گذرتا ہے لیکن اس کے باوجود پورے اہتمام کے ساتھ، اعضائے وضو میں سے کوئی عضو خشک نہ رہ جائے، اس طرح وضو کرتا ہے تو یہ بھی آدمی کے گناہوں کو معاف کرانے والی چیز ہے۔ دوسرے اعمال بھی بتائے۔

انسان کے درجات بلند کرنے والے اعمال حدیث کی روشنی میں

پھر دوسرا سوال کیا کہ فرشتے دوسری کس چیز کے بارے میں بحث کررہے ہیں؟ تو میں نے جواب دیا: فِي الدَّرَجَاتِ: درجات کو بلند کرنے والے اعمال کے بارے میں وہ بحث اور چرچا کررہے ہیں۔ پوچھا گیا کہ آدمی کے درجات کو بلند کرنے والے کام کون سے ہیں؟ تو جواب دیا: إِطْعَامُ الطَّعَامِ وَلِينُ الْكَلاَمِ وَالصَّلاَةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ: کھانا کھلانا کہ یہ آدمی کے درجات کو بلند کرنے والے ہیں۔

اور نرم بات کرنا کہ جب کسی کے ساتھ بات کرو تو نرمی کے ساتھ کرو، یہ بھی بڑی پسندیدہ چیز ہے۔ درشت اور سخت لہجے میں بات کرنے کی ممانعت ہے۔ بعضوں کا ایک مزاج ہوتا ہے، جیسے پتھر ماررہے ہیں، ایسے بات کریں گے۔ یہ طریقہ پسندیدہ نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو حضرتِ موسیٰ اور حضرتِ ہارون علی نبینا وعلیہما الصلوۃ والسلام کو جب فرعون جیسے سرکش اور متمرِّد کے پاس دعوت پیش کرنے کے لیے بھیجا تھا تو حکم دیا

تھا:﴿فَقُولَا لَهُۥ قَوْلًا لَّيِّنًا﴾[طٰهٰ:۴۴] ان سے نرم بات کرنا۔

تو موسیٰ سے بڑھ کر نہیں اور میں فرعون سے بدتر نہیں

ایک آدمی حجاج بن یوسف کے پاس گیا اور بڑے سخت لہجے میں اس سے بات کرنے لگا تو حجاج بن یوسف نے اس سے کہا کہ تیرا مرتبہ حضرتِ موسی سے بڑھ کر کے نہیں ہے اور میں فرعون سے گیا گذرا نہیں ہوں۔اس کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرتِ موسی کو فرعون کے پاس بھیجا تھا تو ان کو تاکید کی تھی کہ نرم لہجے میں بات کرنا اور تو میرے ساتھ ایسی بات کرتا ہے!۔

اور تیسری چیز بیان فرمائی: وَالصَّلاَةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ: رات کے وقت جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو نماز پڑھنا[۱]۔ یہ تین کام وہ ہیں جو آدمی کے درجات کو بلند کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ بھوکوں کو کھانا کھلانے کی بہت فضیلت آئی ہے، اس کے علاوہ بھی بہت ساری روایتیں ہیں: ایک موقع پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے، جس کو اختیار کر کے اور انجام دے کر میں جنت کے اندر داخل ہو جاؤں۔ جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی چار باتیں ارشاد فرمائیں۔

بہر حال! بھوکوں کو کھانا کھلانا، اللہ کی مخلوق کو کھلانا، چاہے کوئی بھی مخلوق ہے۔

---

[۱] سنن الترمذی، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، باب وَمِنْ سُورَةِ ص، ر:۳۵۴۳.

یہاں کوئی مسلمان کی قید نہیں ہے، مسلمان ہو، غیر مسلم ہو، ہر ایک کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا، ہر ایک کو کھلانے پر یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

پیاسے کتے کو پانی پلانے پر جنت

بھوکے جانور کو کھانا کھلانے اور پیاسے جانور کو پانی پلانے سے بھی یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے بہت راضی اور خوش ہوتے ہیں۔ بخاری شریف میں واقعہ ہے کہ ایک آدمی جارہا تھا، جنگل کے اندر سے گذر رہا تھا، پیاس لگی، وہاں ایک کچا کنواں تھا، جنگل کا کنواں جہاں ڈول اور رسی بھی نہیں ہوتی، کنویں کے اندر خانے بنے ہوئے ہوتے ہیں، تو وہ پیاس بجھانے کے لیے ان خانوں کے ذریعہ کنویں کے اندر اترا، اپنی پیاس بجھائی اور باہر آیا، دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے بے چین ہے، تڑپ رہا ہے، اس منظر کو دیکھ کر اس نے سوچا کہ پیاس کی جو تکلیف میں نے اٹھائی، وہی تکلیف یہ کتا بھی محسوس کر رہا ہے، اب پانی نکالنے کے لیے کوئی ذریعہ نہیں ہے، نہ ڈول رسی ہے، نہ کوئی اور چیز، خود اس نے اندر اتر کر پانی پیا تھا تو اس نے سوچا کہ اس کی پیاس بجھاؤں، اس کے پاس چمڑے کے موزے تھے، وہ اتارے، کنویں میں اترا اور اس موزے کے اندر پانی بھر کر کے اپنے دانتوں میں دبایا؛ اس لیے کہ ہاتھ اور پاؤں تو چڑھنے کے لیے استعمال کرنا ہے، ہاتھ سے پکڑ نہیں سکتا تھا، دانتوں میں موزہ دبا کر باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا۔

بخاری شریف کی روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی بات

پر اس کی مغفرت فرمادی اور یہ عمل اس کے لیے دخولِ جنت کا سبب بنا، یہ سن کر حضراتِ صحابہ نے عرض کیا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ لَأَجْرًا؟: اے اللہ کے رسول! کیا جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں بھی ہمیں ثواب ملے گا؟ تو نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ: ہر تر جگر والے کے ساتھ بھلائی کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب ملتا ہے(۱)۔

کتے جیسے جانور کی پیاس بجھانے پر -جس کو لوگ اتنا حقیر سمجھتے ہیں کہ قریب بھی نہیں آنے دیتے- اللہ کے یہاں جنت کا فیصلہ ہو رہا ہے تو انسانوں کی پیاس بجھانے پر اللہ تعالیٰ کیا کچھ اجر عطا فرمائیں گے، ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

کتے کو پانی پلانے پر ایک فاحشہ عورت کی مغفرت

ایک فاحشہ عورت کا بھی اس طرح کا قصہ ہے، اس نے اپنی اوڑھنی میں موزہ باندھ کر پانی نکالا اور کتے کو پلایا حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی بنیاد پر اس کی مغفرت فرمائی اور جنت کا فیصلہ کر دیا(۲)۔ یہ دو قصے ایک نہیں بلکہ الگ الگ ہیں۔

خدمتِ خلق کی اہمیت

کتے جیسے جانور کی پیاس بجھانے پر اللہ کے یہاں جنت کا فیصلہ ہو رہا ہے تو انسانوں کی پیاس بجھانے پر، ان کی خیر خواہی کرنے پر اللہ تعالیٰ کیا کچھ اجر عطا فرمائیں گے،

---

(۱) صحيح البخاري، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، باب الآبَارِ عَلَى الطُّرُقِ إلخ، ر:٢٤٦٦.

(۲) صحيح البخاري، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابٌ إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي شَرَابِ إلخ، ر:٣٣٢١.

ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ انسان کے ساتھ تو ایسا معاملہ ہے، مسلم شریف میں روایت موجود ہے کہ کل قیامت کے دن باری تعالیٰ انسان سے کہیں گے: اے ابنِ آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا، تو نے مجھے کھانا نہیں دیا۔ انسان عرض کرے گا: باری تعالیٰ! آپ تو رب العالمین ہیں، بھلا آپ کیسے بھوکے ہو سکتے ہیں! اور میں کیسے آپ کو کھانا کھلاتا! تو باری تعالیٰ جواب میں ارشاد فرمائیں گے: تمھیں معلوم نہیں، میرا فلانا بندہ بھوکا تھا، اس نے تم سے کھانا مانگا تھا، تم نے اس کو کھانا نہیں دیا، تمھیں معلوم نہیں، اگر تم اس کو کھانا دیتے تو مجھ کو اس کے یہاں پاتے۔

اسی طرح باری تعالیٰ آگے پھر پوچھیں گے: اے انسان! میں نے تجھ سے پانی مانگا، تو نے مجھے پانی نہیں دیا۔ انسان عرض کرے گا: باری تعالیٰ! آپ تو رب العالمین ہیں، بھلا آپ کیسے پیاسے ہو سکتے تھے! اور میں کیسے آپ کو پانی دیتا! تو باری تعالیٰ جواب میں یہی ارشاد فرمائیں گے: تمھیں معلوم نہیں، میرا فلانا بندہ پیاسا تھا، تم نے اس کو پانی نہیں دیا، تمھیں معلوم نہیں، اگر تم اس کو پانی دیتے تو اس کو یہاں پاتے[۱]۔

غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک بھی باعثِ اجر

کھلانا، پلانا ایسی نیکی ہے کہ جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں اور اس میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک یہودن ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور کچھ سوال کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کھجور دی کہ

---

(۱) صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، باب فَضْلِ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ.

اس وقت صرف کھجور ہی موجود تھی① ۔

زمانۂ نبوی کا ایک واقعہ

نبیٔ کریم ﷺ غذا اور خوراک کے سلسلے میں دشمنوں کے معاملے میں بھی کوئی تفریق نہیں کرتے تھے۔ روایتوں میں ہے کہ حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ قبیلۂ بنو حنیفہ کے سردار تھے، ایک مرتبہ وہ عمرہ کرنے کے ارادے سے مکہ مکرمہ جانے کے لیے نکلے، نبیٔ کریم ﷺ نے چند صحابہ کا ایک چھوٹا سا لشکر نجد کی طرف حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی اور امارت میں بھیجا تھا، یہ لوگ اپنی مہم پوری کر کے واپس آ رہے تھے کہ وہاں ان کو دیکھا تو گرفتار کر لیا اور مدینہ منورہ لے آئے۔ اس زمانے میں جیل خانے کی کوئی مستقل عمارت تو تھی نہیں۔ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسجدِ نبوی میں ستون کے ساتھ ان کو باندھ دو؛ تاکہ قید بھی ہو اور مسلمانوں کی نماز کا اور دوسرے اعمالِ صالحہ کا منظر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھے۔

نبیٔ کریم ﷺ اور ثمامہ بن اثال کے درمیان گفتگو

نبیٔ کریم ﷺ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر ان کے پاس آئے اور ان سے پوچھا: مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ: ثمامہ! تمھارے کیا خیالات ہیں؟ میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہو؟ تو انھوں نے جواب دیا: عِنْدِي خَيْرٌ يَا مُحَمَّدُ إِنْ تَقْتُلْنِي تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَإِنْ تُنْعِمْ

---

① صحیح البخاری، عن عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ رضي الله عنهما، باب رَحْمَةِ الْوَلَدِ وَتَقْبِيلِهِ وَمُعَانَقَتِهِ، ر:۵۹۹۵.

تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ کہ: اگر آپ میرے قتل کا فیصلہ صادر کریں گے تو آپ ایک ایسے آدمی کے قتل کا فیصلہ صادر کریں گے جو قتل کا حق دار ہے- اس لیے کہ اس دنیا میں قیدیوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا ہے- اور اگر آپ میرے ساتھ بھلائی اور احسان کا معاملہ کر کے مجھے چھوڑ دیں گے تو ایک ایسے آدمی کو چھوڑیں گے جو آپ کے احسان کا شکر گزار ہوگا، اس کی قدر کرے گا۔

تیسری بات اور آخری بات یہ کہی کہ اگر آپ کو مال کی ضرورت ہے تو فرمایئے، آپ کو کتنا مال چاہیے؟ میں حاضر کر دوں گا۔ نبیٔ کریم ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا اور تشریف لے گئے۔ یہ اسی طرح قید رہے۔ دوسرے دن پھر نبیٔ کریم ﷺ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر وہاں سے گذرے اور پوچھا: مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ: ثمامہ! تمھارے کیا خیالات ہیں؟ آج انھوں نے جواب میں پہلا اور آخری جملہ حذف کر دیا اور صرف بیچ والا جملہ کہا: إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ: آپ اگر احسان کا معاملہ کر کے مجھے چھوڑ دیں گے تو ایک ایسے آدمی کو چھوڑیں گے جو آپ کے احسان کا شکر گزار ہوگا۔

وہ سمجھ گئے کہ اب قتل تو کرنے والے ہیں نہیں، اگر قتل کرنا ہوتا تو اب تک اس کا فیصلہ ہو چکا ہوتا؛ اس لیے جو دوسری شکل تھی، وہی بیان کی، مال کا بھی تذکرہ نہیں کیا۔ نبیٔ کریم ﷺ نے آج بھی کوئی جواب نہیں دیا اور تشریف لے گئے۔

ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کی رہائی اور قبولِ اسلام

تیسرے دن نبیٔ کریم ﷺ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر پھر ان کے پاس آئے اور

پوچھا: مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ!۔ آج کچھ بھی نہیں کہا کہ پہلے جو جواب دیا تھا، وہی جواب ہے لیکن یہ جملہ بھی نہیں بولے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو، چناں چہ ان کو چھوڑ دیا۔ چھوٹتے ہی مسجدِ نبوی کے سامنے کھجور کے درختوں کا ایک باغ تھا، وہاں گئے، غسل کیا، غسل سے فارغ ہو کر نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کلمۂ شہادت: أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ پڑھ کر اسلام لے آئے۔

چرچا تیرے اخلاق کا ہے روئے زمین پر

اسلام اور نبیٔ کریم ﷺ کی حقانیت تو پہلے ہی ان کے دل میں گھر کر چکی تھی؛ لیکن اب تک اس کا اظہار اس لیے نہیں کیا تھا کہ اگر قید کی حالت میں اس کا اظہار کرتے تو کوئی یہ سمجھتا کہ قید سے رہائی پانے کے لیے کلمہ پڑھ لیا، مسلمان ہو گئے۔ رہائی کے بعد انھوں نے کہا: وَاللَّهِ مَا كَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضُ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلاَدِ إِلَيَّ کہ: اس سے پہلے میری نگاہوں میں آپ کے شہر سے زیادہ مبغوض کوئی دوسرا شہر نہیں تھا اور آج آپ کے شہر سے زیادہ محبوب میری نگاہوں میں کوئی دوسرا شہر نہیں۔ وَاللَّهِ مَا كَانَ مِنْ دِينٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِينِكَ فَأَصْبَحَ دِينُكَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيَّ: اس سے پہلے میری نگاہوں میں آپ کے دین سے زیادہ مبغوض کوئی دوسرا دین نہیں تھا اور آج آپ کے دین سے زیادہ محبوب میری نگاہوں میں کوئی دوسرا دین نہیں ہے۔ وَاللَّهِ مَا كَانَ عَلَى الأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ الْوُجُوهِ إِلَيَّ: اس سے

پہلے میری نگاہوں میں آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض کوئی دوسرا چہرہ نہیں تھا اور آج آپ کے چہرے سے زیادہ محبوب میری نگاہوں میں کوئی دوسرا چہرہ نہیں ہے۔

وہ کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

اس زمانے میں نبیٔ کریم ﷺ پر جو ایمان لاتا تھا تو ایمان لاتے ہی دل کی کیفیت بدل جاتی تھی۔ ہم تو زندگی بھر عبادتیں، ریاضتیں، مجاہدے کریں تو بھی یہ کیفیت حاصل نہیں ہو سکتی جو ان حضرات کو نبیٔ کریم ﷺ کی ایک نگاہِ مبارک سے حاصل ہو جاتی تھی۔ پھر انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں تو عمرہ کرنے کے لیے جا رہا تھا، آپ کا لشکر مجھے راستے میں مل گیا اور پکڑ کے یہاں لے آیا۔ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ: ٹھیک ہے، تم عمرہ کرنے کے لیے جا سکتے ہو اور عمرہ کر کے واپس گھر چلے جانا۔

مشرکینِ مکہ کا طعنہ اور حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کا دلیرانہ جواب

اب یہ عمرہ کرنے کے لیے نکلے۔ اس زمانے میں بھی باتیں یہاں کی وہاں اور وہاں کی یہاں پہنچ جاتی تھیں۔ یہ مکہ مکرمہ جاویں، اس سے پہلے وہاں بات پہنچ چکی تھی کہ ثمامہ مسلمان ہو گیا ہے۔ جب مکہ مکرمہ پہنچے تو کسی نے کہا: صَبَوْتَ: ثمامہ! تم صابی ہو گئے، بے دین ہو گئے؟ صَبَا، یصْبُوْ عربی زبان میں آبائی دین کو چھوڑ کے دوسرا دین اختیار کرنے کے موقع پر کہا جاتا ہے تو اس زمانے میں جو آدمی مسلمان ہوتا تھا، مکہ کے مشرکین اس کو یہی کہا کرتے تھے کہ صابی ہو گیا، دین چھوڑ دیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ: میں صابی نہیں ہوا، میں تو نبیٔ کریم ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں۔

جیسا بویا، ویسا کاٹا

پھر کہا کہ: اچھا! تم مجھے طعنہ دیتے ہو، میں یہاں سے جا کر گیہوں کا ایک دانہ بھی مکہ مکرمہ نہیں آنے دوں گا۔ مکہ مکرمہ میں کھیتی تو ہوتی نہیں تھی، بالکل بے آب و گیاہ زمین ہے، ایسی زمین کہ جو کھیتی کے لائق ہی نہیں۔ وہاں جو غلّہ آتا تھا، وہ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کے علاقے سے آتا تھا اور گویا ان کا مدار اسی پر تھا۔ تو حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں غلّہ بند کر دوں گا۔ چناں چہ اپنے علاقے میں جا کر کے انھوں نے غلّہ بند کر دیا جس کی وجہ سے اہلِ مکہ مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مشرکینِ مکہ کی التجا

(حضرت) ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) مکہ کے سردار تھے، انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس پیغام کے ساتھ اپنا ایک آدمی بھیجا کہ آپ تو صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہیں اور یہ ثمامہ نے اسلام قبول کر کے ہمارے یہاں آنے والا غلّہ ہی بند کر دیا، آپ ان سے کچھ کہیے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کے پاس خط بھیجا کہ ان کا غلّہ جاری کر دو۔

نام نہاد حقوقِ انسانی کے علم برداروں کے لیے درسِ عبرت

آج یہ جو خود دنیا کے سرغنے بنے بیٹھے ہیں اور دنیا میں امن و امان پھیلانے کے دعوے دار ہیں، اپنے آپ کو حقوقِ انسانی کے علَم بردار کہلواتے ہیں، چاہے وہ امریکہ ہو یا یورپ کے ممالک، وہ -نعوذ باللہ- اسلام پر دہشت گردی کا الزام لگا کر لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف سے غلط فہمی اور بدگمانی پیدا کر رہے ہیں، وہ بتائیں کہ یہ کیا

تھا؟ ان لوگوں کو جو نبیٔ کریم ﷺ کی جان کے دشمن تھے، جنھوں نے ایک پل آپ کو چین سے نہیں رہنے دیا یہاں تک کہ ہجرت کرنے پے مجبور کر دیا اور مدینہ منورہ آنے کے بعد بھی کبھی سکون کی سانس لینے نہیں دی، ہر سال حملے کیا کرتے تھے۔ یہاں ان دشمنوں کے یہاں جانے والا غلّہ آپ نے بند نہیں کیا تھا، ایک آدمی نے اپنے طور پر بند کیا تھا، وہ بھی نبیٔ کریم ﷺ نے جاری کروایا ①۔

مغربی تہذیب کا ظاہر ہے کچھ، باطن ہے کچھ

دوسری طرف ان حقوقِ انسانی کے بلند بانگ دعوے کرنے والے یورپی ممالک کو بھی دیکھیے کہ وہ اسلامی ممالک کے ساتھ کیسا معاملہ کرتے ہیں، کھانے پینے کی چیزوں پر پابندی لگادی جاتی ہے اور دوائیاں تک بند کر دی جاتی ہیں۔ اسلام نے تو حقوقِ انسانی کی وہ پاس داری کی ہے کہ اس کا نمونہ نہ اس سے پہلے کوئی پیش کر سکا، نہ کوئی دوسرا پیش کر سکتا ہے۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ کھانے پینے کا معاملہ ایسا ہے کہ اس سلسلے میں کسی پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی جا سکتی، نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: أَطْعِمُوا الطَّعَامَ: کھانا کھلاؤ۔ آپ کے دسترخوان پر ایسی کوئی تخصیص نہیں ہونی چاہیے کہ آپ کے دوستوں ہی کو کھانا کھلایا جائے، دوست ہو یا دشمن، رشتہ دار ہو یا اجنبی، اپنا ہو یا پرایا، مسلمان ہو یا غیر مسلم؛ ہر ایک کو کھلاؤ، اس میں کوئی تفریق نہیں ہونی چاہیے۔

---

① صحيح البخاري، عن أبي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، باب وَفْدِ بَنِي حَنِيفَةَ، ر:٤٣٧٢.

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مہمان نوازی

سیدنا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام خلیل الرحمٰن -یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے خلیل- بڑے مہمان نواز تھے اور مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ایک مرتبہ دسترخوان بچھایا،مہمان ہے نہیں،انتظار میں ہیں،دور گئے اور اپنے ساتھ ایک آدمی پکڑ کر لے آئے۔اب وہ آدمی آتش پرست تھا: آگ کی پوجا کرنے والا۔کھانا شروع کیا تو اللہ کا نام لینے کے بجائے اپنے دین کے مطابق کوئی جملہ کہا۔

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام تو اللہ کے خلیل تھے، پکے موحّد تھے، غیر اللہ کا نام کیسے برداشت کر سکتے تھے، چناں چہ اس کو اٹھا دیا اور کہا کہ: اللہ کھلا رہا ہے اور تم دوسرے کا نام لیتے ہو؟ تم میرے دسترخوان سے اٹھ جاؤ! ابھی وہ باہر گیا ہی تھا کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی: اے ابراہیم! اتنے سالوں سے میں اس کو کھلا رہا ہوں، میرا نام نہیں لیتا، آتش پرستی میں مبتلا ہے، اسی کا نام لے کر کھاتا ہے، پھر بھی میں اس کو روزی دیتا رہا ہوں؛ لیکن تم سے ایک وقت بھی نہیں کھلایا گیا!!۔

دشمن کے لیے دوست پر عتاب

عتاب نازل ہوا،فوراً دوڑے ہوئے گئے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر،معافی مانگ کر لے آئے کہ میرے ساتھ چل کر کھانا کھالے۔اس نے پوچھا کہ کیا بات ہوگئی؟ آپ نے جواب دیا کہ: تجھے اٹھا دیا تو مجھ پر تو عتاب نازل ہوا،اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ

ہم کو نہیں مانتا، ہماری عبادت نہیں کرتا، اس کے باوجود میں اتنے سالوں سے کھلا رہا ہوں اور تم سے ایک دن نہیں کھلایا گیا؟۔ اس آدمی نے فوراً کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گیا کہ اچھا! میرے لیے اللہ تعالیٰ نے تم پر عتاب کیا! دشمن کے لیے دوست پر عتاب نازل کیا جا رہا ہے!۔

کھانا کھلانے والوں کی تعریف قرآنِ پاک میں

قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس عمل کی بڑی تعریف فرمائی ہے:

﴿وَيُطۡعِمُونَ ٱلطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ مِسۡكِينٗا وَيَتِيمٗا وَأَسِيرًا ۝٨﴾[الانسان] کہ: اللہ کے وہ مخصوص بندے جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا، وہ کھانا کھلاتے ہیں، ﴿عَلَىٰ حُبِّهِۦ﴾: اللہ کی محبت میں۔ نام آوری کے لیے نہیں کہ لوگ کہیں گے کہ بڑا سخی ہے، اس کا دسترخوان ہر ایک کے لیے بچھا ہوا رہتا ہے، نام آوری بالکل مقصود نہیں ہوتی، صرف اللہ کے لیے کھلاتے ہیں۔ کس کو؟ ﴿مِسۡكِينٗا وَيَتِيمٗا وَأَسِيرًا﴾: مسکینوں اور غریبوں کو، یتیموں اور قیدیوں کو۔ یہ لوگ اس لائق ہیں کہ ان کے ساتھ احسان اور بھلائی کا سلوک کیا جائے۔

قیدیوں کی رہائی کی سعی کا خصوصی حکم

غریب ہے، اس کے پاس اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے، آپ اس کی مدد کر دیجیے۔ یتیم بھی بے یار و مددگار ہوتا ہے اور قیدی، اس کے ساتھ تو حسنِ سلوک کی بڑی تاکید فرمائی ہے، ایک روایت میں ہے: أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ کہ: نبیٔ کریم ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم فرمایا اور سات

چیزوں سے روکا۔ جن سات چیزوں کا حکم دیا، اس میں ہے: وَفُكُّوا الْعَانِيَ: قیدیوں کو چھڑاؤ[۱]۔

قیدیوں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنا ضروری ہے

جو قید میں بند ہوتے ہیں، ان کے دلوں پر کیا گذرتی ہے، ان کے ماں باپ، بیوی بچے، ان کے گھر والے کس طرح دن گذارتے ہیں، کیسے وقت گذارتے ہیں، ذرا ان سے جا کر کے پوچھو کہ ان کے دلوں پر کیا گذر رہی ہے۔ مسلمانوں میں یہ جذبہ بھی بیدار ہونا چاہیے کہ اللہ کے جن بندوں کو بلا کسی گناہ کے، بے گناہ ہونے کی حالت میں جیلوں میں ڈال دیا گیا ہے یا معمولی معمولی باتوں کے اوپر ان کو بڑی بڑی سزاؤں کا مستحق قرار دیا گیا، ان کو چھڑانے کے سلسلے میں ان کا تعاون کیا جائے، اسلام اس کی تاکید کرتا ہے، ان کے کھانے پینے کا انتظام، ان کو چھڑانے کا انتظام، ان کے گھر والوں کی دل جوئی، یہ سب امور ضروری ہیں۔ اللہ کے وہ بندے بڑے مبارک ہیں جو ایسے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

اللہ کے نیک بندوں کا ایک وصف

آگے فرماتے ہیں: ﴿إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ ٱللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَآءً وَلَا شُكُورًا ۝٩﴾: کھانا کھلا کر یہ حضرات کہتے ہیں کہ: ہم صرف اللہ کے لیے تم کو یہ کھانا کھلا رہے ہیں، ہم تم سے کوئی بدلہ اور شکر گزاری نہیں چاہتے، تم ہم کو "جزاکم اللہ" کہو،

---

(۱) صحیح البخاری، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ، باب الأمر باتباع الجنائز.

اس کے بھی ہم تو خواہاں نہیں ہیں، ہم تو کچھ نہیں چاہتے، ہم تو بس اللہ کی محبت میں اس کی رضا جوئی کے لیے کھلا رہے ہیں۔

موجودہ دور کا ایک عام مرض

آج ہمارا یہ حال ہو گیا ہے کہ کسی کو ایک وقت کھلا دیا اور اس نے ہمارے خلاف کوئی بات کہہ دی تو برسرِ عام اعلان کریں گے کہ فلانے کو ہم نے کھلایا تھا اور وہ ہمارے خلاف ایسی بات کرتا ہے۔ آج احسان جتلانا تو اتنا عام ہو گیا کہ اللہ کی پناہ! قرآنِ پاک میں تو احسان جتلانے کو اپنی نیکی برباد کرنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے، حدیث میں بھی احسان جتلانے پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں، شبِ برأت اور شبِ قدر جیسی بڑی مبارک راتوں میں جس میں بڑے بڑے گناہ گاروں کی بخشش کر دی جاتی ہے، کچھ ایسے ''نامی گرامی'' بڑے بڑے گناہ گار ہیں جن کو معافی نہیں دی جاتی، ان میں سے ایک یہ ''المَنّان'' احسان جتلانے والا بھی ہے [1]۔

آج یہ مصیبت بھی بڑی عام ہو گئی ہے، اچھے اچھے، صالح اور نیک کہلانے والے لوگ اس میں مبتلا ہیں۔ بہت سے تو وہ ہیں جو اپنے رشتہ داروں پر احسان ہی نہیں کرتے اور جو کرتے ہیں تو وقت آنے پر ان سے وہ بھی ہضم نہیں ہوتا اور کہہ سناتے ہیں کہ اس نے ہمارے احسان کا یہ بدلہ دیا۔

---

(۱) أخرج البيهقي عن عائشة رضي الله عنها. الدر المنثور في التفسير بالماثور تحت قوله تعالى: فيها يفرق كل أمر حكيم، ۱۳/ ۲۵۶.

اور ہو کبھی صلے کے نہ امیدوار تم

یہ بات اور ہے کہ کسی شریف آدمی کے ساتھ جب احسان اور بھلائی کا سلوک کیا جاتا ہے تو وہ خود شکریہ ادا کرتا ہے، یہ اس کا فریضہ ہے، وہ اس کو انجام دے؛ لیکن آپ کا فریضہ یہ ہے کہ وہ آپ کا شکریہ ادا کرے یا نہ کرے، آپ اس کے ساتھ بھلائی اور احسان کرتے رہیں۔ بادل تو پانی برساتا ہی جاتا ہے، کوئی اس کا شکریہ ادا کرے یا نہ کرے۔ ہمیں بھی بادل کی طرح بننا چاہیے۔ کچھ بھی ہو جائے، آپ کی زبان سے ایسی بات نکلنی نہیں چاہیے! یہ کس کے لیے کیا تھا؟ لوگوں کو دکھلانے کے واسطے کیا تھا؟ اللہ کے واسطے کیا تھا تو ٹھیک ہے، اس کا اجر ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ملے گا، یہ ہمارے ساتھ جو کرنا چاہے کرے، ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے۔

ریا کا رنگ نہ ہو، مستند ہیں وہ اعمال

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً أَشْرَكَ فِيهِ مَعِي غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ: میں تمام پارٹنروں اور شراکت داروں میں سب سے زیادہ بے نیاز ہوں۔ جب بندہ کوئی عمل کرتا ہے اور اس میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کرتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ عمل اس کو دے دو، مجھے نہیں چاہیے [1]۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے تو وہ عمل چاہیے جو خالص میرے لیے انجام دیا گیا ہو، کسی دوسرے کو دکھانے کے لیے کیا تو جا کر اس کے حوالے کرو، یہاں قابلِ قبول نہیں ہے۔

---

(۱) صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، باب مَنْ أَشْرَكَ فِي عَمَلِهِ غَيْرَ اللَّهِ.

دوسری چیز: سلام کو عام کرنے کا حکم

دوسری چیز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی: وَأَفْشُوا السَّلاَمَ: اور سلام کو عام کرو، پھیلاؤ یعنی اپنے سماج اور سوسائٹی میں سلام کو کثرت سے رواج دو، آپس میں ایک دوسرے کو خوب سلام کرو۔

سلام کی ابتدا کس طرح ہوئی؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں کتاب الاستیذان کے اندر پہلا ہی باب قائم کیا ہے: باب بدء السلام۔ اس میں یہ بتلاتے ہیں کہ اس سلام کی ابتدا کس طرح ہوئی: اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرتِ آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا فرمایا اور ان کے اندر روح پھونکی، جب وہ اٹھے تو وہاں فرشتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرتِ آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو حکم فرمایا کہ جا کر ان کو سلام کرو اور وہ جو جواب دیں، اس کو سنو، یہی تمھاری اور تمھاری اولاد کا تحیہ ہے یعنی ایک انسان جب دوسرے انسان سے ملے گا تو ایک کہے گا: السلام علیکم اور اس کے جواب میں دوسرا کہے گا: وعلیکم السلام[1]۔

قرآنِ پاک میں بھی اس کا حکم دیا گیا ہے: ﴿وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّواْ بِأَحْسَنَ مِنْهَآ أَوْ رُدُّوهَآ﴾ [النساء۸۶]۔ قرآن میں اس سلسلے میں اور بھی احکام ہیں، حضراتِ محدثین بھی اس سلسلے میں جو احادیث آتی ہیں، ان کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں، یہ بڑا

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، كتاب الاستئذان، ر:۶۲۲۷.

پاکیزہ کلمہ ہے۔

سلام: اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک عظیم انعام

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی سلام کو عام کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے کہ اس نے ہمیں آپس میں ملاقات کے وقت بطورِ تحیّہ استعمال کرنے کے لیے ایسا کلمہ عطا فرمایا کہ جو دنیا میں کسی قوم کے پاس نہیں؛ بلکہ اپنے نام "السلام" کے استعمال کی اجازت دی۔ "السلام" اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام ہے، اس نے ہمیں اپنا نام اس مقصد کے لیے عطا فرمایا کہ ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان سے ملے تو کہے: "السلام علیکم" "تم پر سلامتی ہو، "ورحمۃُ اللہ" اور اللہ کی رحمت، "وبرکاتہ" اور اللہ کی برکتیں، تین تین دعائیں دیتا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کو عام کرو۔

الفاظِ سلام میں زیادتی، اجر میں زیادتی کا سبب

حدیث میں آتا ہے کہ کوئی یہ تینوں کلمات کہتا ہے تو اس کو تیس نیکیاں ملتی ہیں، ایک کہے تو دس نیکیاں اور دو کہے تو بیس نیکیاں ملتی ہیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی نے آ کر سلام کرتے ہوئے کہا: السلام علیکم۔ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دس۔ دوسرا آدمی آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃُ اللہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیس۔ تیسرا آدمی آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃُ اللہ وبرکاتہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تیس۔ گویا السلام علیکم کہے گا تو دس نیکیاں ملیں گی اور السلام علیکم ورحمۃُ اللہ کہے گا

تو بیس نیکیاں ملیں گی اور اگر السلام علیکم ورحمۃُ اللہ وبرکاتہ کہے گا تو تیس نیکیاں ملیں گی①۔

زمیں کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے

اب آج کل ہمارے مسلمان بھائی غیروں کی اتباع میں ’’گڈ مارننگ، گڈ ایوننگ، نمستے، نمسکار‘‘ اور پتہ نہیں کیا کیا کہتے ہیں۔ اس میں غیروں کی مذہبی چیزیں بھی آ جاتی ہیں۔ یہ اسلامی انداز ہے؟ مسلمانوں کو تو باہم ملاقات کے وقت وہی انداز، وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو نبیٔ کریم ﷺ نے ہمیں بتلایا ہے اور اسی کو عام کیا جائے۔

دوسری قوموں اور دوسرے مذاہب میں آپس کی ملاقات کے وقت جو الفاظ تحیہ کے رکھے گئے ہیں، ان میں وہ جامعیت نہیں ہے جو سلام کے اندر ہے۔ یہ ’’گڈ مارننگ، گڈ ایوننگ‘‘ وغیرہ میں سلامتی صرف صبح تک ہے، شام میں پھر سے مصیبتیں آجائیں گی اور السلام علیکم ورحمۃُ اللہ وبرکاتہ میں تو مطلق اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے سلامتی، رحمتوں اور برکتوں کی عام دعا ہے۔

سنتوں پر مر مٹنے والے

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو بازار میں کوئی کام نہیں ہوتا، محض اس لیے جاتے تھے کہ کوئی ملے گا تو اس کو سلام کریں گے اور یہ فضیلت حاصل کریں گے۔ کیسے لوگ تھے!! نبیٔ کریم ﷺ کی بیان کردہ فضیلتوں کو اور ان بشارتوں کو حاصل کرنے کے لیے یہ حضرات

---

① سنن أبي داود، عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، باب كَيْفَ السَّلاَمُ.

کیسا کیسا اہتمام کرتے تھے۔

سلام کرنا سنت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلاَمَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ، وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ: کھانا کھلاؤ اور سلام کرو، جس کو پہچانتے ہو، اس کو بھی اور اس کو بھی جس کو نہ پہچانتے ہو[۱]۔

سلام کرنے کے لیے مذہبی پہچان کافی ہے

ایک تو مذہبی اور مِلّی پہچان ہے اور ایک شخصی پہچان ہے، مذہبی پہچان ہونی چاہیے، اس کے بغیر سلام نہیں کیا جائے گا۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ مسلمان ہے: ڈاڑھی ہے، ایسی شکل وصورت ہے کہ جس کو دیکھ ہمیں یہ یقین ہو جاتا ہے یا غالب گمان ہوتا ہے کہ یہ مسلمان ہے تو اس کو سلام کرنا چاہیے۔ شخصی پہچان ضروری نہیں، ذاتی طور پر ضروری نہیں کہ ہم اس کو پہچانتے ہوں کہ یہ فلاں آدمی ہے۔

سلام کی مشروعیت کا پس منظر

زمانۂ جاہلیت میں ہوتا یہ تھا کہ ایک آدمی اِدھر سے آرہا ہے اور دوسرا آدمی اُدھر سے آرہا ہے تو ہر ایک دوسرے سے خطرہ محسوس کرتا تھا کہ پتہ نہیں یہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا: کہیں میری جان پر حملہ نہ کر دے، کہیں میری عزت آبرو نہ لوٹ لے، مجھ سے میرا مال نہ چھین لے۔ ہر ایک اس طرح دوسرے سے ڈر رہا ہے، خطرہ اور

---

۱ صحیح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما، باب إِفْشَاءُ السَّلاَمِ مِنَ الإِسْلاَمِ، ر: ۲۸.

اندیشہ محسوس کررہاہے۔اسلام نے آکرسلام کارواج دیااوراس کے ذریعہ سامنے والےکواطمینان دلادیاکہ میں خودتوکیاتجھ پرحملہ کرتا،خودتوکیاتیرے مال کوچھین لیتا، خودتوکیاتیری عزت اورآبروپرہاتھ ڈالتا،میں تو تیری سلامتی کے لیےاللہ سے دعاکرتا ہوں،میں تو تیرے لیے یہ دعاکرتاہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تجھ پراپنی رحمتیں اوراپنی برکتیں نازل فرمائے۔اس جملےکوسن کرسامنے والےکوجواطمینان اورسکون حاصل ہوسکتا ہے،اس کاآپ اندازہ نہیں لگاسکتے۔

باہمی سلام کی اہمیت

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں سلام کوبہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔قرآنِ پاک میں بھی آیاتِ استیذان میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہےاورحضراتِ محدثین اپنی کتابوں میں مستقل ’’کتاب الاستیذان‘‘ کاعنوان قائم کرکےاس کی تفصیلات لاتے ہیں کہ سلام کس طرح شروع ہوا؟سلام کون کرے گا؟کن الفاظ میں کرے گا؟ کون پہل کرے؟کس طرح جواب دیاجائے؟اس میں کتنے کلمات ہوں؟ایک کلمے سے کرے گاتوکتنی نیکیاں ملیں گی؟دوکلموں سے کرے گاتوکتنی نیکیاں ملیں گی؟یہ ساری تفصیلات موجودہیں۔

باہمی سلام کےفوائدوثمرات

حضرت مولاناشاہ ابرارالحق صاحب نوراللہ مرقدہ فرمایاکرتے تھےکہ: سلام ان اعمال میں سے ہے کہ جب آدمی اس کااہتمام کرتاہےتواللہ تبارک وتعالیٰ اس کودوسرے

نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔

آج اگر ہمارے معاشرے میں سلام عام ہو جائے، ہر ایک دوسرے کو السلام علیکم ورحمۃُ اللہ وبرکاتہ کہے اور وہ جواب میں کہے: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ اندازہ لگاؤ کہ اس طرح دن میں ہزاروں مرتبہ یہ دعائیں ملتی رہیں گی۔ کچھ تو اللہ کے بندے ایسے ہوں گے جن کے بول کو اللہ تبارک وتعالیٰ قبول فرمالے اور آپ اندازہ لگائیے کہ یہ دعا قبول ہو جائے گی تو اس کے اثرات کیا ظاہر ہوں گے؟۔

کاش! یہ جذبِ دروں ہمیں بھی میسر ہو جائے

ایک بزرگ تھے، جارہے تھے۔ ایک سقّا آواز دے رہا تھا کہ: اللہ رحم کرے اس پر جو مجھ سے پانی پئے۔ اس زمانے میں کچھ لوگ پینے کا پانی بیچا کرتے تھے اس کو ''سقّا'' کہا جاتا تھا۔ بزرگ نے کہا کہ بھائی! لا، مجھے پانی پلا۔ ایک درہم دیا اور پی لیا، ساتھ میں جو مریدین تھے، انھوں نے کہا کہ حضرت! آپ کا تو روزہ تھا، پھر بھی آپ نے پانی پی لیا؟ بزرگ نے جواب دیا کہ ہاں! میرا روزہ تھا لیکن یہ شخص دعا کر رہا تھا کہ اللہ رحم کرے! مجھے خیال آیا کہ اللہ کرے کہ اس کی یہ دعا میرے حق میں قبول ہو جائے تو میرا بیڑا پار ہو جائے۔ کیسے لوگ تھے اور اللہ کے ساتھ ان لوگوں کا کیا حسنِ ظن تھا۔

اس سلام کا رواج اگر ہمارے معاشرے میں عام ہو جائے تو اس کی اتنی برکتیں ظاہر ہوں گی کہ ہم اور آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔

سلام کو بھی سلام

لیکن آج یہ سلام بھی ہمارے معاشرے سے رخصت ہوتا جارہا ہے؛ جو کر رہے ہیں، ان کا بھی حال یہ ہے کہ کوئی جان پہچان والی شکل وصورت نظر آ گئی تو سلام کر لیتے ہیں۔ حالاں کہ حدیث تو ہمیں یہ کہتی ہے کہ تم جس کو پہچانتے ہو، اس کو بھی سلام کرو اور جس کو نہیں پہچانتے، اس کو بھی سلام کرو۔ بخاری شریف کی روایت ہے جو ابھی میں آپ کو بتا چکا: وَتَقْرَأُ السَّلاَمَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ، وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ۔

ہاں! علامت ہونی چاہیے، پتہ تو چلنا چاہیے کہ یہ مسلمان ہے۔ ہاں! کوئی ایسی شکل وصورت والا گذرا کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ مسلمان ہے یا غیر مسلم تو آپ معذور ہیں؛ لیکن مسلمان ہونے کی علامت موجود ہے تو آپ اس کو سلام کریں۔

پہچان کی بنیاد پر سلام کرنا علاماتِ قیامت میں سے

پہچان کی بنیاد پر سلام کرنا حدیث کی روشنی میں قیامت کی علامتوں میں سے ہے (۱)۔ آج یہ چیز ختم ہوگئی، ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ فلاں مجھے سلام کرے۔ بے شک آداب بتائے گئے ہیں کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے لیکن اگر اس نے نہیں کیا تو ہم بھی ایسے ہی گذر جائیں!؟ نہیں!۔

مبنی بر حقیقت لطیفہ

ہمارے ایک دوست لطیفہ سناتے تھے کہ ایک صاحب نے ایک دوسرے صاحب

(۱) مسند أحمد، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ، ر:۳٦٦٤.

کوسلام کیا۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو پہچاننے میں غفلت ہوجاتی ہے، اپنے کسی دوست کا چہرہ کسی دوسرے سے ملتا جلتا ہوتا ہے تو وہ یوں سمجھا کہ یہ میرا فلاں پہچان والا ہے تو اس کو سلام کر دیا، جب قریب آیا تو دیکھا کہ یہ تو دوسرا ہی کوئی ہے تو کہتا ہے کہ بھائی! معاف کرنا، میں تو سمجھا کہ فلاں صاحب ہے؛ اس لیے غلطی سے سلام کرلیا، گویا سلام کر کے بڑا جرم کرلیا ہو کہ اس کی معافی مانگی جا رہی ہے۔

اِبتداء بالسلام کی فضیلت

اور اِبتداء بالسلام یعنی سلام میں ابتدا کرنا تو بڑی مبارک اور خیر و برکت کی چیز ہے، اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بڑے وعدے ہیں، نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: الْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِيءٌ مِنَ الْكِبْرِ کہ: جو شخص سلام میں پہل کرے، وہ تکبر اور غرور سے بری ہے[1]۔ جو لوگ اپنے اندر تکبر محسوس کرتے ہوں ان کے لیے بڑا اچھا علاج بھی ہے کہ کوئی بھی ملے: بڑا، چھوٹا، بچہ، بوڑھا، اس کو سلام میں پہل کرنی چاہیے۔

اِبتداء بالسلام کی حرص

ہمارے بزرگوں میں ایسے لوگ گذرے ہیں۔ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نور اللہ مرقدہ جو دارالعلوم دیوبند کے ناظمِ تعلیمات تھے اور بڑے مشفق استاذ بھی تھے۔ ان کے متعلق سنا ہے کہ سلام میں پہل کرنے میں ایسے پیش پیش تھے کہ کسی چھوٹے بچے کو بھی پہلے سلام کرنے کا موقع نہیں دیتے تھے۔ بہت سے طلبہ چاہتے تھے

(۱) شعب الإيمان، عَنْ عَبْدِ الله رضی اللہ عنہ، بَابٌ فِي مُقَارِبَةِ أَهْلِ الدِّينِ إلخ، ر: ۸٤۰۷.

کہ وہ سلام کرنے میں پہل کریں؛ لیکن اس سے پہلے ہی حضرت سلام کرلیا کرتے تھے۔ بعض بزرگوں نے سنایا کہ: ہم ان کو سلام میں پہل کرنے کی غرض سے چھپ گئے کہ حضرت آئیں تو اچانک سامنے آکر آپ کو سلام کریں؛ تاکہ یہ کہہ سکیں کہ ہم نے سلام کرنے کے معاملے میں ان سے پہل کی لیکن اس کا موقع نہیں آتا تھا۔ اتنے بڑے بزرگ اور عالم ہونے کے باوجود سلام میں پہل کرنے کی کیسی بے مثال عادت تھی کہ کسی کو موقع نہیں دیتے تھے۔

اور ایک ہم اور آپ ہیں کہ یہ سوچتے ہیں کہ وہ مجھے سلام کرے، میں اسے کیوں سلام کروں! اگرچہ سلام کے آداب میں سے یہ ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے؛ لیکن اگر وہ نہ کرے تو ہمیں کرنا چاہیے۔

پھر چھوٹوں میں سلام کی عادت کیسے پیدا ہوگی؟

حدیث میں آتا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کے پاس سے گذرتے تھے تو ان کو سلام کرتے تھے [۱]۔ بچوں کو سلام کرنا کون سکھائے گا؟ اگر ہم سلام نہیں کریں گے تو وہ کیسے سیکھیں گے؟ آپ بچوں کو سلام کر کے دیکھیں، دو دن آپ ان کو سلام کریں گے تو تیسرے دن وہ آپ کو سلام کرنے کی نوبت نہیں آنے دیں گے۔ پہلے سے وہ تیار کھڑے رہیں گے، آپ سلام کریں گے، اس سے پہلے وہ سلام کردیں گے۔

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب التسليم على الصبيان، ر:٦٢٤٧.

دیکھیے! آپ کی عملی تربیت کا یہ نتیجہ سامنے آیا کہ آپ کو زبان سے ان کو کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی، لیکن ہم ہی ان میں عادت پیدا کرنا نہیں چاہتے۔

سلام کا جواب دینا واجب ہے

یہ تو سلام کرنے کے سلسلے میں باتیں ہوئیں اور دوسری چیز ہے سلام کا جواب دینا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ چھ حق ہیں، ان میں سے ایک سلام کا جواب دینا ہے [۱]۔ بہت سے تو سلام کا جواب بھی نہیں دیتے، حالاں کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے اور سلام کرنا سنت ہے۔

پھر یہ عجیب بات ہے۔ ویسے عام دستور تو یہ ہے کہ واجب اور فرض کا ثواب سنت سے زیادہ ہوا کرتا ہے؛ لیکن یہاں علما نے لکھا ہے کہ سلام کرنا جو کہ سنت ہے، اس کا ثواب سلام کا جواب دینے سے زیادہ ہے جو کہ واجب ہے۔

اپنے گھروں میں داخل ہوتے وقت بھی سلام کا حکم

ہمارا حال تو یہ ہو گیا کہ نہ ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں اور نہ گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرتے ہیں، حالاں کہ شریعت نے اس کی تاکید کی ہے کہ گھر میں داخل ہو تو سلام کرو؛ بلکہ رات میں داخل ہو تو تب بھی سلام کا حکم ہے؛ مگر اتنا ہے کہ پست آواز سے سلام کرے؛ تاکہ جو بیدار رہیں، وہ سن لیں اور جو سوئے ہیں، ان کی نیند میں خلل نہ

---

۱ صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب الأمر باتباع الجنائز.

ہو۔اب تو گھر میں جاتے وقت سلام کا رواج ختم ہو گیا تو گھر بھی برکتوں سے خالی ہو گیا، بلکہ گھر میں کوئی نہ ہو، تب بھی سلام کا طریقہ بتلایا کہ السَّلَام علینا وَعَلَی عباد الله الصَّالِحِين کہہ کر گھر میں داخل ہو، اس صورت میں بھی سلام کے ساتھ داخل ہونے کی تعلیم ہے؛ تاکہ برکتیں نازل ہوں[۱]۔

آج ہمارے گھروں سے، ہمارے معاشرے سے، ماحول سے برکتیں اٹھ گئیں، رحمتیں ختم ہو گئیں؛ کیوں کہ ہم نے سلام کو چھوڑ دیا، اس کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ کرو گے یا نہیں؟ آج سے طے کر لو کہ جو بھی ملے گا، وہ مجھے سلام کرے یا نہ کرے، میں تو اس کو سلام کروں گا۔

شریعت میں صلہ رحمی کی اہمیت اور تاکید

تیسری بات ارشاد فرمائی: وَصِلُوا الأَرْحَامَ: صلہ رحمی کرو، رشتہ داری کے حقوق ادا کرو، رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنا بھی اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔قرآنِ پاک کی بے شمار آیتوں میں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت ساری حدیثوں میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے اور قطع رحمی کرنے والوں کے لیے بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔

صلہ رحمی کا بدلہ اللہ تبارک وتعالیٰ آخرت میں تو دیں گے ہی، دنیا میں بھی اس کا بدلہ عطا فرماتے ہیں، چناں چہ اس کی وجہ سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے اور روزی میں

---

[۱] الدر المنثور، تحت قوله تعالیٰ: فإذا دخلتم بيوتا فسلموا على أنفسكم.

اضافہ ہوتا ہے۔

روزی میں وسعت کا ایک اکسیر نسخہ

روزی میں وسعت کا ایک نسخہ صلہ رحمی بھی ہے، بخاری شریف میں روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ: جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کی روزی کشادہ ہو، بہت زیادہ روزی حاصل ہو اور اس کی عمر میں زیادتی ہو تو اس کو چاہیے کہ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے[1]۔

آج کل لوگ روزی میں اضافے کے لیے لمبے لمبے وظیفے پڑھتے ہیں، لمبی لمبی تسبیحیں لے کر گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے۔ حالاں کہ اس سے روزی میں برکت ہوتی ہے، عمر میں برکت ہوتی ہے اور آپس کے تعلقات درست ہوتے ہیں، محبتیں بڑھتی ہیں۔

حقوقِ والدین کی اہمیت اور اس سلسلے میں ہماری کوتاہیاں

خاص کر ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، ان کی خدمت کرنا ضروری ہے۔ قرآنِ پاک میں جگہ جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ ساتھ ماں باپ سے حسنِ سلوک کی تاکید فرمائی ہے۔ آج ماں باپ کی نافرمانی کا ایک عام مزاج بن گیا ہے، کوئی گھر ایسا نہیں ہے جہاں والدین کی طرف سے شکایت نہ ہو، پڑھے لکھے لوگوں

---

① صحيح البخارى، عن أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه، باب من بسط له في الرزق بصلة الرحم، ر:٥٩٨٦.

کا یہ حال ہے، دنیوی علوم پڑھے ہوئے، دینی علوم سے آراستہ بڑے بڑے علما ہیں؛ لیکن اندر سے آپ دیکھیں گے کہ ماں باپ کے ساتھ ان کا سلوک کیسا ہے؟ اللہ کی پناہ، اللہ کی پناہ!! ماں باپ پریشان ہیں؛ لیکن لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ شکلیں بڑی خطرناک ہیں۔

اپنوں کے ساتھ پرایا پن

بہر حال! ہمارے اس زمانے میں رشتہ داری کے حقوق کا معاملہ بھی ختم ہوتا جارہا ہے۔ آپس کے اختلافات، آپس کی دشمنیاں، آپس کی نااتفاقیاں، رنجشیں، بدگمانیاں یہاں تک پہنچ گئی ہیں کہ بھائی بھائی کو سلام کرنے کا روادار نہیں ہے۔

آج کل تو ساری دنیا کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہے، دنیا بھر کے لوگوں کو لاکر دعوتیں کھلائی جاتی ہیں؛ لیکن بھائی کا چہرہ دیکھنے کے لیے راضی نہیں، باپ اور بیٹے میں دشمنی ہے، دونوں الگ رہتے ہیں اور ایک دوسرے کا منہ دیکھنے کے لیے تیار نہیں، ساری دنیا سمجھا رہی ہے کہ بھائی! یہ کیا کررہے ہو؟ لیکن سمجھ میں نہیں آتا، عقل ماری گئی، اس پر پتھر پڑ گئے؛ اس لیے سمجھ میں ہی نہیں آتا۔

اور کہتا ہے کہ وہ میرے ساتھ کیا کرتا ہے؟ ارے بھائی! وہ تمھارے ساتھ چاہے جیسا بھی سلوک کرتا ہو، گالیاں دیتا ہو، برا بھلا کہتا ہو لیکن ہمیں تو قرآن کہتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ صلہ رحمی کا حکم دے رہے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم دے رہے ہیں؛ اس لیے وہ تمھارے ساتھ بھلائی کرے یا نہ کرے؛ لیکن تم اس کے ساتھ ضرور بھلائی کرو۔

وہ تمھارے ساتھ برا سلوک کرتا ہے تو اس کی قسمت پھوٹی ہے، تم کاہے کو اپنی قسمت پھوڑتے ہو۔ کہا کرتے ہیں کہ کتے کا کام ہے کاٹنا، وہ کاٹے گا تو کیا جواب میں تم بھی کاٹوگے؟ نہیں۔ ایک انسان کی شرافت کا تقاضا یہ نہیں ہے۔

احسان کے بدلے میں احسان اصل نہیں ہے

لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلَكِنِ الْوَاصِلُ الَّذِي إِذَا قَطَعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا[1]

کہ: جو برابری میں صلہ رحمی کرے یعنی تمھارا بھائی تمھارے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے تو تم بھی اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہو، وہ تمھیں کھانا دیتا ہے تو تم بھی اس کو کھانا دیتے ہو، وہ اپنے بیٹے کی شادی میں تم کو دعوت دیتا ہے تو تم بھی اپنے بیٹے کی شادی میں اس کو دعوت دیتے ہو، اس نے آپ کے لیے کپڑا بھیجا، آپ بھی اس کے لیے کپڑا بھیجتے ہیں۔ یہ کوئی صلہ رحمی اور احسان تھوڑا ہی ہے، یہ تو اَدلے بدلے کا معاملہ ہے، ایسا تو اجنبی کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے، یہ تو تمھارا بھائی ہے، رشتہ دار ہے۔ اگر کسی اجنبی نے کوئی ہدیہ بھیج دیا تو کسی شریف آدمی کی غیرت اس کو ایسے لینا گوارا نہیں کرتی؛ بلکہ وہ بھی جواب میں کچھ نہ کچھ بھیجتا ہے۔

نیکی کر اور دریا میں ڈال

صلہ رحمی کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا رشتہ دار ہمارے ساتھ بھلائی کرے یا نہ کرے، ہم اپنی طرف سے اس کے ساتھ بھلائی کرتے جائیں۔ رہا بدلہ تو بدلہ اس سے کہاں لینا

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما، باب ليس الواصل بالمكافئ، ر:۵۹۹۱.

ہے اوراس میں بدلہ دینے کی کیا طاقت ہے، بدلہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ دیں گے، اللہ روزی بڑھائیں گے۔ وہ کہتے ہیں نا کہ ''نیکی کر اور دریا میں ڈال'' یعنی نیکی کے بدلے کی تمنا اپنے دل میں مت رکھو۔ بس اللہ سے مانگو۔

قطع رحمی کرنے والے کے حق میں رشتہ داری کی بددعا

بہرحال! صلہ رحمی کی احادیث کے اندر بڑی تاکید آئی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو یہاں تک فرماتی ہیں، بخاری شریف میں روایت ہے کہ یہ رشتہ داری عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے اور یہ دعا کرتی ہے کہ اے اللہ! جو مجھے جوڑے تو اس کو جوڑ اور جو مجھے کاٹے تو اس کو کاٹ[۱]! اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے ساتھ یہ وعدہ کر دیا گیا ہے کہ جو رشتہ داری کے حقوق کو ادا کرے گا، اس کو جوڑے گا، اللہ تعالیٰ اس کو جوڑیں گے اور جو اس کو کاٹے گا، اللہ تعالیٰ اس کو کاٹیں گے۔

اُس قوم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل نہیں ہوتی

بلکہ حدیث میں تو یہاں تک آتا ہے: لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عَلَى قَوْمٍ فِيهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ کہ: جس قوم میں ایک آدمی بھی قطع رحمی کرنے والا، رشتہ داری کے حقوق کو ضائع کرنے والا موجود ہو، اس پوری قوم پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت نازل نہیں ہوتی[۲]۔
میں کہا کرتا ہوں کہ پوری قوم میں ایک قطع رحمی کرنے والا ہو تو رحمت نازل

---

۱ صحيح مسلم، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، باب صِلَةِ الرَّحِمِ وَتَحْرِيمِ قَطِيعَتِهَا.
۲ شعب الإيمان، عن عَبْدِاللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابٌ فِي صِلَةِ الْأَرْحَامِ، ر: ۷۵۹۰.

نہیں ہوتی، آج تو گھر گھر میں ہیں اور ایک نہیں، سب کے سب ہیں، پھر اللہ کی رحمتیں کیسے نازل ہوں گی۔ حدیث میں آتا ہے: لاَ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَاطِعٌ[۱] کہ: قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

رشتہ داری کے کچھ حقوق

الغرض! صلہ رحمی اور رشتہ داری کے حقوق ادا کرنا بڑی اہمیت کی حامل چیز ہے، اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آپ اس کو سلام کریں اور اس کے علاوہ دوسرے بھی حقوق ہیں کہ بوقتِ مصیبت آپ اس کی مدد کریں، پریشانی کے وقت اس کو تسلی دیں، خوشی کے موقع پر آپ اس کو مبارک باد دیں۔ ان سب حقوق کو ادا کرنا ہے۔ رشتہ داری کے حقوق کو ادا نہ کرنا ایسا کبیرہ گناہ ہے کہ دنیا میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سزا دیتے ہیں۔

ایسے اخلاقِ حسنہ کس کام کے؟

آج ہمارا حال یہ ہو چکا ہے کہ آدمی ساری دنیا والوں کے ساتھ بھلائی کر رہا ہے لیکن اپنے گھر والوں کے ساتھ لڑائی کر رہا ہے۔ آپ کے اچھے اخلاق سے دوسروں کو فائدہ پہنچ رہا ہے؛ لیکن آپ کے اپنے ہی اس حسنِ سلوک سے محروم ہیں تو ایسے اخلاقِ حسنہ کس کام کے؟۔

چوتھی چیز: رات کی عبادت

چوتھی چیز یہ بیان فرمائی: وَصَلُّوا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ: رات کو جب لوگ سو رہے

---

۱ صحيح البخاری، عن جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رضی اللہ عنہ، باب إثم القاطع.

ہوں تو نماز پڑھا کرو، یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہت پسند ہے لیکن آج کل یہ چیز بھی ختم ہوتی جارہی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ گھروں سے تلاوت کی آوازیں آیا کرتی تھیں۔ ایک بزرگ بیان کرتے تھے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نقل کیا ہے۔ کہ جب ہم کسی سے ملاقات کا وعدہ کرتے تھے تو کہتے تھے کہ رات کے آخری حصے میں جب گھروں سے تلاوت کی اور دعاؤں کی آوازیں آئیں تو اس وقت ملاقات کریں گے!! اور آج حالت یہ ہے کہ رات کے شروع میں گھروں سے گانوں کی آوازیں آرہی ہیں اور رات کے آخری حصے میں لوگ مُردوں کی طرح سوئے پڑے ہیں۔

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے

تہجد تو کیا پڑھتے! فجر کے لیے اٹھنا ہی مشکل ہو گیا، لوگ صبح نو، دس بجے تک سونے کے عادی ہو گئے تو فجر کے لیے اٹھنا بھی تہجد کے لیے اٹھنے سے کم نہیں رہا۔ اچھے اچھوں کا یہ حال ہے۔ باقی نمازوں کو تو برابر پابندی سے پڑھتے ہیں لیکن فجر کی نماز میں مسجدوں کے اندر جا کر دیکھو، ان کا جائزہ لو، جو مسجدیں اور نمازوں کے اوقات میں آباد اور بھری ہوئی ہوتی ہیں، وہ فجر کی نماز میں خالی نظر آتی ہیں۔

ہماری بے راہ روی

رات ایک ایک، دو، دو بجے تک باتیں کرتے رہیں گے۔ حالاں کہ حدیثوں میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کے بعد بات چیت کرنے سے منع فرمایا ہے[1] لیکن اس کی

---

(۱) صحیح البخاری، عن أَبِي بَرْزَةَ الأَسْلَمِي رضی اللہ عنہ، باب مَا يُكْرَهُ مِنَ السَّمَرِ إلخ، ر:۵۹۹.

طرف کوئی دھیان ہی نہیں، مجلس بازی ہوتی رہے گی، ٹی وی دیکھتے رہیں گے، دیر سے سوئیں گے اور فجر کی نماز غائب کردیں گے۔

صالحین کے زمرے میں داخل ہونے کا نبوی نسخہ

یہ طریقہ اسلام میں پسندیدہ نہیں ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا؛ بلکہ ہم کو تو یہ تاکید کی گئی کہ جلدی سو جاؤ اور رات کو اٹھ کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ ترمذی شریف کی روایت ہے، نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ کہ: تہجد کی نماز کو لازم پکڑو، فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِينَ قَبْلَكُمْ[1]: تم سے پہلے جو نیک لوگ گذرے ہیں، ان کا یہ طریقہ رہا ہے۔ ہم اور آپ اگر اپنے آپ کو نیکوں کی لسٹ میں، صالحین کے زمرے میں درج کروانا چاہتے ہیں تو اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو تہجد کا عادی بناؤ۔

تھے تو وہ آباء تمہارے ہی

آج رات کا قیام بھی چھوٹتا جارہا ہے، جن لوگوں کے آباء واجداد، جن کے گھروں میں ہمیشہ یہ سلسلہ رہا کہ ان کے بڑے راتوں کو اٹھ کر اللہ کی عبادت کرتے تھے اور اللہ کے حضور میں آنسو بہاتے تھے، آج پورے گھر میں ایک فرد بھی ایسا نہیں جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھتا ہو؛ بلکہ فجر کی نمازیں بھی غائب ہونے لگی ہیں۔

---

① سنن الترمذی، عَنْ بِلاَل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ر:۳۸۹ ۵

راتوں کا رونا دن میں ہنسی اور خوشی لانے کا سبب

ہمارے دوست حضرت مولانا ابرارالحق صاحب دھولیوی نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ جب امت راتوں کو اٹھ کر روتی تھی تو اللہ تعالیٰ دن کو ہنسنے کا موقع دیا کرتا تھا اور اب راتوں میں رونا چھوڑ دیا تو دن میں رونے کا وقت آ گیا۔ یہ حالات دن میں ہمیں رُلاتے ہیں، دن میں رُلانے والے ان حالات سے ہمیں اگر نجات حاصل کرنی ہے تو اس کا آسان نسخہ یہ ہے کہ رات کو اٹھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں رونے کی عادت ڈالی جائے۔

ہمارا شغل ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر میں

ہمارے اسلاف کا کیا حال تھا؟ وہ تو رات بھر عبادت کر کے بھی اپنے آپ کو قصور وار سمجھتے تھے؟ ﴿وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝۱۸﴾[الذاریات]: رات کے آخری حصے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ کس بات پر معافی مانگتے ہیں؟ رات بھر عبادت کرتے تھے، گناہ نہیں؛ پھر استغفار کس بات کا؟ رات بھر عبادت کرتے تھے اور جب رات ختم ہونے والی ہوتی تھی تو ان کے دل ودماغ پر یہ تصور چھایا رہتا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کا جو حق تھا، وہ ہم سے ادا نہیں ہوا، اے اللہ! ہماری کوتاہی معاف کیجیے!۔

شب کی آہیں بھی گئیں، صبح کے نالے بھی گئے

اور ہم تو رات بھر پڑے خرّاٹے لیتے رہتے ہیں، پھر بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے بڑھ کر کوئی عبادت گذار اور نیک صالح نہیں ہیں۔ کہاں وہ اور کہاں ہم! وہ ساری رات

عبادت کرنے کے باوجود اپنے آپ کو قصوروار سمجھتے تھے اور ہم ساری رات غفلت میں گذارنے کے باوجود اپنے آپ کو عبادت گزار سمجھتے ہیں، زمین آسمان کا فرق ہے، ہماری فکر بدل گئی، ہمارا مذاق بدل گیا۔ ہم محروم ہیں، کچھ نہیں ملتا، اس کی وجہ یہی ہے۔

وہ تو وہ لوگ تھے کہ ان کو جنت کی خوش خبریاں سنائی جارہی ہیں، پھر بھی ڈرے سہمے رہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

صاحبُ سِرِّ الرسول: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، ان کو "صاحبُ سِرِّ الرسول" "نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رازدار" کہا جاتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں بعض راز کی باتیں بتائی تھیں: بعض منافقوں کے نام جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلائے تھے، جن کی موت نِفاق پر ہونے والی تھی، ان کے ناموں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ کیا تھا، ان ناموں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو آگاہ کر دیا تھا اور تاکید کی تھی کہ کسی کو مت بتانا۔

منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھانے کی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ممانعت

ایک وقت تو وہ تھا کہ منافقین میں سے کسی کا انتقال ہوجاتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے جنازے کی نماز پڑھتے تھے، یہاں تک کہ منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبی کی وفات ہوئی اور اس کے بیٹے جو مخلص مسلمان تھے، انھوں نے آکر درخواست کی تو اس کے جنازے کی نماز بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھائی، نماز سے فارغ ہوئے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے اوپر:﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ﴾ [التوبة۸۴] نازل ہوئی کہ: اے نبی! ان منافقین میں سے کسی کی موت آئے تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی آپ کو اجازت نہیں ہے، اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو منافقین کے نام بتلا دیے۔

منافقین کی تحقیق کا عمری طریقۂ کار

اب جب تک حضور ﷺ حیات تھے تو آپ کے نماز نہ پڑھانے سے لوگوں کو پتہ چل جاتا تھا کہ یہ منافق ہے لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد کیسے پتہ چلے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو معلوم کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا کہ آپ فرماتے کہ: جا کر دیکھو! اس جنازے میں حذیفہ شریک ہیں یا نہیں؟ اگر شریک ہوتے تو فرماتے کہ مرنے والا منافق نہیں ہے اور اگر نہیں ہیں تو سمجھ جاتے کہ ضرور کچھ بات ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی ذات کے بارے میں نفاق کا خدشہ

ان ہی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پوچھ رہے ہیں کہ حذیفہ! ذرا بتاؤ، آپ کو نبیٔ کریم ﷺ نے منافقین کی جو فہرست بتلائی، اس میں کہیں عمر کا نام تو نہیں ہے[۱]؟ دیکھو! کیسے ڈر رہے ہیں! یہ تو وہ ہیں کہ جن کو نبیٔ کریم ﷺ نے ان کی زندگی ہی میں جنت کی بشارت سنا دی تھی۔

---

۱ عمدة القاري شرح صحيح البخاري، ۲۲/ ۲۶۲، باب من ألقي له وسادة، ر:۶۲۷۸.

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ

ان کے بارے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ[1]: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔ بخاری شریف کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: عمر! تم جس گلی سے گذرتے ہو، شیطان بھی اپنا راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ شیطان بھی ان سے اتنا ڈرتا تھا، اس کے باوجود ان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے متعلق یہ ڈر محسوس کر رہے ہیں کہ کہیں میرا نام تو منافقین کی فہرست میں نہیں!۔

اور ہمارا کیا حال ہے؟ کوئی مرید آکر یہ کہہ دے کہ حضرت! میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ جنت کے اندر ایک بڑے تخت پر تشریف فرما ہیں۔ بس! حضرت سمجھ جاتے ہیں کہ مجھے جنت کی گارنٹی مل گئی۔ ہمارا یہ حال ہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے جنتی ہونے کی بشارت سن رہے ہیں، پھر بھی اپنے متعلق یہ ڈر رکھتے ہیں!۔

اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

بات یہ چل رہی تھی کہ: رات کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں، تب نماز میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہوکر راز و نیاز میں مشغول ہونا۔ یہ لوگ عبادت کرتے ہیں، ﴿وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝١٨﴾ پھر بھی توبہ کرتے ہیں، ڈرتے ہیں، استغفار کرتے ہیں کہ اے اللہ! کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری اس عبادت میں ہم سے کوئی کوتاہی ہوگئی ہو۔

---

① سنن الترمذی، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ، باب فِي مَنَاقِبِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ، ر:۳٦٨٦.

دنیا کے حاکم کے پاس جاتے ہیں اور اس کی خوب تعریف کرتے ہیں، گڑگڑا کر اپنی مانگیں رکھتے ہیں، پھر بھی کہتے ہیں کہ حضور! اگر کوئی گستاخی ہوگئی ہو تو معاف کیجیے گا۔ وہاں تو یہ حال ہوتا ہے اور اللہ کی عبادت کے معاملے میں ہمارا حال کیا ہے؟۔

رات کے وقت جب لوگ سوئے ہوئے ہیں، اس وقت کی عبادت اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہت زیادہ پسند ہے۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ: جو آدمی تہجد کا اہتمام نہیں کرتا، وہ صالحین میں شامل نہیں ہوتا، اولیاء کی فہرست میں نہیں آسکتا؛ اس لیے اس کا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں

روایتوں میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: جب رات کا آخری ایک تہائی حصہ باقی رہتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ آسمانِ دنیا پر یعنی جو سب سے نیچے والا آسمان ہے، اس پر نزول فرماتے ہیں اور بندوں کو پکارتے ہیں: ہے کوئی جو مجھ سے مانگے، مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا کو قبول کروں؟ مجھے پکارے، میں اس کی پکار کا جواب دوں؟ کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کے سوال کو پورا کروں؟ کوئی ہے جو مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہے اور میں اس کے گناہوں کو معاف کروں؟[۱]۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ بندوں سے خطاب کرتے ہیں۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: روزانہ کائنات کا

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب التَّرْغِيبِ فِي الدُّعَاءِ وَالذِّكْرِ إلخ، ر:۷۵۸.

پروردگار یہ آواز لگاتا ہے اور ہم لوگ پڑے سوئے رہتے ہیں۔ آج اگر پتہ چل جائے کہ بادشاہ نے یا حاکم نے یا وزیرِ اعلیٰ نے، وزیرِ اعظم نے اعلان کیا ہے کہ فلاں وقت میں مجھ سے ملاقات ہوگی اور لوگ جو درخواستیں لے کر آئیں گے، وہ پوری کی جائیں گی تو لوگ دو دو، چار چار دن پہلے سے لائن لگا کر کھڑے ہو جائیں گے اور یہاں رب العالمین پکارتا ہے، اس کے باوجود ہم غفلت کی نیند سوئے رہتے ہیں!۔

تہجد پڑھنے، پڑھانے والوں کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا

روایتوں میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلاً قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِي وَجْهِهَا الْمَاءَ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَأَيْقَظَتْ زَوْجَهَا فَإِنْ أَبَى نَضَحَتْ فِي وَجْهِهِ الْمَاءَ کہ: اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم کرے، اپنی رحمتیں نازل کرے جو رات میں اٹھا اور نماز پڑھی اور اپنی بیوی کو بھی اٹھایا، وہ انکار کرتی ہے تو اس کے چہرے پر پانی چھڑکتا ہے[1]۔ دیکھو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا دے رہے ہیں۔

دعائے نبوت لینے کا سنہرا موقع

آج کسی اللہ والے کی دعا لینے کے لیے لوگ گرے پڑتے ہیں، انتظار میں رہتے ہیں کہ ان کی دعا مل جائے۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرما رہے ہیں کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں۔ کتنا اچھا نسخہ ہے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں حاصل

① سنن أبي داود، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، باب الْحَثِّ عَلَى قِيَامِ اللَّيْلِ، ر: ١٤٥٠.

کرنے کا اور حضورِ پاک ﷺ کی دعائیں حاصل کرنے کا۔

ان اعمال کو کروگے یا نہیں؟ سب وعدہ کرو کہ ان اعمال کا اہتمام کریں گے۔ اپنے بس میں جتنا ہو، اس کی کوشش کی جائے۔

دخولِ جنت کا مختصر سا نسخہ

آگے نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلاَمٍ: یہ چار باتیں تمھارے اندر ہوں گی، ان کا اہتمام کروگے تو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤگے۔ لو بھائی جنت میں جانے کا بڑا آسان اور مختصر سا نسخہ نبیٔ کریم ﷺ نے بتلا دیا۔

اصل واقعے کی طرف رجوع

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا کلام جو میں نے نبیٔ کریم ﷺ سے سنا، وہ یہ حدیث تھی۔

پھر جب اور زیادہ قریب پہنچے اور آپ ﷺ کے پاس جا کر بیٹھے، آپ کی بات پوری ہوئی اور خاموش ہوگئے، تب یہ آپ ﷺ سے سوال کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں آپ سے تین سوال کروں اور یہ ایسے سوالات ہیں کہ ان کا جواب ایک نبی ہی دے سکتا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: کیجیے!۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے نبیٔ کریم ﷺ سے تین سوالات

انھوں نے سوال کیا کہ: (۱) قیامت کے آنے کی جو نشانیاں ہیں، ان میں سب سے پہلی نشانی کون سی ہے؟ (۲) دوسرا سوال یہ کیا کہ: جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے

تو ان کو کھانے کے لیے سب سے پہلے کون سی چیز پیش کی جائے گی؟ (۳) تیسرا سوال یہ کیا کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کا چہرہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔ وہ کون سی چیز ہے جو بچے کو کبھی باپ کے مشابہ بناتی ہے اور کبھی ماں کے مشابہ بناتی ہے؟۔

یہود کی جبرئیل دشمنی اور اس کے اسباب

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ابھی ابھی حضرتِ جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام نے آکر مجھے بتلایا۔ انھوں نے کہا: جبرئیل نے؟ وہ تو ہمارے، یہودیوں کے دشمن ہیں۔ یہودی حضرتِ جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنا دشمن کہتے تھے۔ کیوں؟ تو علما نے اس کی مختلف وجوہات لکھی ہیں: بعض علما کی رائے یہ ہے کہ یہود کہتے ہیں کہ حضرتِ جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام عذاب لےکر آتے تھے۔ بعض نے یہ وجہ بیان کی کہ یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ نبوت تو قیامت تک ہمارے ہی خاندان میں رہنی تھی، انبیاء ہمارے اندر ہی مبعوث ہونے والے تھے اور یہ آخری وحی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی، بنواسحاق کے بجائے بنواسماعیل پر آئی تو حضرتِ جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام نے وحی نازل کرنے میں گڑبڑ کردی کہ ایک کے بجائے دوسرے کو پہنچادی؛ اس لیے یہ ہمارے دشمن ہیں۔ اسی سلسلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیتِ کریمہ ﴿قُلۡ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّـجِبۡرِيلَ فَإِنَّهُۥ نَزَّلَهُۥ عَلَىٰ قَلۡبِكَ بِإِذۡنِ ٱللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَهُدًى وَبُشۡرَىٰ لِلۡمُؤۡمِنِينَ ﴿٩٧﴾﴾ [البقرة] نازل فرمائی تھی کہ: اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ جو حضرتِ

جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنا دشمن سمجھتا ہے تو جبرئیل ہی تو وہ ہیں جو قرآنِ پاک کو آپ کے قلب پر اتارتے ہیں۔

قیامت کی سب سے پہلی بڑی نشانی: مشرق سے آگ کا نمودار ہونا

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: قیامت کے نزدیک ہونے کی بڑی علامتوں میں سے پہلی علامت ایک آگ ہے جو جانبِ مشرق سے نمودار ہوگی اور لوگوں کو ہنکال کر جانبِ مغرب میں لے جائے گی۔

آگ کی خاصیت یہ ہے کہ جب وہ لگتی ہے اور پھیلتی ہے تو اس کو دیکھ کر لوگ بھاگتے ہیں۔ چند سال پہلے منیٰ کے اندر بہت بڑی آگ لگی تھی، اس وقت ہم بھی وہاں حج کے اندر تھے۔ اب لوگ اس کو دیکھ کر بھاگ رہے ہیں کہ ''یہ آئی، یہ آئی'' جیسے کوئی بھگانے والا بھگا رہا ہو تو لوگ کیسے بھاگتے ہیں تو یہ آگ بھی لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی۔

جنتیوں کو جنت میں ملنے والی سب سے پہلی غذا

دوسرے سوال کے جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جنتیوں کو جنت میں کھانے کے لیے سب سے پہلی جو چیز دی جائے گی، وہ مچھلی کا جگر گوشہ ہے۔ ہر جانور کا جو جگر ہوتا ہے: کلیجہ۔ اس کے ساتھ لگا ہوا ایک چھوٹا سا دوسرا جگر ہوتا ہے، اس کو اردو میں ''جگر گوشہ'' کہتے ہیں اور عربی میں اس کو ''زیادة کبد الحوت'' کہتے ہیں یعنی مچھلی کا جگر گوشہ۔ وہ کھانے میں بہت لذیذ ہوتا ہے۔

بعض علاقوں میں رواج ہے کہ جب مکان بن کر تیار ہو جاتا ہے تو سب سے پہلے مچھلی پکاتے ہیں تو ایک بزرگ نے جوڑ لگایا کہ دیکھو! کہ جنت میں بھی جب جائیں گے تو سب سے پہلے مچھلی کا جگر گوشہ کھانے کا حکم دیا جائے گا۔

تو جنتیوں کو سب سے پہلی جو ''آئٹم'' کھلائی جائے گی، وہ مچھلی کا جگر گوشہ ہے۔ یہ بخاری شریف کی روایت میں ہے، امام بخاری نے کتاب التفسیر میں ذکر کی ہے[۱]۔

بچے کے ماں یا باپ کے مشابہ ہونے کا سبب

تیسرے سوال کے جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شوہر جب بیوی کے ساتھ صحبت کرتا ہے اور انزال ہوتا ہے تو عورت کی بچہ دانی میں اگر مرد کا مادۂ منویہ پہلے پہنچتا ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور ماں کا مادۂ منویہ۔ ماں کا مادۂ منویہ رہنے کی جگہ الگ ہے اور بچہ دانی الگ ہے۔ اگر بچہ دانی میں پہلے پہنچتا ہے تو بچہ ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فوراً کہنے لگے: أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ، وَأَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہود کی رائے

کلمہ پڑھنے کے بعد عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ یہود بڑی خطرناک قوم ہے، بڑے جھوٹے اور بڑے مکار لوگ ہیں، اگر ان کو پتہ چل گیا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں تو میری قبر کھود ڈالیں گے اور جتنی گالیاں ہو سکتی ہیں، وہ دے ڈالیں گے۔ ان کو میرے

---

۱ صحیح البخاری، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ، کتاب التفسیر۔

مسلمان کا ہونے کا پتہ چلے،اس سے پہلے آپ ذرا ان سے میرے متعلق پوچھ لیں کہ میں کیسا آدمی ہوں۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ان کو ایک کمرے میں چھپا دیا،اس دوران کچھ یہودی آئے تو نبیٔ کریم ﷺ نے ان سے پوچھا:ارے بھائی!ذرا یہ بتلاؤ کہ یہ عبداللہ بن سلام تمھارے نزدیک کیسے آدمی ہیں؟انھوں نے جواب میں کہا: خَیْرُنَا، وَابْنُ خَیْرِنَا وَسَیِّدُنَا، وَابْنُ سَیِّدِنَا:وہ ہم میں سب سے بہتر اور سب سے بہتر کے بیٹے اور ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں،ان کے کیا کہنے!ان میں ہر خوبی موجود ہے۔نبیٔ کریم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ: اگر وہ اسلام لے آئیں تو تم کیا کہو گے؟ انھوں نے جواب دیا کہ وہ اسلام لا ہی نہیں سکتے۔جتنی مرتبہ بھی نبیٔ کریم ﷺ نے پوچھا،انھوں نے یہی جواب دیا کہ وہ اسلام لا ہی نہیں سکتے۔یہ نہیں کہا کہ: وہ اسلام لائیں تو ہم بھی اسلام قبول کرلیں گے؛ کیوں کہ اگر یہ جواب دے دیں تو آگے پکڑے بھی جاسکتے تھے؛اس لیے وہ یہی کہتے رہے کہ وہ اسلام لا ہی نہیں سکتے۔

مفاد پرستی یہود کی فطرت

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ یہود ایک ہی جواب کی رٹ لگائے ہوئے ہیں تو جس کمرے میں چھپے ہوئے تھے،اس میں سے باہر نکل آئے اور زور سے کلمہ پڑھا:أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ، وَأَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ۔جب انھوں نے دیکھا کہ یہ تو مسلمان ہو گئے تو کہنے لگے:شَرُّنَا، وَابْنُ شَرِّنَا:وہ ہم میں سب سے بدتر اور ہم میں سب سے بدتر کی اولاد ہے اور جتنی برائیاں ہوسکتی تھیں،کرڈالیں۔حضرت عبداللہ بن

سلام رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اللہ کے رسول! مجھے اسی بات کا خطرہ تھا[۱]۔

ہمارے اور یہودیوں کے مزاج میں موافقت

آج کل ہمارا مزاج بھی ایسا ہی بن گیا ہے کہ کسی کی خوب تعریف کریں گے، پھر پتہ چلا کہ وہ ہماری پارٹی میں نہیں رہا تو اب تک جو سب سے اچھا تھا، وہ سب سے برا بن گیا، ساری خوبیاں ختم ہوجاتی ہیں۔ ہمارے اور یہودیوں کے مزاج میں کوئی فرق نہیں رہا۔ عام مزاج ایسا ہی بنتا جارہا ہے، کسی کی تعریف وتوصیف اور کسی کی برائی بس ہماری موافقت اور مخالفت پر مبنی ہوکر رہ گئی ہے، اس کی واقعی خوبیاں اور کمالات تو ہم بھلا ہی دیتے ہیں۔

باہمی اختلافات کسی کے کمالات کے انکار کا باعث نہ ہوں

ہمارے حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ: دورِ حاضر میں آپس کے اختلافات کی وجہ سے معاملہ کشیدگی تک پہنچتا ہے۔ اس زمانے میں بھی دارالعلوم کا قضیہ پیش آیا تھا اور سارے معاملات رونما ہوئے تھے تو حضرت فرمایا کرتے تھے کہ: بھائی! یہ اختلافات اپنی جگہ پر؛ لیکن اس کے باوجود سامنے والے میں جو خوبیاں ہیں، ان کا اعتراف ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ معاملہ سلام، کلام کا رہنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ وہ آگیا تو یہ اِدھر منہ پھیر کر بیٹھ گیا اور وہ اُدھر منہ پھیر کر بیٹھ گیا، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

---

[۱] صحيح البخاری، عن أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ خَلْقِ آدَمَ وَذُرِّيَّتِهِ، ر:۳۳۲۹.

ہم نے جو نظریہ اختیار کیا ہے، ہمیں اس کے خاطر اس کو چھوڑنا نہیں ہے؛ لیکن اس کے باوجود اپنی اپنی حدود میں رہ کر اس کا اکرام کیا جائے، اس میں ہرگز کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے۔

دینِ یہود اور سنیچر کا دن

بہر حال! یہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں، بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، ان کو بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی۔ یہ اسلام لائے۔ چوں کہ ان کی پوری زندگی دینِ یہود پر گذری تھی اور دینِ یہود کے بڑے عالم بھی تھے۔ دینِ یہود میں جو احکام ہیں، ان میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ سنیچر کا دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت میں گذارا جائے اور اس میں دنیا کے کام کاج انجام نہ دیے جائیں، اس کی عظمت اور بڑائی کا لحاظ کیا جائے۔

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے یہ سوچا کہ دینِ یہود میں سنیچر کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کے یہاں سنیچر کے دن آدمی کوئی کاروبار نہیں کر سکتا؛ بلکہ سب کام چھوڑ کر عبادت میں مشغول ہونے کا حکم ہے۔

یہودیوں میں آج بھی سنیچر کی تعظیم کا اہتمام پایا جاتا ہے

ہمارا انگلینڈ جانا ہوتا ہے اور لندن کے جس علاقے میں ہمارا قیام ہوتا ہے، وہ پورا علاقہ یہودیوں کا ہے، ان کی بڑی بڑی ڈاڑھیاں ہوتی ہیں۔ آپ لوگ تو ان کو دیکھو تو یوں سمجھو گے کہ کسی مدرسے کے شیخ الحدیث ہوں گے۔ نیا آدمی تو پہچان ہی نہیں سکتا۔

ان کے یہاں سنیچر کی تعظیم آج بھی بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ وہاں کے ہمارے مسلمان بھائی بتلاتے ہیں کہ سنیچر کے دن یہ لوگ لائٹ کا بٹن بھی آن نہیں کرتے؛ بلکہ سنیچر کی رات آنے سے پہلے آن کر دیتے ہیں؛ تاکہ سنیچر کے دن آن نہ کرنا پڑے۔

ہماری طرف سے جمعہ کی ناقدری

حالاں کہ یہ غلط مذہب ہے، اس پر اتنا عمل ہے جب کہ ہم مذہبِ حق والے جمعہ کا اتنا اہتمام نہیں کرتے۔ مسلمانوں کو ان سے عبرت لینے کی ضرورت ہے، ہنسنے کا موقع نہیں ہے بلکہ عبرت لینے کی ضرورت ہے کہ آج ہم جمعہ کے دن کا کیا اہتمام کرتے ہیں؟ وہ تو پورا دن عبادت میں گذارتے ہیں اور ہم سے تو زوال سے پہلے بھی مسجد میں آیا نہیں جاتا، حالاں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے دن زوال سے پہلے آنے کی تاکید فرمائی ہے، اس کی بڑی فضیلت بیان فرمائی کہ فرشتے رجسٹر لے کر دروازے پر بیٹھتے ہیں اور جو زوال سے پہلے آتے ہیں، ان کے نام درج کیے جاتے ہیں، ان کے نام بڑا ثواب لکھا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے دل میں سنیچر کی تعظیم کا خیال

بہرحال! حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ اسلام میں اگرچہ یہ حکم نہیں ہے، اس نے سنیچر کے دن عبادت کو ضروری قرار نہیں دیا؛ لیکن اگر کوئی آدمی اپنے طور پر اس دن کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت میں گذارے تو اسلام اس سے منع بھی تو نہیں کرتا؛ اس لیے اگر میں یہ دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت میں گذار دوں تو کیا مضائقہ ہے۔

ایک بات انھوں نے یہ سوچی اور ہم اور آپ بھی جب یہ بات سنتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا کہ بات تو برابر ہے، اسلام نے ایسا تو کبھی نہیں کہا کہ تم سنیچر کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت مت کرو، اس دن اللہ کی یاد میں مشغول مت رہو۔ منع تو نہیں کیا ہے، اگر کوئی آدمی اپنے طور پر کرتا ہے تو اسلام کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، اس طرح اسلام کی مخالفت بھی نہیں ہوگی اور دینِ یہود کے ایک حکم پر عمل بھی ہو جائے گا؛ لیکن اس سوچ کے پیچھے کون سا جذبہ کارفرما تھا؟ یہی کہ پہلے یہودی تھے اور اس پر عمل کرتے تھے، اسی بنیاد پر انھوں نے یہ طے کیا تھا۔

دینِ یہود میں اونٹ کے گوشت کا حکم

دوسری بات یہ تھی کہ یہودیوں کے یہاں اونٹ کا گوشت کھانا ممنوع ہے۔ حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہودیوں پر اس کو حرام کر دیا؛ کیوں کہ جب حضرت یعقوبؑ بیمار ہوئے تھے، اس میں انھوں نے منت مانی تھی کہ اگر ان کو شفا ہو جائے تو اونٹ کا گوشت نہیں کھائیں گے، کیوں کہ ان کو اونٹ کا گوشت بڑا محبوب تھا اور اسی بنیاد پر یہودیوں پر بھی اس کو حرام قرار دیا گیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے پہلے کبھی اونٹ کا گوشت نہیں کھایا تھا تو انھوں نے سوچا کہ دینِ یہود میں اونٹ کا گوشت کھانا ممنوع ہے اور دینِ اسلام میں جائز اور حلال ہے۔ حلال اور جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی کھانا چاہے تو کھا سکتا ہے

اور نہ کھانا چاہے تو نہ کھاوے، بہت ساری حلال چیزیں ایسی ہیں جو آج تک میں نے اور آپ نے نہیں کھائیں، اس کی وجہ سے ہمارے ایمان میں کوئی خرابی تو نہیں آجاتی۔ حلال ہے تو اختیار ہے کھائے، نہ کھائے۔ انھوں نے سوچا کہ اگر میں اونٹ کا گوشت نہیں کھاؤں گا تو دینِ یہود کے ایک حکم پر عمل ہو جائے گا اور اسلام کے کسی حکم کی مخالفت نہیں ہوگی۔ یہ دو باتیں انھوں نے سوچیں۔

اِس سوچ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ

اس پر قرآنِ پاک کی یہ آیت نازل ہوئی جو آپ کے سامنے پڑھی گئی: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱدْخُلُوا۟ فِى ٱلسِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَـٰنِ ۚ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٢٠٨﴾﴾[البقرة] اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ تمھارے دل و دماغ سے دوسرے سارے تصورات نکل جانے چاہیے، یہ کیا کہ تم یہودیت چھوڑ کر دینِ اسلام میں آ گئے اور ابھی بھی دل میں وہی خیال! یہ جو سوچ رہے ہو کہ اس میں دینِ یہود کے حکم پر عمل ہوتا ہے اور اسلام کی مخالفت نہیں ہوتی۔ نہیں! اس کی طرف تمھاری توجہ ہونی ہی نہیں چاہیے۔ جب تم نے دینِ یہودیت کو خیر باد کہا اور اسلام میں داخل ہو گئے تو اب اُدھر تمھارا کوئی رجحان ہونا ہی نہیں چاہیے، پورے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

غیر اسلامی طریقوں پر عمل کا تصور تک نا قابلِ برداشت

اب دیکھئے! انھوں نے جن باتوں پر عمل کے بارے میں سوچا تھا، اس میں اسلام

کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں ہوتی تھی؛ لیکن اس سوچ کی وجہ سے دوسرے دین کی طرف نگاہ جاتی تھی، حالاں کہ یہ دونوں بھی آسمانی حکم تھے، بھلے ہی اسلام کے آنے کی وجہ سے وہ منسوخ ہوگئے؛ لیکن ایک زمانہ ایسا گذرا جس میں یہ دونوں چیزیں اللہ کے حکم کے طور پر عمل میں رہیں، اس کے باوجود اسلام نے اس کے تصور تک کی اجازت نہیں دی اور یہ آیت نازل ہوئی: پورے پورے اسلام میں داخل ہوجاؤ اور ﴿وَلَا تَتَّبِعُواْ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيۡطَٰنِۚ﴾: شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی مت کرو، ﴿إِنَّهُۥ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾: وہ تو تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ گویا تمھارا مسلمان ہوتے ہوئے یہ سوچنا کہ میں سنیچر کا دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت میں گذاردوں گا، اگرچہ اسلام نے مجھے اس کا حکم نہیں دیا اور میں اونٹ کا گوشت استعمال نہیں کروں گا تو حقیقت میں یہ شیطان کی پیروی ہے۔

ہمارے لیے لمحۂ فکریہ

جب اتنی سی چیز کی اجازت نہیں ہے تو اگر ہم اپنی شادی بیاہ میں، اپنی خوشی وغم میں، اپنے لباس میں، اپنی معاشرت میں ایسی چیزوں کو اختیار کریں جو خالص مشرکانہ ہیں تو کیا شریعت اس کی اجازت دے سکتی ہے؟ یہ تو غیر مسلموں کے طور طریق ہیں، یہ تو اپنے آپ کو اسلام میں مکمل طور پر داخل ہونے سے روکنا ہے۔ اسلام اور ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہماری زندگی کا ہر شعبہ: عقائد ہوں، اخلاق ہوں، عبادات ہوں، معاملات ہوں، معاشرت یعنی رہن سہن ہو۔ ہماری ہر چیز اسلام کے احکام کے مطابق ہونی

چاہیے۔اس میں غیروں کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔

اسلام صرف عبادات کا نام نہیں

یہ نہیں کہ ہم مسجد میں آویں تو مسلمان،نماز تو مسلمانوں جیسی پڑھتے ہیں اور جہاں نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکلے اور دکان پر بیٹھے تو ''اسلام کیا ہے؟'' جانتے ہی نہیں، ہمارے معاملات میں اسلام کی کوئی بو باس نہیں ہے،کوئی نام ونشان نہیں، پتہ ہی نہیں کہ اس سلسلے میں اسلام کا حکم کیا ہے۔معاملات غلط ہو رہے ہیں،کمائی حرام ہو رہی ہے، تو بھی اس کی پرواہ نہیں۔

عبادات کا شعبہ بھی بڑا اہم ہے؛لیکن یہ وہ شعبہ ہے جس میں بندے کا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے؛لیکن یہ معاملات،معاشرت،اخلاق،یہ وہ شعبے ہیں جن میں آدمیوں اور انسانوں سے واسطہ پڑتا ہے۔

ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّ وبیاں

اب آپ عبادات کے شعبے کو سنبھالے ہوئے ہیں: نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں، روزے رکھتے ہیں،زکوۃ ادا کرتے ہیں،حج کرتے ہیں،نماز تو آپ مسجد میں پڑھتے ہیں، وہاں کوئی غیر مسلم دیکھنے کے لیے نہیں آئے گا کہ آپ کیسی نماز پڑھتے ہیں،آپ کی نماز کا اس پر کوئی اثر پڑنے والا نہیں ہے۔روزہ رکھتے ہیں تو وہ تو آپ اپنے گھر والوں کو نہ بتائے تو ان کو بھی پتہ نہیں چلے گا کہ آپ کا روزہ ہے،اسی لیے اس کی بڑی فضیلتیں ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کا ثواب بھی بڑا ہے اور زکوۃ تو مسلمانوں ہی کو دی

جائے گی اور حج تو مکہ مکرمہ میں ادا کیا جاتا ہے، یہاں والوں کو اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔

اسلام کی نشر واشاعت میں معاملات ومعاشرت کا کردار

عبادات کا شعبہ بے شک اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل ہے؛ لیکن اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کے اندر جو بڑا کردار ادا کرتے ہیں، وہ معاملات ہیں، اخلاق ہیں، معاشرت ہے۔ معاشرت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں اکیلے زندگی نہیں گذار سکتا، گھر میں ہے تو ماں باپ ہیں، بھائی، بہن ہیں، بیوی بچے ہیں، پڑوسی ہیں۔ آگے دکان پر بیٹھتا ہے تو خریدار ہیں، ان کے ساتھ کس طرح معاملات کیے جائیں، نبیٔ کریم ﷺ نے سب طریقے بتلا دیے ہیں، ہمیں ان سب چیزوں کو اپنی زندگی میں لانا اور انھیں عملی جامہ پہنانا ہے۔

لباس کے بارے میں ہم یہ سوچیں کہ جو چاہے پہن لیں! نہیں، لباس بھی معاشرت سے تعلق رکھنے والی چیز ہے، وہ بھی اسی طریقے سے ہمیں اختیار کرنا چاہیے جو نبیٔ کریم ﷺ نے ہمیں بتلایا۔

رسم ورواج سے احتراز بہت ضروری

معاشرت میں جیسے شادی بیاہ کا موقع آیا تو اسی طرح انجام دینا ہے جو نبیٔ کریم ﷺ نے ہمیں بتلایا، کوئی ایسی رسم ورواج کی چیز جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا، اس کو اپنی شادی بیاہ میں لانا، غیروں کے طریقوں کو اختیار کرنا، اس سے بچنا ہے لیکن یہاں ہم پوری طرح ناکام ہیں، ہم رسم ورواج کے پابند بن گئے ہیں اور بہانہ بناتے ہیں کہ

لوگ کیا کہیں گے؟۔

کسی ملامت کی پرواہ نہ کریں

یہ عجیب معاملہ ہے! کوئی بھی معاملہ آتا ہے تو آدمی یہی سوچتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے! ہم تو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، لوگوں کے بندے تو ہیں نہیں۔ لوگ جو بھی کہیں، کہتے رہیں، ہمیں اس سے کیا؟، ہم تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم پر عمل کریں گے۔ ﴿وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۚ﴾[المائدة۵۴]: اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں۔ لوگ کہیں کہ نہیں کھلایا، بڑا بخیل ہے، کنجوس ہے، مکھی چوس ہے، کہتے رہیں، ہم تو رسم کی خاطر کھانا نہیں کھلائیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں کھلانے کا حکم دیا، وہاں ضرور کھلائیں گے؛ لیکن لوگوں کے طعن وتشنیع سے بچنے کے لیے ہرگز نہیں کھلائیں گے۔

ریاکاری والی دعوت میں شرکت کا شرعی حکم

ایسی دعوتوں میں شرکت کی شریعت بھی اجازت نہیں دیتی۔ دعوت کو قبول کرنے کے شرائط کتبِ فقہ میں لکھے ہوئے ہیں اور حدیث میں بھی اس کے متعلق ہدایتیں ہیں، اگر معلوم ہو کہ یہ نام آوری اور لوگوں کو دکھلانے کے لیے دعوت کر رہا ہے تو ایسی دعوت میں شریک ہونا جائز نہیں ہے لیکن ہم اسی انداز میں دعوتیں بھی کرتے ہیں اور اس میں شرکت بھی کرتے ہیں۔

رسم ورواج کی پابندی کے سلسلے میں ہماراعذرِلنگ

رسم ورواج ہمارے دل ودماغ پرایسا چھایا ہوا ہے کہ بس! اس سے بچنے کا کوئی اہتمام نہیں ہے، اس میں لوگ ایسے پھنسے ہوئے ہیں کہ اچھے اچھے بھی اس سے محفوظ نہیں، دین داراور دین پر عمل کرنے والے بھی جہاں رسم ورواج کی بات آتی ہے تو کہتے ہیں کہ عورتیں نہیں مانتیں۔آپ کی یہی بیوی آپ کے کاروبار کے بارے میں ایک جملہ بھی نکالے تو یہ کہہ کراس کوجھڑک دیتے ہیں کہ''تو بیٹھ! تجھ کواس میں سمجھ نہیں پڑتی''اس موقع پرآپ کے تیور بدل جاتے ہیں اور بیوی کوبھی ہمت نہیں ہوتی کہ اس بارے میں ایک جملہ بھی اپنی زبان سے نکالے تو وہاں عورتوں کی باتیں نہیں مانتے اور یہاں دین کے معاملے میں یہ بہانے بازی ہوتی ہے۔یہ محض بہانہ ہے، نام عورتوں کا ہے، ورنہ رسم ورواج کی محبت خودان کے دلوں میں پیوست ہے۔

ستم بالائے ستم

اب تو یہ مصیبت ہوگئی ہے کہ ہمارے یہاں جو بچے پڑھتے ہیں نا، ان کوبھی میں کہتا رہتا ہوں کہ اللہ کے بندو! تم نے جوعلم حاصل کیا، کم سے کم اپنی ذات کے معاملے میں تواس پرعمل کرو۔اب وہ بے چارے کرنا چاہتے ہیں توان کے ماں باپ کیا کرتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ ہم جوکہیں، وہی کرنا ہے، بارات لے کرجائیں گے اورایسا کریں گے، ویسا کریں گے۔ساری رسمیں کروائیں گے۔اگرآپ کواپنے بیٹے سے یہی رسمیں کروانی تھیں تواس بے چارے کومدرسے میں بھیج کرمولوی کاہے کوبنایا کہ اس طرح اس کو

گنہگار بنا رہے ہو۔

ضرورت تو یہ تھی کہ جب اس کو عالم بنایا تو اس سے پوچھتے کہ آج ہمارے گھر میں یہ موقع ہے تو اس موقع پر شریعت کیا ہدایت دیتی ہے؟ ہم تو جاہل ہیں، اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتے؛ اس لیے تم بتاؤ کہ حکم کیا ہے؟ تم جو کہو گے، اس کے مطابق ہمارے یہاں شادی ہوگی، ہمارے گھر کا نظام چلے گا لیکن نہیں، یہاں تو وہ بے چارہ چِلّا رہا ہے، کہہ رہا ہے تو بھی اس کی بات ماننے کے لیے کوئی تیار نہیں؛ بلکہ وہ اپنی طرف سے دباؤ ڈالتے ہیں کہ اگر ہماری بات نہیں مانتے تو چلو! گھر سے نکل جاؤ! ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ عجیب معاملہ ہے۔ پھر اس کو پڑھایا ہی کیوں؟۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ترین تین آدمی

رسم ورواج کا معاملہ بڑا خطرناک ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے، نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللهِ ثَلاَثَةٌ: اللہ تبارک وتعالیٰ کی نگاہوں میں سب سے زیادہ مبغوض، ناپسندیدہ اور اللہ کے غضب کے حق دار تین آدمی ہیں: (۱) مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ: حرم کے علاقے میں رہتے ہوئے الحاد اور عقیدے کی خرابی میں مبتلا ہو۔ (۲) وَمُبْتَغٍ فِي الإِسْلاَمِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ: مسلمان ہوتے ہوئے غیر اسلامی طریقوں کی پیروی کرنے والا۔ یہی رسم ورواج مراد ہے، ان کی پیروی کرنے والا اللہ تبارک وتعالیٰ کی نگاہوں میں سب سے زیادہ مبغوض ہے۔ (۳) وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهَرِيقَ دَمَهُ: کسی مسلمان کا ناحق خون بہانے کے درپے ہو، وہ بھی اللہ

تبارک وتعالیٰ کی نگاہوں میں سب سے زیادہ مبغوض ہے[۱]۔

رسموں کو ترک کرنا ایمانِ کامل کی علامت

ان رسم ورواج کو معمولی مت سمجھئے۔ دین دار طبقہ اپنے ذہن میں یہ خیال لیے ہوئے ہے کہ عورتوں نے کرلیا، معمولی رسموں کو انجام دے دیا تو اس سے کیا ہوتا ہے! نہیں، اس کو معمولی مت سمجھئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ اس سلسلے میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ جس کے دل میں ایمان راسخ ہو، وہ کبھی بھی رسموں کو اختیار نہیں کرسکتا، رسموں کو اختیار کرنا دلیل ہے کہ ایمان ہی پختہ نہیں ہے، آدمی رسم ورواج کے مقابلے میں جب تک کہ شریعت کے احکام کو ترجیح نہ دے، معمولی معمولی رسم کے مقابلے میں جب تک شریعت کو ترجیح نہ دے، وہاں تک یوں سمجھنا چاہیے کہ اس کے دل میں ایمان کما حقہ پیوست نہیں ہوا ہے۔ بہر حال! اپنے معاملات، معاشرت اور عبادات میں غیروں کے طور وطریق اپنانے سے بچنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اگر اس میں غیروں کا ذرا سا بھی عمل دخل ہوا تو اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی قرار دے کر عمل کرنے سے روکا اور فرمایا کہ: وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

شیطان کی انسان دشمنی اور ہماری بے فکری

دیکھو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے شیطان کی انسان دشمنی پر جگہ جگہ تنبیہ فرمائی ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما، كِتَابُ الدِّيَاتِ، بَابُ مَنْ طَلَبَ دَمَ امْرِئٍ بِغَيْرِ حَقٍّ، ر:۶۸۸۲.

ہمارے طرز و انداز سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ شیطان ہمارا تو کچھ بگاڑ ہی نہیں سکتا، ہم مطمئن ہیں۔ اللہ کے رسول، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور بڑے بڑے اولیاء اللہ شیطان کا نام سن کر لرز جاتے تھے کہ پتہ نہیں کیا نقصان پہنچا دے گا اور ہم یہ سوچتے ہیں کہ شیطان ہمارا کیا اکھاڑ لے گا، حالاں کہ اس کی دشمنی کی خبر اللہ تبارک وتعالیٰ دے رہے ہیں!۔

کوئی بڑی حکومت وسلطنت امریکہ وغیرہ اپنی پبلک کو، عوام کو پہلے سے یوں کہے کہ فلانا ہمارا دشمن ہے، اس سے بچتے رہیو اور ایک مرتبہ نہیں بار بار ریڈیو سے، ٹی وی سے اس کا اعلان کرے تو اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کیسا خطرناک دشمن ہوگا کہ حکومت کو بار بار اعلان کرنا پڑتا ہے۔

گویا ہم نے شیطان سے صلح کر لی ہے

قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ جگہ جگہ اعلان فرما رہے ہیں کہ یہ شیطان تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے، حدیث میں اس کی دشمنی کو کھول کھول کر بیان کیا گیا اور اس سے بچنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ ہی سے مدد اور پناہ طلب کرنے کا حکم دیا کہ اللہ! تو ہی پناہ دے دے، ہمارے اندر اتنی طاقت اور دم خم نہیں ہے کہ ہم اس سے بچ سکیں، تو ہی ہم کو بچالے؛ لیکن ہم نے کبھی شیطان سے بچنے اور اس کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کی کوشش کی؟ کبھی سوچا؟ نہیں! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اس کے ساتھ صلح کر لی ہے، گھول کے پی گئے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہماری حفاظت فرمائے۔ پورے دن کے ۲۴ر گھنٹے میں، ہفتے میں، مہینے میں، سال بھر میں بلکہ پوری زندگی میں کبھی خیال

بھی نہیں آتا کہ شیطان بھی ہمارا کچھ بگاڑ سکتا ہے۔ سچ کہہ رہا ہوں یا نہیں؟ دل پر ہاتھ رکھ کر جواب دو! دن رات گذر جاتے ہیں؛ لیکن شیطان کے متعلق ہمارے دل میں کوئی خطرہ نہیں آتا۔

رہ نہ غافل! یاد رکھ پچھتائے گا

جیسے محلّے میں کوئی آدمی ہمارا دشمن ہے یا حکومت کا کوئی افسر ہم کو دھمکی دے دے کہ تجھے ختم کر دوں گا تو اس کی یہ دھمکی ''۲۴'' گھنٹے ہمارے دل ودماغ پر ایسی مسلط رہتی ہے کہ نیند بھی نہیں آتی، رات بستر پر کروٹیں بدلتے گذر جاتی ہے۔ ایک معمولی انسان کی دھمکی کا اس قدر خوف! اور اللہ تبارک وتعالیٰ قرآنِ پاک میں اتنے بڑے دشمن سے ہمیں ڈرا رہے ہیں، اور پھر بھی ہمارے دل ودماغ میں اس کا خیال بھی نہ آوے!! ذرا سوچنے کی بات ہے۔ یہ ہماری غفلت ہے جس کو دور کرنے کی ضرورت ہے، اسی غفلت نے ہماری راہ ماری ہے؛ اس لیے چوکنّا رہیے، اس کے بغیر ہمارا کام بننے والا نہیں ہے۔ شیطان تو ہمارا ایسا خطرناک دشمن ہے کہ پتہ نہیں کب اور کہاں آ کر ہماری راہ مار دے۔ اللہ کے بڑے بڑے ولیوں کو اس نے مٹّی میں ملا دیا ہے تو میری اور تمھاری حیثیت ہی کیا ہے۔

انسان ہی شیطان کے مشن کو آگے بڑھا رہا ہے

ایک آدمی نے خواب میں شیطان کو دیکھا کہ وہ بڑے مزے سے خرّاٹے لے رہا ہے۔ اس آدمی نے شیطان سے کہا کہ: تو سو رہا ہے؟ شیطان نے جواب دیا کہ: آج

کل تو انسان ہی شیطان بن گیا ہے؛ اس لیے مجھے کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اس لیے شیطان سے بچنے کے طریقوں کو اپنائیں، اس کے کیا طریقے ہیں؟ وہی جو نبیٔ کریم ﷺ نے ہمیں بتلائے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اسلام کے پانچ شعبے

اقتباس

اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ ہمارے یہاں عقیدہ ایک ضروری چیز ہے۔ بچپن ہی میں بچوں کو اس کی تعلیم دی جاتی ہے، اور شروع ہی میں یہ ساری باتیں بتلائی جاتی ہیں۔ ’’تعلیم الاسلام‘‘ کے پہلے حصہ میں سوال ہے: آپ کا نام کیا ہے؟ یعنی بہ اعتبارِ مذہب آپ کون ہیں؟ جواب: میرا نام مسلمان ہے اور پھر آگے اسلام کی تفصیل بتلائی جاتی ہے؛ تاکہ ایک مسلمان بچے کو شروع ہی سے یہ چیزیں ذہن نشین ہو جائیں؛ لیکن اس کے بعد لوگ اس کو ایسا بُھلا دیتے ہیں اور چھوڑ دیتے ہیں کہ پھر عقائد سے متعلق یہ ساری باتیں ذہنوں میں باقی نہیں رہتیں؛ اس لیے میں تو کہا کرتا ہوں کہ بڑے ہونے کے بعد بھی بار بار ان چیزوں کو سامنے لانا چاہیے، جس طرح ہم نماز وغیرہ کے مسائل کا مذاکرہ کرتے ہیں، یہ بنیادی عقائد ہیں، اور ایمان اسی پر ٹِکا ہوا ہے، اس کے بغیر ایمان ختم ہو جاتا ہے، اس کا بھی مذاکرہ ہوتے رہنا چاہیے، ورنہ لوگ اپنی ناواقفیت کی وجہ سے ایسی باتیں اپنی زبان سے نکالتے ہیں جس کی وجہ سے ایمان سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے ایک مسلمان کے لیے ان الفاظ سے واقف ہونا بھی ضروری ہے جن کے بولنے کی وجہ سے آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے؛ تاکہ بھولے سے اور بے خبری میں بھی اس کی زبان سے وہ لفظ نکلنے نہ پائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله إلىٰ كافّة الناس بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً، صلّى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً.

أما بعد: فَأَعُوْذُ بِالله مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿وَٱلَّذِينَ يُؤْذُونَ ٱلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَـٰتِ بِغَيْرِ مَا ٱكْتَسَبُوا۟ فَقَدِ ٱحْتَمَلُوا۟ بُهْتَـٰنًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۝٥٨﴾ [الأحزاب]

وقال النبي ﷺ: الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ[۱].

وقال النبي ﷺ: كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ[۲].

وقال النبي ﷺ: لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ[۳].

أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

---

۱ سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، باب مَا جَاءَ فِي أَنَّ الْمُسْلِمَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ إلخ.

۲ سنن ابن ماجة، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابُ حُرْمَةِ دَمِ الْمُؤْمِنِ وَمَالِهِ.

۳ صحيح البخارى، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابٌ مِنَ الإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ، ر:۱۳.

لفظِ شریعت کی تحقیق

محترم حضرات! اللہ تعالیٰ نے نبیٔ کریم ﷺ کے واسطے سے زندگی گذارنے کا جو طریقہ انسانوں کو عطا فرمایا ہے، اسے ہم شریعت کے نام سے جانتے ہیں۔ "شَرَعَ یَشْرَعُ" کا معنیٰ ہے جاری کرنا۔ جاری کی ہوئی چیز اور راستے کو شریعت کہتے ہیں، قرآنِ پاک میں ہے: ﴿شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾ [المائدة۴۸] شریعت یعنی اللہ کا بتلایا ہوا راستہ؛ اسی لیے جو عملی احکام ہیں، ان ہی کے لیے لفظ "شریعت" بولا جاتا ہے۔

شریعت کے پانچ شعبوں میں سے پہلا شعبہ: عقائد

شریعت یعنی زندگی گذارنے کا جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے نبیٔ کریم ﷺ کی وساطت سے ہمیں عطا فرمایا، اس کے اہم شعبے پانچ ہیں: ایک شعبہ عقائد کا ہے، یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات وصفات، حضور ﷺ اور دوسرے انبیائے کرام علیھم الصلوۃ والسلام کے متعلق، فرشتوں سے متعلق، قیامت کے دن کے متعلق، جنت اور دوزخ سے متعلق، دوبارہ پیدا ہونے سے متعلق، تقدیر سے متعلق ہمیں اپنے دل میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟ یہ سب ملا کر ایک مستقل شعبہ ہے اور یہی ایمان کی بنیاد ہے، اگر اس عقیدے میں -خُدا نہ کرے- ذرا سا بھی خلل آ گیا تو آدمی ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔

عقائد کا مذاکرہ کرتے رہنا چاہیے

اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ ہمارے یہاں عقیدہ ایک ضروری چیز ہے، بچپن ہی میں بچوں کو اس کی تعلیم دی جاتی ہے اور شروع ہی میں یہ ساری باتیں بتلائی جاتی ہیں،

’’تعلیم الاسلام‘‘ کے پہلے حصہ میں سوال ہے: آپ کا نام کیا ہے؟ یعنی بہ اعتبارِ مذہب آپ کون ہیں؟ جواب: میرا نام مسلمان ہے اور پھر آگے اسلام کی تفصیل بتلائی جاتی ہے؛ تا کہ ایک مسلمان بچے کو شروع ہی سے یہ چیزیں ذہن نشین ہو جائیں؛ لیکن اس کے بعد لوگ اس کو ایسا بُھلا دیتے ہیں اور چھوڑ دیتے ہیں کہ پھر عقائد سے متعلق یہ ساری باتیں ذہنوں میں باقی نہیں رہتیں۔

اس لیے میں تو کہا کرتا ہوں کہ بڑے ہونے کے بعد بھی بار بار ان چیزوں کو سامنے لانا چاہیے، جس طرح ہم نماز وغیرہ کے مسائل کا مذاکرہ کرتے ہیں، یہ بنیادی عقائد ہیں، اور ایمان اسی پر ٹِکا ہوا ہے، اس کے بغیر ایمان ختم ہو جاتا ہے، اس کا بھی مذاکرہ ہوتے رہنا چاہیے، ورنہ لوگ اپنی ناواقفیت کی وجہ سے ایسی باتیں اپنی زبان سے نکال بیٹھتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ایمان سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے ایک مسلمان کے لیے ان الفاظ سے واقف ہونا بھی ضروری ہے جن کے بولنے کی وجہ سے آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے؛ تا کہ بھولے سے اور بے خبری میں بھی اس کی زبان سے وہ لفظ نکلنے نہ پائے۔

روزانہ تجدیدِ ایمان

اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں عقائد کے مسائل سے ناواقفیت اتنی عام ہو چکی ہے کہ لوگ ان چیزوں سے واقف نہیں اور بے خبری میں ایسی چیزیں زبان سے نکال دیتے ہیں، جس کی وجہ سے ایمان سے محروم ہو جاتے ہیں، اس لیے

لوگوں کو چاہیے کہ روزانہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہیں یعنی اپنے ایمان کو صبح وشام کلمہ پڑھ کر رینیو(Renew) کرتے رہیں، یہ بہت اہم چیز ہے، اس کی طرف خاص طور پر توجہ دیں۔ آپ نے بھی دیکھا ہوگا اور ہمارے یہاں دیہاتوں میں بھی لوگ ایسے ایسے الفاظ بولتے ہیں کہ اللہ کی پناہ! جیسے کسی کو روزے کے لیے کہا تو وہ کہتا ہے کہ ہاں بھائی! ہمارے گھر تو الحمدللہ! کھانا پینا ہے، ہم روزہ کیوں رکھیں؟ تو یہ تو۔نعوذ باللہ۔ شریعت کی ایک عبادت کی توہین ہوگئی جس کی وجہ سے آدمی ایمان سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کو خبر بھی نہیں رہتی کہ میں کیا بول رہا ہوں یا مثلاً ہمارے یہاں کسی آدمی کی اقتصادی حالت (مالی حالت) کمزور ہو اور پھر کبھی کاروبار میں برکت ہوگئی اور حالت اچھی ہوگئی، تو لوگ بولتے ہیں: اللہ میاں نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا یعنی گویا اب تک۔نعوذ باللہ۔نہیں پکڑا تھا جو ابھی پکڑا؟ دو پیسے ہاتھ میں آنا یہی اللہ تعالیٰ کے فضل کی علامت ہے؟ یہ بہت خطرناک جملے ہیں۔

کبھی ہم بے موقع بھی بارش برساتے ہیں؟

ایک بُزرگ تھے، ایک مرتبہ بارش برسی، تو اُن کی زبان سے نکل گیا کہ کیا موقع سے بارش آئی! اس پر غیب سے آواز آئی کہ کبھی ہم بے موقع بھی برساتے ہیں؟۔

اس لیے میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ عقائد کی درستگی بہت اہم ہے اور یہ دین کا بنیادی شعبہ ہے۔ میں تو اپنے ان احباب سے جو دعوت وتبلیغ کی نسبت سے نکلا کرتے ہیں، یہ کہوں گا کہ دھیرے دھیرے ان چیزوں کی طرف سے بھی ذہنوں کو صاف کیا جائے۔

آدمی کے اعمال اس کے عقائد کے مطابق صادر ہوتے ہیں

اور عقائد کو بنیادی حیثیت اس لیے دی گئی ہے کہ آدمی کے ظاہری اعمال جتنے بھی ہیں، وہ اندر کے یقین کے تابع ہوتے ہیں۔ ایک آدمی یہ سمجھتا اور یقین رکھتا ہے کہ میں مال کماؤں گا اور کچھ میرے پاس ہوگا، تب ہی دنیا میں میری عزت ہوگی یا تب ہی میرے کام بن سکتے ہیں تو پھر وہ آدمی مال حاصل کرنے کے لیے ہی سب کچھ کرے گا۔ اس لیے دل کا عقیدہ اور یقین بنیاد اور اصل ہے۔

دوسرا شعبہ: عبادات

دین کا دوسرا شعبہ، سیکشن (section) عبادات ہے۔ عبادات وہ ہیں جن کے ذریعہ بندہ اپنا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم کرتا ہے، بندے کا، اللہ کی ذات کے ساتھ کنیکشن (connection)/ رابطہ قائم کرنے کا جو ذریعہ شریعت نے بتلایا ہے، وہ عبادات کا شعبہ ہے، یہ اللہ کے حقوق ہیں، ان کی مختلف شکلیں ہیں۔ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: کلمۂ شہادت کا اقرار، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج۔ اس میں نفلی عبادتیں، فرض واجب وغیرہ یہ ساری تفصیلات ہیں۔ اس کے ذریعہ سے بندہ اللہ کے حقوق کو ادا کرتا ہے اور ان عبادات کی وجہ سے بندوں کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ایک تعلق پیدا ہوتا ہے۔

نماز کی خصوصی تاکید دلوں میں محبت پیدا کرنے کے لیے

یہ جو نماز کو اہمیت دی گئی، حالاں کہ دوسرے شعبے بھی ہیں اور ہر شعبہ اپنی جگہ اہم

ہے لیکن عبادات میں نماز کی بہت زیادہ تاکید آئی، کیوں؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شروع مکّی زندگی میں عبادات کا بڑا اہتمام کرایا گیا: تہجد کی نماز تک فرض کی گئی تھی، رات بھر جاگا جاتا تھا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پیروں پر ورم آجاتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروں پر تو آتا ہی تھا تو یہ جو شروع میں سب کرایا گیا گویا اس نماز کے ذریعہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اتنا تعلق، اتنا تعلق، اتنا تعلق پیدا کرایا گیا کہ اللہ کی محبت دل کے اندر جم گئی، گھر کر گئی۔

عشق کی گرمی سے ہے معرکۂ کائنات

اور دیکھو بھائی! اصل جو قوت اور جو چیز آدمی کے اندر انقلاب لاتی ہے، وہ محبت ہے۔ مال کی محبت انقلاب لاتی ہے، کہاں سے کہاں لے جاتی ہے، کیا سے کیا کروا ڈالتی ہے تو اللہ کی محبت جب پیدا ہو جائے گی، اس کے بعد پھر وہ معاملات ہوں تو، معاشرت ہو تو، اخلاق ہو تو، ہر چیز میں اللہ کا حکم پورا کرے گا؛ کیوں کہ اللہ کے واسطے پھر ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہوگا۔ اس صورت میں جب ان کو یوں کہا کہ تم نے یہ معاملہ کیا، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ نہیں دیتی؟ ٹھیک ہے، لاکھوں کا نقصان ہو برداشت ہے، کیوں کہ اللہ ناراض ہو جائے گا، اللہ کی محبت دل میں ہے۔

ہم شریعت کے احکام پر عمل کرنے میں سست کیوں ہیں؟ وہی بات کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اتنی محبت جو آدمی کا شریعت پر چلنا آسان کر دے، اس میں ابھی کمی ہے، وہ مقدار ابھی پیدا نہیں ہوئی۔

عبادات اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑنے کے لیے ہیں

تو عبادت کا پہلو وہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے آدمی کا رابطہ اور رشتہ اللہ کی ذات سے استوار ہوتا ہے، اور اللہ کی محبت آدمی کے دل میں جاگزیں ہوتی ہے، اس کی بڑی اہمیت ہے، ہر ایک چیز کی اپنی اپنی اہمیت ہے، ویسے اس میں اگر کوتاہی کریں گے، اور پھر کبھی خیال آیا اور تنہائی میں اللہ سے معافی مانگی تو آسانی سے معاف بھی ہو جاتا ہے، اللہ کا حق ہے، وہ معاف کر دے گا۔ اس حیثیت سے وہ آسان ہے اور بندے والا حق اس حیثیت سے مشکل ہے کہ اگر اس میں کوتاہی کی ہے تو چاہے رات بھر اللہ سے معافیاں مانگتے رہو، حق والا معاف نہیں کرے گا تو معاف نہیں ہوگا۔ یہ ایک دوسری حیثیت ہے۔ بہرحال! میں عرض کر رہا تھا کہ دوسرا شعبہ، دین کا دوسرا اسیکشن عبادات ہے۔ اس میں نماز روزہ یہ سب کچھ ہیں۔

تیسرا شعبہ: معاملات

تیسری چیز معاملات ہیں۔ معاملات کا مطلب ہے، بازار میں جو ہم خرید و فروخت کرتے ہیں اور کرایہ داری کا معاملہ، رہن کا معاملہ اور دوسری جتنی بھی چیزیں ہیں، وہ سب ''معاملات'' کہلاتے ہیں۔ اس کے متعلق شریعت نے ہدایات دیں، یہ ایک الگ شعبہ ہے، اس کے بھی بڑے احکام ہیں، آدمی کی زندگی اور دین پر اس کا بھی بڑا اثر پڑتا ہے، اس میں ذرا سی کوتاہی ہوگی تو حلال حرام کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا اور خُدا نہ کرے، آدمی کے پیٹ میں حرام چیز پہنچ گئی تو پھر ساری عبادتیں بے کار۔

حرام کمائی کرنے والے سے شیطان بےفکر رہتا ہے

کتاب الکبائر میں روایت موجود ہے کہ جب کوئی نوجوان دین کے اندر لگتا ہے، عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو شیطان کا ٹولہ فکر مند ہوجاتا ہے کہ یار! یہ تو اِدھر پھر گیا! ہمارا ایک آدمی نکل گیا اور یہ تو مسجد میں جانے لگا، عبادت میں مشغول ہونے لگا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے یوں کہتا ہے کہ ذرا دیکھو! اس کی کمائی کیسی ہے؟ اگر کمائی حرام ہے تو شیطان کہتا ہے کہ عبادت کرنے دو، فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی یہ عبادت کسی کام کی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ معاملات بھی اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں۔

چوتھا شعبہ: اخلاق اور اس کا مطلب

چوتھا شعبہ ہے اخلاق کا، اخلاق کا مطلب یہ نہیں کہ ہنس کر فقط السلام علیکم، خیریت؟ مسکرادیا۔ فقط اس کا نام اخلاق نہیں۔ اخلاق دِل کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے رکھی ہوئی صفات ہیں: دل کے اندر اللہ نے تواضع، انکساری رکھی، اس کے بالمقابل ایک بُرائی ہے تکبّر۔ دل میں دنیا سے بے رغبتی ہے جس کو زُہد کہتے ہیں، اس کے مقابلے میں ہے دنیا کی اور مال کی محبت۔ یہی وہ چیز ہے جو انسان سے ساری خرابیاں کراتی ہے۔ حسد، بُغض، کینہ، تکبر یہ خرابیاں ہیں۔ ان کے بالمقابل مؤمن کے لیے نصح یعنی خیرخواہی کا جذبہ آدمی کے اندر پیدا ہو۔ یہ جو ساری چیزیں ہیں: اخلاص ہے، تواضع ہے، انکساری ہے، زُہد ہے، یہ اخلاق ہیں۔

بدعملی، بدخلقی کا اثر ہے

دیکھو! ایک آدمی کے دل کے اندر تکبر ہے تو یہ ایک بیماری ہے، یہ ''بدخُلقی'' کہلاتی ہے۔ بداخلاقی گالی بولنے کا نام نہیں ہے، یہ تو بدعملی ہے جو اعضاء سے ظاہر ہوتی ہے۔ ایک آدمی گالی دے، چوری کرے، شراب پیے؛ یہ سب بداعمال ہیں، یہ اندر کی بُرائی کا نتیجہ ہے۔ دل کے اندر تکبر ہے، دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے، اپنے کو بڑا سمجھتا ہے، اور اس کی وجہ سے دوسروں کی بُرائی کرتا ہے، دوسرے کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش نہیں آتا، اچھا رویہ اختیار نہیں کرتا تو یہ جو سب باہر نظر آ رہا ہے، وہ سب اندر کی جڑ کی وجہ سے ہے۔

ایک آدمی کے اندر حسد ہے، اس کی وجہ سے وہ چاہتا ہے کہ اس کو نقصان پہنچے۔ تو اندر حسد کا جو جذبہ پیدا ہوا، اسی کی وجہ سے اس کی اچھائیوں کی طرف نہیں دیکھ سکتا، لوگوں کے سامنے اس کی بُرائی کرتا ہے، اس کو نقصان پہنچانے کے لیے تدبیریں کرتا ہے۔ چور چوری کس لیے کرتا ہے؟ مال کی محبت کی وجہ سے، دل میں مال کی محبت ہے، وہی اس کو چوری کرنے لیے آمادہ کر رہی ہے تو مال کی محبت یہ بدخلقی ہے اور مال کی محبت کے دل میں نہ ہونے کو ''زہد'' کہتے ہیں، یہ اچھے اخلاق ہیں، اگر طبیعت میں زہد ہوگا تو کبھی چوری نہیں کرے گا، کبھی کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ بہرحال! اخلاق اور اعمال الگ چیز ہیں، اخلاق دل سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ چوتھا شعبہ ہے۔

پانچواں شعبہ: معاشرت

پانچواں شعبہ ہے معاشرت، اس کے معنی ہیں زندگی گذارنا۔ اللہ نے انسان کو ایسا

بنایا ہے کہ تنہا گھر کے کونے میں نہیں رہ سکتا۔ جہاں بھی رہے گا، کچھ لوگوں سے اس کو واسطہ پڑے گا یعنی اس کی زندگی میں کچھ لوگ اس کے بیچ میں آئیں گے۔ گھر میں رہے گا، اگر شادی نہیں بھی ہوئی ہے تو ماں باپ، بھائی بہن ہیں، دادا دادی ہیں، نانا نانی ہیں، پھوپھی، خالہ، ماموں اور چچا ان سب سے واسطہ پڑتا ہے۔ شادی ہوئی، بیوی آئی، بچے ہوئے تو بیوی بچوں سے واسطہ پڑتا ہے، یہ گھر کے اندر کی بات ہے۔

معاشرت کا مفہوم

گھر کے باہر پڑوسیوں سے، دوسرے رشتہ داروں سے، بازار میں گیا، دُکان پر بیٹھا تو گاہکوں اور دوسرے لوگوں سے، سفر میں گیا تو آنے جانے والوں سے، جیسے ابھی یہاں آپ لوگوں سے میرا واسطہ پڑا، آپ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں تو مختلف انسانوں سے جب واسطہ پڑتا ہے، تب کس کے ساتھ کیسا معاملہ کیا جائے؟ آپ گھر میں رہیں تو باپ کے ساتھ کس طرح پیش آئیں، ماں کے ساتھ کس طرح معاملہ کرنا چاہیے، اپنے بھائی بہن کے ساتھ کس طرح رہنا چاہیے، اور اپنی بیوی کے ساتھ کس طرح رہنا چاہیے، اپنی اولاد کے ساتھ کس طرح رہنا چاہیے، اپنے پڑوسی کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے، ایک گاہک کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے۔ آپ راستے سے گذر رہے ہیں تو راستے سے گذرنے والے دوسرے لوگ ہیں، ان کے ساتھ آپ کو کیا معاملہ کرنا چاہیے۔ سفر میں ہیں، ٹرین میں ہیں، پلین میں بیٹھے ہیں تو آپ کے جو رفقاء ہیں، ان کے ساتھ آپ کو کیا معاملہ کرنا چاہیے۔ یہ دوسرے انسانوں سے جتنے بھی

واسطے پڑتے ہیں، چاہے وہ رشتہ دار ہوں، قریب کے ہوں، دور کے ہوں، اس کے لیے جو اصول شریعت نے بتلائے ہیں، جو طریقہ بتلایا ہے، اسی کو معاشرت کہتے ہیں۔ یعنی یہی کہ کس کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔

معاشرت کی اہمیت کا ایک نمونہ

معاشرت بھی دین کا ایک بہت بڑا حصہ ہے اور قرآن میں تو اس کا بہت اہتمام کیا گیا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ قرآن میں نماز کے احکام، نماز کی تاکید تو بہت آئی ہے۔ ۷۰ر سے زائد مقامات ہیں جہاں نماز کا تذکرہ آیا ہے کہ نماز قائم کرو یا جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں وغیرہ لیکن نماز کی تفصیل کہ نماز کے اندر کیا کیا کام آپ کو کرنے ہیں؟ ارکان کتنے ہیں؟ کھڑا ہونا ہے، قراءت کرنا ہے، رکوع کرنا، سجدے میں جانا ہے، بیٹھنا ہے۔ یہ جو چیزیں ہم کرتے ہیں، اس کی تفصیل پھر یہ کہ کتنی رکعتیں ہیں، کتنے وقت کی نمازیں فرض ہیں؟ نماز پوری ترتیب سے کس طرح پڑھی جائے گی؟ یہ اگر آپ قرآن میں تلاش کریں گے تو آپ کو نہیں ملے گا۔ یہ سب نبیٔ کریم ﷺ نے اپنے عمل سے ہمیں بتلایا، زکوۃ کا حکم قرآن میں موجود ہے، بہت تفصیل سے زکوۃ کو بتلایا لیکن یہ کہ زکوۃ کا نصاب کتنا ہونا چاہیے، کتنی مقدار زکوۃ نکالی جائے، یہ ساری تفصیلات، زکوۃ کے مسائل؛ یہ سب قرآن میں آپ کو نظر نہیں آئیں گے، حدیث میں یہ ساری چیزیں موجود ہیں۔

قرآن میں معاشرت کے احکام تفصیلاً ہے، عبادات کے نہیں

لیکن قرآن میں آپ دیکھیں گے کہ معاشرت کے بہت سارے مسائل: میاں

بیوی کے بعض مسائل، پڑوسیوں کے ساتھ تعلق رکھنے کی بعض چیزیں قرآن میں صاف ہیں؛ بلکہ ایک آدمی دوسرے کے گھر جارہا ہے توکسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینی چاہیے،جس کو عربی زبان میں استیذان کہتے ہیں، اجازت لینے کا کیا طریقہ اوراس کی کیا تفصیل ہے؟ کون سے اوقات میں کس طرح لینی چاہیے؟ پورے دو رکوع قرآن میں موجود ہیں۔ میاں بیوی کے بھی بہت سارے معاملات موجود ہیں۔ سورۂ حجرات میں اور بھی بہت ساری چیزیں ہیں،لوگوں کے ساتھ کس طرح پیش آنا ہے۔ یہ ساری تفصیلات قرآن میں بیان کیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں معاشرت کا بڑا اہتمام ہے۔

دین عبادتوں تک محدود نہیں

ہم لوگ دین کو عبادتوں تک محدود سمجھتے ہیں۔اگر میں نے پانچ وقت کی نماز پڑھ لی، روزے رکھ لیے، اللہ نے دولت دی ہے تو زکوۃ ادا کردی۔حج کرآیا تو میں یوں سمجھتا ہوں کہ میں دنیا کا سب سے بڑا پرہیزگار، دین دار آدمی ہوں۔بس! آپ اس کے بعد چاہیں ماں باپ کے، بیوی کے حق ادا کرتے ہیں یا نہیں، پڑوسیوں کے ساتھ بُرائی سے پیش آتے ہیں۔

پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں نبوی تاکیدات

حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد ہے: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلاَ يُؤْذِ جَارَهُ: جو آدمی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، وہ اپنے پڑوسی کو

تکلیف نہ پہنچائے[۱]۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَاللّٰهِ لاَ يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لاَ يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لاَ يُؤْمِنُ: اللہ کی قسم! وہ آدمی مؤمن نہیں، اللہ کی قسم! وہ آدمی مؤمن نہیں، اللہ کی قسم! وہ آدمی مؤمن نہیں۔ حضور ﷺ قسم کھا کر، اور ایک مرتبہ نہیں، تین تین مرتبہ قسم کھا کر فرماتے ہیں: وہ مؤمن نہیں، صحابہ ڈر گئے، پوچھا: وَمَنْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! کون مؤمن نہیں؟ حضور ﷺ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: الَّذِي لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَايِقَهُ: جس کا پڑوسی اُس کی ایذارسانیوں سے مامون ومحفوظ اور مطمئن نہ ہو[۲]۔

پڑوسی کا ایذارسانی سے مطمئن ہونا

ایک آدمی کا پڑوسی ہے، وہ اس کو تکلیف پہنچاتا ہے تو حضور فرماتے ہیں کہ وہ مؤمن نہیں۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ کسی کو تکلیف تو نہیں دیتے لیکن مزاج سے ایسے ہوتے ہیں کہ سامنے والے کو ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں کب کیا کر ڈالے، اس کا ٹھکانہ نہیں، بس وہ پڑوسی اس سے سہما ہوا ہے۔ حالاں کہ آج تک پڑوسی کو اس نے کچھ کیا نہیں؛ لیکن پڑوسی کو اس کی طرف سے اطمینان بھی نہیں ہے۔ اطمینان، بھروسہ اور confidence ہونا چاہیے۔ اگر نہیں تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ بھی

---

① صحيح البخارى، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، بَابُ التَّرْغِيبِ فِي النِّكَاحِ، بَابُ الْوَصَاةِ بِالنِّسَاءِ، ر:٥١٨٥.

② صحيح البخارى، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ رضي الله عنه، كِتَابُ الأَدَبِ، باب إِثْمِ مَنْ لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَايِقَهُ، ر:٦٠١٦.

مؤمن نہیں، حالاں کہ اس نے تکلیف نہیں پہنچائی؛ لیکن اس کا انداز اور مزاج اس کی روش اس کا طور طریقہ ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے پڑوسی خطرہ محسوس کرتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: وَاللّٰہِ لاَ یُؤْمِنُ: اللہ کی قسم وہ آدمی مؤمن نہیں، مؤمن نہیں۔ تین مرتبہ فرمایا۔

لگتا ہے میرے عہد کا انسان مر گیا

آج ہمارا حال یہ ہے کہ مفتی صاحب، مفتی صاحب ہیں، مولوی صاحب، مولوی صاحب ہیں، مبلغ صاحب، مبلغ صاحب ہیں، متّقی پرہیزگار۔ ہماری پرہیزگاری، مولویت، مفتیت اور تبلیغیت پر کوئی آنچ نہیں آتی، دین داری ہماری قائم ہے اور پڑوسی ہم سے ناراض! ماں باپ کو شکایت ہے، پڑوسی تو باہر کی چیز ہے، ہمارے ماں باپ ہم سے ناراض ہیں، ان کو ہماری طرف سے اطمینان نہیں، وہ ہر وقت ہم سے خطرہ محسوس کیے ہوئے ہیں، تکلیف ان کو پہنچ رہی ہے اور ہماری بزرگی اپنی جگہ مسلم اور حضور ﷺ تو یوں فرماتے ہیں کہ وہ آدمی مؤمن نہیں، مؤمن نہیں۔ مؤمن نہ ہونے کو اللہ کی قسم کھا کر حضور ﷺ بیان فرماتے ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت مولانا اصغر میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مہمان نوازی

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک قصہ سناتے ہیں، حضرت مفتی صاحب کے صاحبزادے حضرت مفتی تقی صاحب دامت برکاتہم اس واقعے کے ناقل ہیں، فرماتے

ہیں کہ: حضرت والد صاحب کی حضرت میاں صاحب کے پاس بعد العصر حاضری ہوئی، آم کا موسم تھا، حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ: مفتی صاحب! آم چوسو گے؟ تو حضرت مفتی صاحب نے عرض کیا: حضرت آم اور وہ بھی آپ کے دستِ مبارک سے، کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟ فرماتے ہیں کہ میاں صاحب دو ٹوکرے لائے۔ ایک ٹوکرے میں دُھلے ہوئے آم تھے اور دوسرا خالی ٹوکرا۔ جو آم چوستے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ بعد میں گُٹھلی اور چھلکا ڈالنے کے لیے بھی ایک برتن چاہیے، وہ لا کے رکھا اور آم کھائے گئے۔ حتیٰ کہ وہ آم کا ٹوکرا خالی ہو گیا اور یہ گُٹھلی اور چھلکے والا بھر گیا۔

ہے وہی بھلا جو کسی کا بھلا کرے

اس کے بعد مفتی صاحب اس ٹوکرے کو اُٹھانے لگے: گُٹھلی، چھلکے والا ٹوکرا۔ میاں صاحب نے کہا: کیا کر رہے ہو؟ مفتی صاحب نے کہا کہ: حضرت باہر پھینک کر آتا ہوں۔ میاں صاحب نے کہا: آپ کو پھینکنا نہیں آئے گا۔ مفتی صاحب نے کہا کہ پھینکنا بھی کوئی فن ہے؟ کوئی سیکھنے کی چیز ہے؟ جو آپ یہ پوچھ رہے ہیں۔ فرمایا: ہاں لاؤ! مجھے ٹوکرا دو۔ ٹوکرا دیا، پھر انھوں نے گُٹھلیاں الگ کیں، چھلکے الگ کیے، پھر وہ لے کر باہر نکلے، باہر نکل کر ایک جگہ محلے میں جا کر وہاں انھوں نے کونے میں چھلکے ڈالے اور تھوڑے دوسری جگہ پر ڈالے اور گٹھلیاں ایک جگہ پر ڈالیں پھر یوں فرمایا: مولوی صاحب! یہ ہمارا محلہ غریبوں کا محلہ ہے، اس محلے کے رہنے والے غریب ہیں اور یہ اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ پیسے خرچ کر کے آم لا کر کھا سکیں یا اپنے بچوں کو کھلا سکیں، یہ جو چھلکے میں نے

ڈالے، اس محلے کی بکریاں عام طور پر یہاں بیٹھتی ہیں تو یہ چھلکے ان بکریوں کے کام آجائیں گے اور جہاں گُٹھلیاں ڈالی ہیں، محلے کے بچے وہاں کھیلتے ہیں۔

آپ نے دیہاتوں میں دیکھا ہوگا کہ وہ گُٹھلیاں سینکتے ہیں اور سینک کر کے کھا لیتے ہیں تو کہا کہ وہ ان کے کام آجائیں گے، ایسے ہی باہر ڈال دیں گے تو ان محلے والوں کی جب نظر پڑے گی تو ان کو یہ حسرت ہوگی کہ ہائے! ہمارے پاس پیسہ نہ ہوا، ورنہ ہم بھی اپنے بچوں کو خرید کر کھلاتے تو ان کی اس حسرت اور ان کی اس تکلیف کا باعث میں بنتا، میں اس کو گوارہ نہیں کرتا۔ اندازہ لگایئے!۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ آپ اپنے گھر میں کوئی چیز لے کر آویں تو پڑوسی کو دو یا چھپا کر کے لاؤ[۱]؛ تاکہ ان کے بچے دیکھیں نہیں، وہ غریب ہیں، بچوں نے دیکھ لیا تو بچے تو جانتے نہیں کہ ہمارے ماں باپ کی لانے کی طاقت نہیں۔ وہ تو آ کر ضِد کریں گے کہ ابّا! ہمیں بھی آم لا دو، اب باپ کے پاس پیسے ہوتے تو بھلا کیوں لا کر نہ کھلاتا؟ وہ تو ہے نہیں تو اب اس وقت اندر ہی اندر گھٹنے کے علاوہ اس کے پاس کیا علاج ہوتا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہ لکھتے ہیں: حالاں کہ حضرت میاں صاحب

---

① شعب الإيمان، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ، بَابٌ فِي إِكْرَامِ الْجَارِ، ر:۹۱۱۳.

کا یہ معمول تھا کہ حضرت کے یہاں جو آم آتے تھے تو اکثر محلے کے بچوں کو بُلا بُلا کر حضرت کھلاتے تھے، حضرت تو خود دن بھر میں ایک دو آم کھاتے تھے؛ مگر بچوں کو اور مہمانوں کو کھلایا جاتا تھا، اس کے باوجود اتنا زیادہ اہتمام۔

اخیر میں اپنا مکان بنوایا

اس سے ایک قدم آگے فرمایا کہ: حضرت کا مکان کچا تھا، کچی دیواریں اور اوپر کھپریل (جس کو ہماری زبان میں نلیے کہتے ہیں، پُرانے قسم کا چھپرا) جن لوگوں نے ایسے گھروں میں رہائش کی ہے، وہ جانتے ہیں کہ بارش آنے سے پہلے دیواریں اگر اس کی کچی ہیں تو ان دیواروں کے اوپر کراٹھیاں وغیرہ لگا دینی پڑتی ہیں؛ تا کہ بارش کا پانی ٹپک کر کے اس دیوار کو خراب نہ کرے اور اوپر کھپریل وغیرہ ہوتے ہیں، اُس کو اتار کر اس کو صاف کر کے دوبارہ درست کرنا پڑتا ہے تو ہر سال یہ کام کرنا ہوتا تھا۔ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ: اس کام میں ہر سال تقریباً چار سو روپیے خرچ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب سے کہا کہ: حضرت! ہر سال اس میں اتنا خرچ ہوتا ہے، پندرہ بیس سالوں میں تو پکا نیا گھر بن جائے، آپ کیوں پکا مکان نہیں بنا لیتے؟ تو یہ سُن کر حضرت میاں صاحب فرمانے لگے کہ: ہاں بھائی! آپ نے تو ایسی بات کہی کہ اس بڑے میاں کی عقل وہاں تک نہیں پہنچی اور پھر یوں کہا کہ بھائی بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے محلے کے تمام رہنے والے غریب ہیں، ان کے مکان کچے ہیں، اگر چہ مجھ میں استطاعت ہے کہ میں اپنا مکان پکا بنا سکتا ہوں لیکن اگر میں اپنا مکان پکا بنا لوں گا تو

جن کے پاس پیسے نہیں ہیں، یہ تو نیا نہیں بنا سکیں گے تو ان کے دل میں حسرت رہے گی کہ ہائے! اگر ہمارے پاس پیسہ ہوتا ہم بھی اپنا مکان پکا بناتے اور اس حسرت کا ذریعہ میں بنوں گا، میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ: جب اللہ نے تمام محلے والوں کی مالی حالت اچھی کر دی اور سب کے مکان جب پکے بن گئے تو اخیر میں میاں صاحب نے اپنا مکان پکا بنوایا۔ یہ ہے پڑوسیوں کے حق کی رعایت۔ ہمارے بزرگوں کے یہاں اتنا زیادہ اہتمام کیا جاتا تھا۔

دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ

میں اس موقع پر کہا کرتا ہوں، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستاں میں قصہ بیان کیا ہے، اصل قصہ نہیں؛ اصل اس قصہ کے بعد ایک رُباعی انھوں نے لکھی ہے، میں اس رُباعی کو پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن پہلے قصہ سُنا دوں: ایک مرتبہ ایک اللہ والے کے یہاں ایک چور پہنچا، مکان میں داخل ہوا، ان کے مکان میں چوری کرنے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں۔ ایک گدڑی وہ خود اوڑھے ہوئے پڑے تھے۔ چور ایک دروازے سے داخل ہوا اور اُدھر تک چلا گیا، ان کی آنکھ کھلی تھی۔

انھوں نے دیکھا کہ چور داخل ہوا ہے لیکن میرے گھر میں اس کی امید پوری ہو، ایسی کوئی چیز نہیں ہے، وہ تو خالی ہاتھ جائے گا، ان کو گوارا نہ ہوا کہ چور چاہے چوری ہی کی نیت سے آیا ہے لیکن کچھ امید لے کر میرے گھر میں آیا ہے تو خالی ہاتھ واپس جاوے! اس لیے وہ جس گدڑی کو اوڑھے ہوئے تھے، وہ چور کے راستے میں ڈال دی،

چناں چہ واپسی میں چور نے گدڑی اُٹھالی اور چلتا بنا، گو یا ان کی طبیعت نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ چور بھی خالی ہاتھ میرے گھر سے جاوے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصے کو نقل کرنے کے بعد ایک رباعی لکھی ہے:

شنیدم کہ مردانِ راہِ خُدا	۞	دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام		کہ بادوستا نت خلاف ست و جنگ

ہم نے سُنا ہے کہ اللہ والے دشمنوں کا دِل بھی دُکھایا نہیں کرتے، اے مُخاطب! تجھے یہ مقام کیسے حاصل ہوسکتا ہے کہ تیری تو اپنے دوستوں کے ساتھ بھی لڑائی رہتی ہے۔

اپنے معاشرتی نظام پر نظرِ ثانی کرو

ہمارے تو ماں باپ ناراض ہیں، بھائی بہن ناراض ہیں، پڑوسی کی بات کرتے ہو؟ اور حضور ﷺ یوں فرماتے ہیں کہ جس کا پڑوسی اُس کی ایذا رسانیوں سے مطمئن نہ ہو، وہ اللہ کی قسم! مؤمن نہیں، وہ مؤمن نہیں، وہ مؤمن نہیں۔ ہمیں سوچنے کی ضرورت ہے، اپنے معاشرے کی طرف ذرا نظرِ ثانی کیجیے، ہم بہت ساری نادانیاں ایسی کرڈالتے ہیں، حالاں کہ آسانی کے ساتھ اس کی اصلاح ہوسکتی ہے۔

شریعت صرف نماز روزے کا نام نہیں

بہرحال! میں یہ عرض کررہا تھا کہ معاشرت یعنی زندگی گذارنے کے طریقے کے متعلق بڑی ہدایت ہے، یہ شریعت نے ہمیں ہدایت دی ہے۔ شریعت اور دین خالی نماز روزوں کا نام نہیں ہے، نماز روزہ اپنی جگہ پر اہمیت رکھتے ہیں، میں اس کی اہمیت

گھٹانا نہیں چاہتا لیکن ہم نے اپنے دل و دماغ میں جو چیز ڈال دی ہے کہ میں اگر پانچ وقت کی نماز پڑھ لوں، روزے رکھ لوں، زکوۃ ادا کرلوں تو میں یوں سمجھتا ہوں کہ میں اس دنیا کا سب سے بڑا بزرگ اور دین دار آدمی بن گیا، چاہے معاملات میرے خراب ہوں اور معاشرت میری بگڑی ہو تو میں اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ حالاں کہ معاشرت کا معاملہ بہت زیادہ اہم ہے، وہ تو بندوں کا حق ہے، بندوں کے حقوق سے تعلق رکھنے والی چیز ہے۔

اللہ بندوں کے حق معاف نہیں کرتے

اللہ کے حقوق کا معاملہ آسان ہے؛ اللہ کے حقوق کا معاملہ اس لیے آسان ہے کہ وہ تو اللہ کا حق ہے، اللہ چاہے معاف کردے۔ چناں چہ اگر آدمی کو توبہ کی توفیق نصیب ہو اور بعد میں راتوں کو رو رو کر اللہ کے سامنے گڑگڑانے لگا تو اللہ معاف کردے گا لیکن یہ لوگوں کو جو تکلیف پہنچائی۔ میں کہا کرتا ہوں کہ ''۱۰۰'' شبِ قدر ہمیں نصیب ہو جائیں اور مغرب سے لے کر فجر تک اللہ کے سامنے روتے رہیں اور یوں کہیں کہ: اے اللہ! تیرے فلاں بندے کو میں نے جو تکلیف پہنچائی ہے، وہ معاف کردے تو اللہ بھی کہیں گے کہ اس سے معاف کروالے، میں تو معاف نہیں کرتا۔ سیدھی سی بات ہے، اللہ بندوں کے حق معاف نہیں کرتے۔

انسان تو بن جاؤ

بہر حال! معاشرت کی بڑی اہمیت ہے، حضرت حکیم الامّت تھانوی نور اللہ مرقدہ

فرمایا کرتے تھے۔آپ کے یہاں اس پر بہت روک ٹوک ہوا کرتی تھی، بڑی پکڑ ہوتی تھی۔کہ: اگر مریدین میں سے کسی کے متعلق معلوم ہو جائے کہ جو معمولات اس کو بتائے گئے ہیں،ان معمولات کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے، پانچ تسبیح بتلائی ہیں،اس کے بجائے تین پڑھتا ہےتو خیر! مجھے اتنی تکلیف نہیں ہوتی کہ وہ اپنا نقصان کر رہا ہے لیکن اگر کسی کے متعلق معلوم ہو کہ وہ لوگوں کو تکلیف پہنچاتا ہے،معاملات میں گڑبڑ کرتا ہےتو اس سے نفرت ہوجاتی ہے، آدمی زاہد بننا چاہتا ہے، متّقی اور صوفی بننا چاہتا ہے۔ارے! متّقی اور صوفی اور زاہد بننا تو بہت بڑی بات ہے، ذرا مسلمان بلکہ انسان تو بن جاؤ، انسان تو بن جاؤ۔

جانوروں کی تین قسمیں

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں جانوروں کی تین قسمیں لکھی ہیں: ایک قسم جانوروں کی وہ ہے جو فائدہ ہی فائدہ پہنچاتی ہے، کبھی نقصان نہیں پہنچاتی: گائے، بھینس، اونٹ دودھ کے ذریعہ اور مختلف طریقوں سے ہمیں فائدہ پہنچاتے ہیں، نقصان بالکل نہیں پہنچاتے بلکہ آخر میں جب وہ بالکل کمزور ہو جاتے ہیں تو اُن کو قصائی کے حوالے کر دیا جاتا ہے جو اُسے کاٹتا ہے تو پھر اس کا گوشت بھی کام آتا ہے اور چمڑا وغیرہ بھی کام آتا ہے۔ مطلب یہ کہ مرتے وقت تک وہ فائدہ پہنچاتا ہے، فائدہ ہی فائدہ، نقصان کا سوال ہی نہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو نقصان پہنچاتی ہے۔ جیسے جنگل کے درندے سانپ، بچھو اور پھاڑ کھانے والے جانور اور تیسرے وہ ہیں جو فائدہ نہیں

پہنچاتے تو نقصان بھی نہیں پہنچاتے، جیسے لومڑی وغیرہ۔

امام غزالیؒ یہ قسمیں بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: مخاطب! اگر تو انسانیت سے نکل کر حیوانیت میں جانا چاہتا ہے، انسان بن کر رہنا نہیں چاہتا، جانور ہی بننا چاہتا ہے تو کم از کم جانور کی پہلی ہی قسم بن جا، جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے اور اگر وہ بھی نہیں تو تیسری قسم بن جا، جو فائدہ نہیں تو نقصان بھی نہیں پہنچاتی، دوسری قسم میں کیوں داخل ہونا چاہتا ہے!۔

ناحق تکلیف پہنچانے والوں کا مقام قرآن کے آئینے میں

واقعہ یہ ہے کہ کسی کو تکلیف پہنچانے سے بچنے کی بڑی تاکید ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَٱلَّذِينَ يُؤۡذُونَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ وَٱلۡمُؤۡمِنَٰتِ بِغَيۡرِ مَا ٱكۡتَسَبُواْ فَقَدِ ٱحۡتَمَلُواْ بُهۡتَٰنٗا وَإِثۡمٗا مُّبِينٗا ۝٥٨﴾ [الأحزاب]: وہ لوگ جو ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو ایذا اور تکلیف پہنچاتے ہیں، بِغَيۡرِ مَا ٱكۡتَسَبُواْ بغیر ان کے کسی جرم کے۔ جن کو تکلیف پہنچائی جارہی ہے، انھوں نے کوئی کام ایسا نہیں کیا، جس کی وجہ سے وہ تکلیف پہنچائے جانے کے حق دار بنتے ہوں۔

ایک تو یہ ہے کہ کسی نے کوئی ظلم کیا، سزا اس کو دی جارہی ہے تو الگ بات ہے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَقَدِ ٱحۡتَمَلُواْ بُهۡتَٰنٗا﴾: ایسا کرنے والے اپنے اوپر بہتان کا بوجھ اُٹھا رہے ہیں۔ اگر یہ تکلیف زبان سے پہنچائی ہے تو، اور اگر ہاتھ سے پہنچائی ہے تو ﴿وَإِثۡمٗا مُّبِينٗا﴾ کھلے ہوئے گناہ کا جرم اپنے سر لے رہا ہے۔

مسلمان سراپا امن وسلامتی کا پیکر ہوتا ہے

حضورﷺ فرماتے ہیں کہ:اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ [1] : مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذارسانیوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہے، اس کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔کوئی آدمی تکلیف پہنچاتا ہے تو کوئی اس کے کافر ہونے کا فتویٰ نہیں دے گا لیکن بہرحال! مسلمان کہلانے کا حق دار وہ کب کہلائے گا؟ حقیقی معنوں میں مسلمان کہلانے کا حق دار وہ ہے جس کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے؛اس لیے کہ مسلم لفظ ''سلامتی'' سے بنا ہے،س،ل،اورم کا مادّہ سلامتی کے لیے بولا جاتا ہے،آپ کی ذات سلامتی کا پیغام ہے؛اسی لیے تو جب ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان سے ملتا ہے تو شریعت نے کہا ہے کہ کہو: السلامُ علیکم ورحمۃ اللہِ وبرکاتہ۔

سلام کی مشروعیت کی حکمت

زمانۂ جاہلیت میں کیا ہوتا تھا،آپس میں جان،مال،آبرو،عزت ایک دوسرے کے خطرے میں ایسی رہتی تھیں کہ ایک آدمی کو دوسرا آدمی دیکھتا تھا تو یہ اس سے خطرہ محسوس کرتا تھا اور وہ اس سے،معلوم نہیں وہ کیا کر ڈالے گا۔اسلام نے کہا: سلام کرو، گویا جب تم کہو گے: السلامُ علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو اس کی سلامتی کی دُعا

---

[1] صحیح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما، كِتَابُ الإِيمَانِ، بَاب الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، ر:۱۰.

مانگ رہے ہو: اللہ کی طرف سے تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں ہوں اور اس کی برکتیں۔ تین تین دُعائیں دے رہے ہو تو اس آدمی کو اطمینان ہو جائے گا کہ جو آدمی میری سلامتی کی دعائیں مانگ رہا ہے، وہ خود مجھے کیا تکلیف پہنچائے گا؟، آپ جس کی سلامتی کے لیے دعائیں کرتے ہیں، اس کو تو تکلیف نہیں پہنچاتے۔ شریعت نے تکلیف سے بچانے کا کتنا اہتمام کیا۔ سلام کرنا ایک مسلمان کا حق قرار دیا۔

سونے والوں کے پاس زور سے سلام بھی نہ کریں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات میں لکھا ہے کہ رات کے وقت جب آپ مکان میں تشریف لاتے تو سلام کرتے تھے اور ایسی آواز سے سلام کرتے تھے کہ اگر کوئی سویا ہوا ہو تو اس کی نیند خراب نہ ہو اور کوئی بیدار ہو تو وہ سُن لے[۱]، دونوں چیزوں کا خیال رکھا۔ حالاں کہ آپ زور سے سلام کرتے اور کسی کی نیند کھل بھی جاتی تو وہ اپنے لیے سعادت سمجھتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلام! وہ تو ایک دعا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلام تو وہ ہے کہ اس کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کوشش کرتے تھے۔

دعائے نبوی کی حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک اہمیت

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک صحابی کے یہاں تشریف لے گئے۔ شریعت نے یہ مسئلہ بتلایا ہے کہ کسی کے گھر جائے تو اجازت طلب کرے اور اجازت طلب کرنے کے

---

① سنن الترمذی، عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الأَسْوَدِ رضی اللہ عنہ، أَبْوَابُ الاِسْتِئْذَانِ وَالآدَابِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، باب كَيْفَ السَّلَامُ، ر:۲۷۱۹.

لیے سلام کو بتلایا گیا: السلامُ علیکم۔ گھر کے دروازے کے کنارے کھڑے رہ کر زور سے سلام کرو کہ اندر آواز پہنچے۔ آج کل تو بیل (bell) نکلے ہیں، پہلے یہ تھا نہیں۔ اجازت کے لیے سلام ہوا کرتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان صحابی کو اس مقصد کے لیے سلام کیا کہ گھر میں آنے کی اجازت دیں۔ وہ گھر کے دروازے کے پیچھے ہی موجود تھے، لیکن انھوں نے سلام کا جواب بھی نہیں دیا اور اندر آنے کی اجازت بھی نہیں دی۔

گھنٹی سے اجازت طلب کرنے کا طریقہ

طریقہ یہ بتلایا کہ اگر آپ کسی کے گھر جائیں اور ملاقات کے لیے، کام کے لیے اس کے گھر بیل (گھنٹی) بجائیں تو بیل کے بجانے میں بھی ذرا سمجھ داری سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ مقصد تو یہ ہے کہ باہر کوئی کھڑا ہے، اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا ہے تو ذرا سا آپ دبائیں گے تو بھی مقصد حاصل ہو جائے گا۔ بعض کی عادت ہوتی ہے کہ انگوٹھا ایسا زور سے دبایا اور اندر ایسی خطرناک آواز آئی کہ چھوٹے بڑے چونک جاتے ہیں، یہ بھی تکلیف پہنچانا ہوا جو حرام اور ناجائز ہے۔

تیر کی نوک کو جھکا کر چل

ایک آدمی مسجدِ نبوی میں اپنے تیر (جیسے آج کل ہتھیار کے طور پر پستول وغیرہ استعمال ہوتے ہیں، اس طرح پہلے زمانے میں تیر کمان لٹکائے رہتے تھے) کا تھیلا یوں پکڑے ہوئے تھا کہ اس کی آگے کی نوکیں نکلی ہوئی تھیں، وہ لے کر جا رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہا کہ: اپنے تیروں کی نوکوں کو جُھکا کر چل، یہ سیدھی ہیں، کسی کو ڈر لگے گا۔

کوئی آدمی یوں لکڑی لے کر جاتا ہو تو سامنے والا ڈر محسوس کرتا ہے کہ مجھے لگ نہ جائے تو وہ کنارے پر ہو جاتا ہے تو ہمارے اس انداز سے اس کو ڈر لگا، یہ بھی تکلیف ہے، اس کی بھی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ آپ اس طرح نہ چلیں کہ اس کو ڈر لگے، آپ یوں جھکا کر چلتے تو اس کو ڈر محسوس نہ ہوتا۔

وقفے، وقفے سے گھنٹی بجائیں

تو اب بیل (گھنٹی) بجانے کا مقصد تو اطلاع کرنا ہے، آپ ایک مرتبہ آہستہ دبایئے اور انتظار کیجیے، اتنا انتظار ہونا چاہیے کہ وہ ضرورت پوری کر کے آسکے۔ مجھے خود بہت سی مرتبہ تجربہ ہوا ہے کہ میں اکیلا ہوں، گھر کے اندر بیت الخلاء میں داخل ہوا، چٹخنی لگائی، استنجاء کے لیے بیٹھا اور بیل بجا، اب بتاؤ! کیا کریں گے؟ ظاہر ہے کہ بیل بجانے والے کو تو معلوم نہیں ہے کہ میں کس حالت میں ہوں اور میں گھر کے اندر اکیلا ہوں۔ اب وہ حضرت! ان کو تو صبر و قرار ہی نہیں۔ دوسرا لگایا، تیسرا لگایا، چوتھا لگایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے سرکاری سمنس، گرفتاری کا وارنٹ لے کر میرے پاس آئے ہیں، ایسا انداز ہے لوگوں کا، پریشان کرتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ استنجاء شروع ہو چکا ہے، اب اس کی کیا کیفیت ہوگی؟ آپ بھی کبھی ایسی حالت سے گذرے ہوں گے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا خیال رکھتے تھے کہ ایک مرتبہ دیہات کے رہنے والے ایک صحابی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مسجدِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ اب مسجد کے کیا

آداب ہیں، وہ واقف نہیں تھے۔ پیشاب کا تقاضا ہوا۔ وہیں مسجد ہی میں پیشاب کرنے کے لیے بیٹھ گئے۔ اب صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو دیکھا تو ان کو روکنے کے لیے دوڑ پڑے۔ جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو کہا: لَا تُزْرِمُوهُ: اس کو پیشاب کرنے سے مت روکو، وہ شروع کر ہی چکا ہے، اب اگر وہ اُٹھے گا تو اور خراب کرے گا، باہر جائے گا تو پورا خراب کرے گا یا یہ کہ پیشاب بند ہوگی تو ان کو نقصان پہنچے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مت روکو، صحابہ کو روک دیا۔

وہ پیشاب کر چُکا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ڈول منگوایا، اس کو دھلوایا پھر اس آدمی کو بُلا کر کہا کہ: بھائی! یہ اللہ کا گھر ہے، اس کے اندر پیشاب نہیں کیا جاتا۔ محبت سے سمجھایا[1]۔ مسجد میں اس کو روکنے کی اجازت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں دی۔ اب یہاں بے چارے کو اس کے وارنٹ سے روک کر نکلنا پڑتا ہے۔

دھرنا دے کر نہ بیٹھیں

اس لیے ایک مرتبہ بیل بجا کر اتنی دیر انتظار کیجیے کہ اس کو موقع ملے کہ وہ کسی کام میں ہو تو وہ چھوڑ کر آپ کے پاس آئے۔ انتظار کرنے کے بعد بھی جواب نہ ملے تو واپس تشریف لے جایئے۔ بعض لوگ دھرنا دے کر بیٹھتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو، تین، چار، پانچ کسی طرح بھی ہو، گھر والا نکلے۔ گویا یوں کہنا چاہتا ہے: نکلو، ورنہ تمہاری

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، كِتَابُ الطَّهَارَةِ، بَابُ وُجُوبِ غُسْلِ الْبَوْلِ وَغَيْرِهِ مِنَ النَّجَاسَاتِ إِذَا حَصَلَتْ فِي الْمَسْجِدِ إلخ، ر:۲۸۵.

جان لے کر جاؤں گا، میں اپنے عمل سے یہ کہنا چاہتا ہوں۔

یہ کیا طریقہ ہے! شریعت اس کی اجازت دیتی ہے؟ بلکہ اگر وہ ایک مرتبہ بیل سننے کے بعد بھی تم سے یوں کہہ دیں کہ میں اس وقت آپ سے ملاقات نہیں کرسکتا، آپ واپس تشریف لے جائیں تو قرآن یوں کہتا ہے کہ تم واپس جاؤ۔ اسی میں تمہارے لیے پاکیزگی اور بھلائی ہے۔ آج کوئی اس کو کرنے والا ہے؟ میں اور آپ کسی کے گھر چلے جائیں: اپنے دوست کے گھر اور وہ دوست یوں کہہ دے کہ میں اِس وقت آپ سے مل نہیں سکتا، آپ واپس تشریف لے جائیں تو بھلے جائیں گے منہ بگاڑ کر؛ لیکن پھر کبھی ملیں گے اس سے؟ قرآن کے اس حکم پر عمل کے بعد ہمت ہے کرنے کی اس کو؟۔

بار بار دعائیں لیتا رہوں

میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کیا اور ان صحابی نے جواب نہیں دیا، چُپ رہے۔ تھوڑی دیر بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتظار کیا اور پھر آپ نے سلام کیا، پھر جواب نہیں ملا۔ تھوڑی دیر انتظار کیا اور پھر تیسرا سلام کیا اور پھر آپ واپس لوٹے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس لوٹنے لگے تو صحابی جلدی سے گھر کے باہر نکلے اور لپٹ گئے اور عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! میں تو گھر ہی میں موجود تھا اور آپ کے سلام کی آواز بھی سُن رہا تھا لیکن چوں کہ میں جانتا تھا کہ پہلی مرتبہ اگر سلام کا جواب دے کر اندر بُلا لوں گا تو آپ کے دوسرے اور تیسرے سلام کی نوبت نہیں آئے گی اور میرا یہ جی چاہتا تھا کہ آپ سے یہ دعائیں میں بار بار لیتا رہوں؛ اس لیے میں نے سلام کا جواب نہیں

دیا[1]۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلام تو وہ سلام تھا کہ لوگ اس کی تمنائیں کرتے تھے، اس کے باوجود آپ رات کو جب مکان میں تشریف لاتے تھے تو زور سے سلام نہیں کرتے تھے۔

کوئی زبردستی کا سودا ہے؟

آج تو ہمارے وہاں کیا ہے؟ یہاں معلوم نہیں، ہندوستان میں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ریڈیو بجا رہے ہیں، لوگ ٹیپ بجا رہے ہیں اور تقریر کی ٹیپ، کسی مولانا کی تقریر کا ٹیپ ریکارڈ ر بج رہا ہے، اب کوئی بے چارہ سو رہا ہے، سونے کا وقت ہے، کوئی بیمار ہے، اب کہنے کی کس کی ہمت ہے جو حضرت سے یوں کہہ دے کہ بند کرو۔ جائیں گے تو یوں کہیں گے کہ تقریر بھی تم سے نہیں سُنی جاتی۔ ارے یہ کوئی زبردستی کا سودا ہے؟ اور پھر یہ بھی کہیں گے کہ یہ کوئی نیکی کا کام ہو رہا ہے یا گناہ کا کام ہو رہا ہے؟ حالاں کہ سونے کے وقت میں تو شریعت نے قرآن شریف کی تلاوت سے بھی منع کیا ہے، سلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا آہستہ کرتے تھے، شریعت میں اتنی تاکید ہے۔

ایذا رسانی کے اندیشے کے وقت حجرِ اسود کو بوسہ دینے کی ممانعت

حجرِ اسود کو بوسہ دینا عبادت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب عمرہ کے لیے جاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے کہ: اے عمر! تم مضبوط اور لمبے تڑنگے آدمی ہو، دیکھنا! حجرِ اسود کے بوسے کی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کو تکلیف پہنچے، تم دور سے خالی اشارہ کر لینا، حالاں کہ حجرِ اسود کو یمین اللہ کہا گیا ہے: اللہ کا ہاتھ۔ جو آدمی بوسہ لیتا ہے، گویا اللہ سے مصافحہ کر رہا

[1] تفسیر القرطبی، ۱۲/ ۲۱۶، تحت قولہ تعالیٰ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا الآية.

ہے [۱] لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے لیے لوگوں کو تکلیف پہنچائے۔ آج کل تو کُشتی لڑی جاتی ہے۔ بہرحال! شریعت کی طرف سے یہ آداب ہمیں بتلائے گئے ہیں۔

معاشرت کا مطلب یہ ہے کہ ہماری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ معاشرت کے سلسلے میں آپ قرآن وحدیث کا مطالعہ کریں گے تو بے شمار احکام موجود ہیں، جزوی بھی ہیں اور کُلّی بھی۔

ایذا رسانی کی ایک صورت: کانا پھوسی

جزوی احکام بھی بہت سارے ہیں: حدیث میں آتا ہے، بخاری شریف میں روایت ہے کہ: تین آدمی اگر ہیں تو دو آدمی ایک کو الگ چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں [۲]۔ سرگوشی یعنی کانا پھونسی، چپکے سے بات کرنا۔ اب ہم تین ہیں، دو نے سرگوشی شروع کر دی، ان کو الگ بٹھا دیا تو وہ کیا سمجھے گا کہ معلوم نہیں یہ کیا باتیں کر رہے ہیں، میرے متعلق ہی باتیں کر رہے ہیں کیا؟ بدگمانی ہوگی تو ایک مؤمن کو تکلیف پہنچانے سے بچانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا۔ ہاں! اگر چار ہیں، پانچ ہیں تو پھر دو آدمی سرگوشی کر سکتے ہیں، اس کی اجازت ہے؛ لیکن تین ہونے کی صورت میں دو کو سرگوشی کرنے کی اجازت نہیں دی۔

---

۱ المستدرك على الصحيحين، عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما، أول كتاب المناسك، ر:١٦٧١.

۲ صحيح البخارى، عَنْ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنه، كِتَابُ الِاسْتِئْذَانِ، بَابٌ لاَ يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ الثَّالِثِ، ر: ٦٢٨٨.

راستے میں ٹھہرنے، پانی اور سایے کی جگہ قضائے حاجت کی ممانعت

حج کے موقع پر حدیث میں تاکید ہے، کتابوں میں بھی مسئلے لکھے ہیں کہ راستوں کے اندر مت ٹھہرو کہ اس کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف ہوگی [۱]۔ حدیث میں آتا ہے کہ سایے کی جگہ میں استنجاء مت کرو، اتَّقُوا اللاَّعِنَيْنِ: لعنت کرنے والی دو چیزوں سے بچو، سایہ کی جگہ اور پانی کے اندر استنجاء اور پیشاب کرنے سے منع کیا [۲]۔ سایے کی جگہ میں لوگ آ کر بیٹھتے ہیں، وہاں پیشاب، استنجاء کریں گے تو ان کو تکلیف ہوگی۔

شریعت معمولی سی ایذارسانی سے بھی روکتی ہے

آج کل تو لوگوں کو پارکنگ کا طریقہ بھی معلوم نہیں، آپ نے راستے میں کار پارک کر دی، تو یہ تو لوگوں کو تکلیف پہنچانا ہوا، ٹریفک چل رہا ہے اور آپ اپنی سواری لے کر کھڑے ہو گئے جس سے ٹریفک جام ہو رہا ہے تو یہ بھی لوگوں کو تکلیف پہنچانا ہے۔ شریعت کسی حال میں ان چیزوں کی اجازت نہیں دیتی، چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں۔ پڑوسی نے کوئی چیز بھیجی، برتن واپس ہی نہیں کر رہے ہیں۔

وقتِ مقررہ پر گھر نہ پہنچنا بیوی اور اہلِ خانہ کو ایذا پہنچانا ہے

ہم بیویوں کو تو کچھ سمجھتے ہی نہیں، گھر سے میاں صاحب نکلے، آپ کا جو وقت

---

۱ بدائع الصنائع ٤ /٤٩٢، فَصْلٌ: وَأَمَّا بَيَانُ سُنَنِ الْحَجِّ وَبَيَانُ التَّرْتِيبِ فِي أَفْعَالِهِ إلخ.

۲ سنن أبي داود، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، كِتَاب الطَّهَارَةِ، باب الْمَوَاضِعِ الَّتِي نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْبَوْلِ فِيهَا، ر:٢٥.

روزانہ آنے کا ہے، اگر اس کے بعد آنا چاہتے ہیں تو آپ کہہ کر جایئے یا پھر وقت سے پہلے فون کر دیجیے کہ میں آج مقررہ وقت پر نہیں آسکوں گا، ایک ضرورت کی وجہ سے فلاں جگہ جا رہا ہوں، اتنی دیر کے بعد آؤں گا؛ اس لیے کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ اگر مقررہ وقت پر نہیں پہنچے تو آپ کی بیوی آپ کا انتظار کرے گی، اس کو تکلیف پہنچے گی، معلوم نہیں کیا ہوا ہوگا؟ اس کا دِل ٹوٹ جائے گا، اُس کا چین اور سکون ختم ہو جائے گا تو یہ تکلیف پہنچی یا نہیں؟ یہ تکلیف کس کو پہنچائی؟ اُس ذات کو تکلیف پہنچائی جو تم کو ہر طرح کی راحت پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے۔

حیا کا آئینہ اور وفا کی جان ہے عورت

عورتیں کیا کرتی ہیں؟ ہمیں ہر طرح کی راحت پہنچانے کی کوشش کرتی ہیں اور انھیں کو ہم تکلیف پہنچائیں؟ کھانے کا انتظار وہ کر رہی ہے۔ ہمارے یہاں عورتیں شوہر کے بغیر کھاتی نہیں، پہلے میاں کھالے پھر بیویاں کھاتی ہیں۔ آپ نے تو اپنے دوستوں کے یہاں دعوتیں اُڑا لی، گھر والوں کو اطلاع نہیں کی، اب وہ بے چاری انتظار میں بیٹھی ہے، رات کو آپ بارہ بجے پہنچے، وہ کہے: کھانا نکالوں؟ تو آپ جواب میں کہیں گے کہ میں تو کھا کر آیا اور اس بے چاری نے تو ابھی تک آپ کے انتظار میں کھانا نہیں کھایا۔ اگر ایسا ہی کرنا تھا تو آپ پہلے سے اطلاع کر کے جاتے، فون کے ذریعہ سے اطلاع کر دیتے۔

بعض کہتے ہیں کہ ہماری تو بیوی نہیں، ارے بھائی! ماں باپ تو ہیں، وہ تو انتظار

کرتے ہیں۔ ماں باپ کو انتظار رہتا ہے کہ میرا بیٹا کہاں گیا؟ وقت پر نہیں پہنچا تو بتا دو، اجازت لے لو۔ یہ تکلیف پہنچانا ہوا۔ یہ سارے معاشرت کے طریقے ہیں جو اسلام نے ہمیں بتلائے ہیں۔ ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ لوگوں کو ایذائیں پہنچے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

وعدہ خلافی بھی ایذا رسانی کی خطرناک صورت ہے

ہم کوئی ایسی روش اختیار کریں کہ جس کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف ہو، اب لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں، آپ سے وعدہ کیا کہ میرے پیسے وہاں رُکے ہوئے ہیں، بینک بھی بند ہے، دوسری چھُٹی آ رہی ہے، منگل کو نکال کر دے دوں گا، سلیم بھائی! ذرا ایک ہزار ڈالر دے دو۔ میں نے ایک ہزار ڈالر لے لیے۔ اب منگل کا دن آیا، وہ تو انتظار کر رہا ہے کہ ایک ہزار لے کے جاؤں گا۔ میں تو ابھی منہ بھی نہیں دِکھا رہا ہوں، اس کا کہیں پتہ ہی نہیں۔ اب ایک دن صبر کیا، دوسرے دن پوچھا: کیا ہوا ایک ہزار ڈالر کا؟ وہ تو رہ گئے ہیں۔ اِن شاء اللہ میں ایک ہفتے میں اس کا انتظام کرتا ہوں اور پھر ہفتہ، مہینہ اور مہینہ کا سال اور پھر تو ایسا منہ بگاڑتے ہیں کہ جیسے یہ کوئی گنہگار ہو، کون؟ دینے والا! اس دینے والے کو مانگتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔

اور ہمارے یہاں ایک کہاوت ہے کہ سو کسی کے نکلتے تھے تو مانگتا تھا تو کہتا ہے کہ ’’سو کے ہوئے ساٹھ، آدھے گئے ناٹھ (بھاگ)، دس دیں گے، دس دِلائیں گے، دس کا لینا کیا اور دینا کیا۔‘‘ تو ختم ہو گیا تو ایسا معاملہ آج کل لوگوں کا ہے۔

دعا کروں کہ عمرہ قبول نہ ہو؟

ہمارے یہاں دارالافتاء میں ایک سوال آیا۔ آپ نے پڑھا ہی ہوگا، ماہنامہ بیانِ مصطفی میں ہے۔ کسی نے پوچھا کہ ایک آدمی میرے پاس آیا جو اپنے والدین کو عمرہ میں بھیجنا چاہتا تھا اور اتنے پیسے میرے پاس سے لے گیا اور کہا کہ اتنے دن کے بعد دے دوں گا۔ اب تک اس نے دیے نہیں اور اس نے یوں کہا کہ اس کے ماں باپ کا عمرہ قبول نہ ہو، میں ایسی دعا کروں؟ اب دیکھنا یہ ہے کہ ماں باپ کو عمرہ کرانا کون سا اہم فریضہ اور واجب کام تھا جس کے لیے آپ نے اس بے چارے کو مصیبت میں ڈالا؟ ویسے بھی قرض لینا شرعی ضرورت کے بغیر جائز نہیں۔

آج کل تو لوگ اس طرح کرتے ہیں اور جس کو وعدہ کیا گیا، اس بے چارے کو اتنی تکلیفیں پہنچاتے ہیں: آج نہیں، کل نہیں اور اس کے کام اس کی وجہ سے رُک رہے ہیں، وہ دوسروں کو وعدہ کرتا ہے، اس کی وجہ سے پریشان ہے۔ یہ بھی تکلیف کا ایک طریقہ ہے تو یہ ساری چیزیں ہمارے سماج میں گھر کر گئی ہیں، رشتہ داروں کے معاملات ہوتے ہیں، اس میں بھی اس طرح کی چیزیں پیش آتی ہے۔ بہر حال! اس طرح آپس میں یہ تکلیفیں پہنچانے سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے کہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ شریعت کی تعلیمات کا خلاصہ یہی ہے اور اپنے آپ کو اس کا پابند بنانا چاہیے۔

عبادت بے روح ہو جاتی ہے

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: مؤمن کو تکلیف پہنچانا حرام

ہے۔ ہمارے حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ بار بار سناتے تھے: بڑی سے بڑی عبادت کسی مؤمن کی ادنیٰ دِل آزاری کی وجہ سے بے روح ہوجاتی ہے، آپ کی اس عبادت کے نتیجے میں کسی مؤمن کو معمولی سی تکلیف پہنچے گی تو آپ کی اس عبادت کی جان نکل جائے گی۔ اگر آپ نفل نہیں پڑھیں گے تو کل قیامت کے دن یہ سوال نہیں ہوگا کہ آپ نے نفلیں کیوں نہیں پڑھیں؟ تسبیحات کیوں نہیں پڑھیں؟ اس لیے کہ نفل کام تھا، کروگے تو ثواب ملے گا اور نہیں کرو گے تو کوئی گناہ اور سزا ہونے والی نہیں ہے لیکن یہ (دوسروں کو تکلیف پہنچانا) حرام ہے اور اس پر اللہ کی طرف سے عذاب ہوگا، اس سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے۔

بہرحال! معاشرت کے اس پہلو کی طرف خصوصی توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ آج کل ہمارے یہاں اس کی طرف سے بڑی غفلت برتی جارہی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو عمل کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

پانچ کاموں پر ایمانِ کامل کا نبوی وعدہ

بہ مقام: آزادویل (ساؤتھ افریقہ)

بہ وقت: ۱۷/ ۱۲/ ۲۰۱۶ء

اقتباس

آج کل تو اس میں بھی شیطان نے ملاوٹیں اور دنیوی اغراض ملا دیں، بہت سے لوگ اللہ والوں کا قرب اس لیے حاصل کرتے ہیں کہ وہ یوں سمجھتے ہیں کہ لوگ سمجھیں گے کہ یہ فلاں بزرگ کا مقرب اور خاص ہے تو مجھے سماج اور سوسائٹی میں بڑا اونچا مقام حاصل ہوگا، بعض لوگ اسی لیے ان کے پاس کثرت سے آتے جاتے رہتے ہیں اور ان کے ساتھ اپنا ایسا تعلق ظاہر کرتے ہیں کہ جس سے یہ واضح ہو کہ یہ بزرگ بھی ان کو بہت زیادہ مانتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کی غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ ان بزرگوں کے پاس دنیا کے بڑے بڑے مال دار اور عہدے دار بھی آتے ہیں تو جب وہ مجھے اس بزرگ کے پاس دیکھیں گے تو مجھے ان کا قریبی سمجھیں گے اور میں اپنا کام ان سے آسانی سے نکلوا سکوں گا تو جو تعلق خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہونا چاہیے تھا، اب وہ بھی دنیا کے لیے ہو گیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمدللّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله إلىٰ كافّة الناس بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى اللّٰه بإذنه وسراجاً منيراً، صلّى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً. أما بعد:

فَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ، وَأَبْغَضَ لِلَّهِ، وَأَعْطَى لِلَّهِ، وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ.(۱)

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الجُهَنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: مَنْ أَعْطَى لِلَّهِ، وَمَنَعَ لِلَّهِ، وَأَحَبَّ لِلَّهِ، وَأَبْغَضَ لِلَّهِ، وَأَنْكَحَ لِلَّهِ، فَقَدْ اسْتَكْمَلَ إِيمَانَهُ(۲). أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

دین اسلام لوہے کو سونا بنانے والا پارس

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم ﷺ کے ذریعہ ہمیں جو شریعت مطہرہ عطا فرمائی،

(۱) سنن أبي داود، بَابُ الدَّلِيلِ عَلَى زِيَادَةِ الْإِيمَانِ وَنُقْصَانِهِ، ر:٤٦٨١.

(۲) سنن الترمذي، ر:٢٥٥١.

اس میں ہمارے طبعی تقاضوں کو بھی دین بنانے کا طریقہ بتلایا گیا ہے، گویا ایک پارس ہے جو لوہے کو بھی سونا بنادیا کرتا ہے، بس ضرورت ہے اس طریقے کو اختیار کرنے کی جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتلایا ہے۔

خلاصۂ حدیث

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْ أَعْطَى لِلَّهِ: کسی نے اگر کسی کو مال دیا، مال خرچ کیا تو اللہ تعالیٰ کے واسطے خرچ کیا، وَمَنَعَ لِلَّهِ،: اور اگر روک دیا، خرچ نہیں کیا تو بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے روکا، وَأَحَبَّ لِلَّهِ،: اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کسی کے ساتھ محبت کا معاملہ اور سلوک کیا، وَأَبْغَضَ لِلَّهِ،: اور کسی کے ساتھ دشمناوٹ اور عداوت کا معاملہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے لیے کیا، وَأَنْكَحَ لِلَّهِ،: نکاح وغیرہ کے سلسلے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے لیے قائم کیے، فَقَدْ اسْتَكْمَلَ إِيمَانَهُ: تو اس نے اپنے ایمان کو مکمل کرلیا۔

دین اور دنیا میں صرف زاویۂ نگاہ کا فرق

ایمان کو کامل اور مکمل بنانے کا یہ طریقہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا جس میں ہمیں اس بات کی ہدایت دی گئی ہے کہ ہم اپنے ان طبعی تقاضوں کو خواہشاتِ نفسانی کی بنیاد پر انجام دینے کے بہ جائے خالص اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی بنیاد پر انجام دینے والے بن جائیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ دین اور دنیا کے اندر فرق صرف زاویۂ نگاہ کا ہے کہ آدمی اپنے دیکھنے کا زاویہ اور اینگل بدل دے تو دنیا دین بن جاتی ہے:

کھانا دین اور صدقہ دنیا!!

ایک آدمی کھانا کھاتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے کھانے کی ضرورت پیدا فرمائی ہے، اب اس کھانے کو اپنی شہوت پورا کرنے کے لیے، اپنی خواہش پورا کرنے کے لیے کھا رہا ہے تو اس میں پھر کوئی ثواب نہیں ہے، اگرچہ گناہ بھی نہیں ہے لیکن ثواب نہیں ہے اور اگر کوئی آدمی کھانا اس لیے کھاتا ہے؛ تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کو پورا کرے، اس کے ذریعے سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرے تو پھر یہ کھانا کھانا بھی عبادت بن جائے گا، بجائے دنیا کے دین بن جائے گا۔ اپنے اس ارشاد میں نبیٔ کریم ﷺ نے یہی چیز ہمیں سکھلائی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: مَنْ أَعْطَى لِلَّهِ: جس نے کسی کو کوئی مال دیا، یا مال خرچ کیا تو اللہ تعالیٰ کے واسطے دیا اور خرچ کیا۔

مال مختلف طریقوں سے خرچ کیا جاتا ہے، بعض طریقے تو وہ ہیں کہ ہر آدمی جانتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، کوئی آدمی کسی غریب کی مدد کر رہا ہے، صدقہ اور خیرات کر رہا ہے تو صدقہ اور خیرات کے طور پر اگر یہ آدمی مال خرچ کرے گا تو یہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنے کے لیے ہے، بہ شرطے کہ دل میں ریا، نمائش اور شہرت کا جذبہ نہ ہو، یہ خیال نہ ہو کہ لوگ مجھے بڑا سخی کہیں گے، ورنہ اس صورت میں بھی یہ خیر، خیرات بہ جائے دین کے دنیا بن جائے گی۔

خرچ کے وہ مواقع جو سب کی نگاہوں میں عبادت ہیں

لیکن اگر وہ مال اس نیت سے خرچ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کروں، جیسا

کہ جو لوگ نیکی کے کاموں میں مال خرچ کرتے ہیں، ان کے دلوں میں عام طور پر یہی نیت ہوتی ہے، خیر، خیرات کے معاملے میں بد نیتی یعنی دکھلاوے اور شہرت کے لیے خرچ کرنے والے عام طور پر کم ہوتے ہیں۔

بہرحال! صدقہ اور خیرات خرچ کرنا، ایک ایسا طریقہ ہے جس کے متعلق ہر آدمی جانتا ہے کہ خرچ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خرچ کر رہا ہے۔

خرچ کے وہ مواقع جن کو آدمی عبادت نہیں سمجھتا

لیکن اس کے علاوہ اور بھی ایسے بہت سے مواقع ہیں جہاں آدمی اپنا مال کو خرچ کرتا ہے، پیسہ لگاتا ہے، جیسے اپنے کھانے پینے کے لیے بازار سے چیزیں خریدتا ہے، اپنی ضرورت کے لیے سالن، ترکاری، سبزی، گوشت خریدتا ہے، اپنے بال بچوں کی ضرورت کے لیے اور چیزیں خریدتا ہے، اسی طرح اور ضرورتوں کے لیے وہ مال خرچ کرتا ہے تو یہ جو ضرورتوں کے اندر خرچ کیا جا رہا ہے، اگر اس میں بھی آدمی اپنی نیتوں کو درست کر لے، اپنی نیت کے اندر یہ پہلو ملحوظ رکھے، یہ مدنظر رکھے کہ میں یہ اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کر رہا ہوں تو اس صورت میں اس کا یہ خرچ کرنا بھی صدقہ اور خیرات کا ثواب رکھتا ہے۔

صدقہ مال کے ساتھ خاص نہیں ہے

صدقہ کسی غریب کی مدد کرنے کے ساتھ یا کسی کو مالی اعتبار سے راحت پہنچانے کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ صدقے کا مفہوم بڑا وسیع ہے، چناں چہ نبیٔ کریم ﷺ کا

ارشاد ہے: كُلُّ سُلاَمَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ، كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ: ہر انسان جب روزانہ سلامتی کے ساتھ صبح کرتا ہے، اس کے اعضاء صحیح وسلامت ہیں تو اس کے ہر عضو کی سلامتی کے بدلے میں اس کے اوپر ضروری ہے کہ صدقہ کرے، وہ صدقہ کیا ہے؟ تو نبئ کریم ﷺ فرماتے ہیں: يَعْدِلُ بَيْنَ النَّاسِ صَدَقَةٌ کہ: دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا تھا، آپ ان کے جھگڑے کو شریعت کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق انصاف سے حل کر دیں، ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیں، یہ بھی صدقہ ہے [۱]۔

سواری پر سوار کرانے اور مال اٹھانے میں مدد کرنا بھی صدقہ ہے

ایک اور روایت میں ہے: يُعِينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ، يُحَامِلُهُ عَلَيْهَا، أَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ: کوئی آدمی اپنی سواری کے جانور پر سوار ہونا چاہتا ہے لیکن اپنی کمزوری کی وجہ سے، بڑھاپے کی وجہ سے سوار نہیں ہو پاتا، آپ اس کو سہارا دے کر اس کو اس کی سواری پر سوار کرا دیں، یہ بھی صدقہ ہے، کوئی آدمی اپنا سامان اٹھا کر اپنی سواری پر لادنا چاہتا ہے لیکن اس میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ اکیلا اس سامان کو اپنی سواری پر لاد سکے، آپ سہارا دے کر اس کے سامان کو سواری پر لادنے میں مدد کریں، یہ بھی صدقہ ہے۔

راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا بھی صدقہ ہے

وَيُمِيطُ الأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ: راستے میں کوئی تکلیف دینے والی چیز پڑی ہوئی ہے، آپ اس کو ہٹا دیں تو یہ بھی اپنے اندر صدقہ کا ثواب رکھتی ہے، حالاں کہ اس

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابُ فَضْلِ الإِصْلاَحِ بَيْنَ النَّاسِ إلخ، ر:۲۷۰۷.

میں کوئی مال خرچ نہیں کیا گیا[۱]۔

بلکہ حدیث پاک میں تو یہاں تک ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ: تمھارا اپنے بھائی کے ساتھ مسکرا کر پیش آنا، ہنستے چہرے سے اس کے ساتھ ملاقات کرنا، یہ بھی اپنے اندر صدقے کا ثواب رکھتا ہے[۲]۔

آپ جب اپنے مسلمان بھائی سے اس طریقے سے ملیں گے تو اس کا جی خوش ہو جائے گا اور اس کے جی کو خوش کرنا، اس کے دل میں خوشی ڈالنا، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بہت اونچا عمل ہے۔

کھانے کی چیز خریدتے وقت کیا نیت ہو؟

بہرحال! صدقہ اور خیرات کوئی مال خرچ کرنے کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ اس لیے اگر کوئی آدمی کھانے کی کوئی چیز خریدتا ہے اپنے لیے، اپنے بیوی بچوں کے لیے، اپنے ملازمین کے لیے اور اس میں اس کی نیت یہ ہے کہ میرے جسم کا بھی میرے اوپر حق ہے، میں اس چیز کو خرید کر، اپنے جسم کی ضرورت پوری کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم بجالا رہا ہوں تو یہ بھی اس کے لیے صدقے کا ثواب رکھتا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے مکان پر

بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور ایک اور صحابی

---

(۱) صحيح البخارى، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابُ مَنْ أَخَذَ بِالرِّكَابِ وَنَحْوِهِ، ر:۲۹۸۹.

(۲) سنن الترمذى، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابُ مَا جَاءَ فِي صَنَائِعِ الْمَعْرُوفِ، ر: ۱۹۵۶.

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے درمیان نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مواخات، رشتۂ اخوت، بھائی چارگی کا رشتہ کرایا تھا، ان کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا تھا، یہ دونوں اس بھائی چارگی کا لحاظ کرتے ہوئے موقع بہ موقع ایک دوسرے کی ملاقات کے لیے جایا کرتے تھے، یہ واقعہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں پیش آیا ہے۔

ایک دن حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اپنے بھائی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی خبر گیری کے لیے، ملاقات کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے، دیکھا کہ ان کی بیوی امِ درداء رضی اللہ عنہ میلے کچیلے کپڑوں میں ہیں اور ابودرداء رضی اللہ عنہ گھر پر نہیں ہیں تو انھوں نے حضرت امِ درداء رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا بات ہے، میرا بھائی ابوالدرداء گھر پر نہیں ہے؟ اور میں تجھے میلے کچیلے کپڑوں کے اندر دیکھ رہا ہوں؟۔

اپنے جمال کا خیال نہ رکھنے والی بعض پھوہڑ عورتیں

چوں کہ شوہر کی موجودگی میں شریعت عورت کو یہ حکم دیتی ہے کہ وہ اچھے کپڑوں، اچھی ہیئت میں بناؤ سنگھار کے ساتھ رہے؛ تاکہ اس کو دیکھ کر شوہر کا جی خوش ہوجائے، اس کا جو حق ہے، وہ ادا ہو، بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اس کے پاس عمدہ عمدہ کپڑے ہیں، سب کچھ ہے، شوہر چاہتا ہے کہ وہ پہنے؛ تاکہ اس کو دیکھ کر ہمارا دل خوش ہو لیکن وہ پہننے کے لیے تیار نہیں، دوسروں کو دکھانے کے لیے شادی وغیرہ کے مواقع پر پہنے گی۔

ڈھکے چھپے لفظوں میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی شکایت

بہرحال! ان کو جب اس حال میں دیکھا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے پوچھا

کہ کیا ہمارے بھائی گھر پر نہیں ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: بھائی! یہ جو ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ہیں، ان کو دنیا سے کوئی لگاؤ نہیں ہے، بیوی سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ تو دن بھر روزہ رکھتے ہیں، رات بھر عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور جس انداز میں انھوں نے یہ بات کہی تھی، اس کا حاصل یہ تھا کہ میں اگر بناؤ سنگھار کروں بھی تو اس کا کیا فائدہ؟ ان کو تو اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، مقصد تو شوہر کو خوش کرنا ہے اور ان کو اس چیز سے دل چسپی ہی نہیں ہے تو بناؤ سنگھار کر کے میں کیا کروں گی؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہیں۔

مہمان کی آمد پر اس کے لیے مستقل کھانے کا انتظام کرنا

کچھ دیر کے بعد حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ تشریف لائے، دیکھا کہ ہمارے بھائی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ آئے ہوئے ہیں، تو بڑی محبت سے پر تپاک انداز میں ملے اور کہنے لگے کہ اوہو! بھائی صاحب آئے ہیں، ان کے لیے کھانا تیار کرو، چناں چہ ان کے لیے کھانا تیار کرایا اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو کھانے کے لیے بٹھایا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کی کتاب الاطعمہ میں مہمان کے لیے مستقل کھانا تیار کروانے کے سلسلے میں ایک باب قائم کیا ہے، اس کے اندر یہ روایت پیش کر کے مہمان کے لیے مستقل کھانا پکوانے کا جواز اس واقعے سے ثابت کیا ہے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس کی توضیح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ شوہر کا اگر روزہ ہو تو عورت کچھ پکاتی وکاتی نہیں ہے، چولہا ہی نہیں جلاتی کہ خاص طور پر جس کو پکا کر کھلانا

ہے، اس کا تو روزہ ہے، اپنے لیے کیا پکاؤں گی؟، اس لیے جو کچھ باسی بچا کھچا ہوتا ہے، اس پر گزارہ کر لیتی ہے لیکن یہاں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی آمد پر کھانا پکایا گیا، گویا مہمان کے اعزاز کے لیے مستقل اہتمام کیا جا سکتا ہے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے واقعے اور ترجمۃ الباب کے اندر یہی وجہ مناسبت بیان فرمائی ہے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا کھانے میں شرکت کرنے پر اصرار

خیر! کھانا جب تیار ہو گیا اور دستر خوان پر رکھا گیا تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: تشریف لائیے اور کھانا کھائیے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم بھی آ جاؤ اور کھانا کھاؤ، انھوں نے فرمایا کہ: میرا تو روزہ ہے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرمایا: تمہارے بغیر میں کھانا نہیں کھاؤں گا، تم کو بھی میرے ساتھ کھانے میں شریک ہونا ہے۔ چناں چہ جب انھوں نے یہ کہہ ہی دیا کہ آپ کے بغیر میں کھانا نہیں کھاؤں گا تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے روزہ توڑ دیا اور خود بھی کھانے میں شریک ہو گئے۔

نفل روزہ مہمان کی دل داری کے لیے توڑا جا سکتا ہے

نفل روزہ مہمان کی دل داری کے لیے توڑا جا سکتا ہے، مہمان اگر اصرار کرے کہ آپ کے بغیر میں نہیں کھاؤں گا تو اس صورت میں اس کی دل جوئی کے لیے میزبان روزہ توڑ سکتا ہے، شریعت نے اس کی اجازت دی ہے، بعد میں اس کی قضا کر لی جائے، اَلضِّیَافَۃُ عُذْرٌ لِلضَّیْفِ وَالْمُضِیفِ، دونوں کے لیے عذر ہے، ہمارے یہاں نور الایضاح پڑھائی جاتی ہے، ہمارے نور الایضاح پڑھنے والے طلبہ جانتے ہیں کہ

اس کے اندر یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ میزبان کے لیے بھی عذر ہے، اگر مہمان اس کے بغیر کھانے کے لیے تیار نہ ہو اور مہمان کے لیے بھی عذر ہے، مہمان کے لیے عذر کا مطلب یہ ہے کہ آپ کسی کے یہاں مہمان گئے اور آپ نے بتایا نہیں تھا کہ میرا روزہ ہے، اس لیے میزبان نے کھانا تیار کیا، پیش کیا، اب آپ کہنے لگیں کہ میرا تو روزہ ہے تو میزبان اس کو مجبور کر سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ میں نے اتنی ساری تکلیفیں اٹھائیں اور یہ کھانا پکوایا اور تم روزے کی بات کرتے ہو، ہم تم کو چھوڑیں گے نہیں؛ اس لیے کھاؤ تو کھانا پڑے گا! بعد میں قضا کر لینا۔

یا یہ ہے کہ میزبان نے کھانا تیار کر کے پیش کیا اور مہمان نے کہا کہ تم بھی ساتھ میں آجاؤ اور میزبان کہتا ہے کہ میرا روزہ ہے، اس پر مہمان کہے کہ تم کھاؤ گے تو ہی میں کھاؤں گا تو میزبان کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ مہمان کی دل داری کے لیے روزہ توڑ دے، بعد میں قضا کر لے گا، یہ نفل کا مسئلہ ہے، فرض کا نہیں ہے۔ بہر حال! یہ دونوں کے لیے عذر ہے[۱]۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اصرار کر کے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو بٹھایا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کھانا کھالیا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا نصیحت کرنا

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ رات کو وہیں قیام کرنا چاہتے ہیں تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

---

۱ نور الإیضاح، ص ۱۱۲

نے ان کے لیے بستر تیار کیا اور کہا کہ: آپ تشریف لائیے اور لیٹ جائیے، آرام کیجیے۔ پوچھا: آپ؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ: میں تو نماز پڑھوں گا، آپ سو جائیے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: تم بھی لیٹ جاؤ، ابھی نماز نہیں پڑھنی ہے۔ ان کو بھی ان کے نہ چاہتے ہوئے سلایا، رات کا ایک تہائی حصہ گذرنے کے بعد حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اٹھنا چاہا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے دوبارہ لٹا دیا کہ ابھی نہیں، ابھی کچھ دیر اور سوؤ۔

اس کے بعد جب رات کا ایک تہائی حصہ باقی رہ گیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ خود بھی اٹھے اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی فرمایا کہ: اب اٹھو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ دونوں اٹھ کر کے اللہ کی عبادت میں مشغول ہوئے اور تہجد کی نماز ادا کی۔

صبح کو جاتے ہوئے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی: إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ کہ: تمھارے پروردگار کا بھی تم پر حق ہے، یہ روزے رکھنا، عبادتیں کرنا اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کرنے کے لیے ہی کیا جاتا ہے، آدمی کس کے لیے نماز پڑھتا ہے، کس کے لیے روزہ رکھتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنے کے لیے!، اور تمہاری ذات کا بھی تم پر حق ہے، ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حق کی ادائیگی میں تم اپنے آپ کو مار ڈالو، اپنے آپ پر ظلم کرنے لگو، نہیں! اپنا بھی خیال رکھنا ہے، وَلأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: اور تمہارے گھر والوں کا بھی تم پر حق ہے، ہر ایک کا حق ادا کرو، ایک کے حق کی ادائیگی میں اتنا زیادہ آگے بڑھ جانا، مبالغے سے کام لینا کہ دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہو، یہ طریقہ شرعاً درست نہیں ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ یہ وصیت کی اور رخصت ہو گئے۔

سلمان نے بالکل ٹھیک بات کہی

یہ واقعہ نبیٔ کریم ﷺ کی حیات میں پیش آیا تھا اور چوں کہ یہ بات حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنے طور پر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کہی تھی، بعد میں جا کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے سارا واقعہ حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پیش کیا کہ آج تو ایسا ایسا ہوا، اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: صَدَقَ سَلْمَانُ[۱]: سلمان نے بالکل ٹھیک بات کہی، گویا نبیٔ کریم ﷺ نے مہرِ تصدیق اس کے اوپر لگا دی، ان کی بات کی تائید فرمائی۔

فرائض کی ادائیگی کے بہ قدر کھانا اور سونا واجب ہے

میں تو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ اپنے جسم کے حق کے لیے کھانا کھانا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اپنے جسم کے حق کو ادا کرنے کے لیے اتنا سونا کہ جس کی وجہ سے آدمی کی صحت برقرار رہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، بلکہ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اتنا کھانا کہ جس کی مدد سے آدمی فرائض کو ادا کر سکے، یہ واجب اور ضروری ہے، اگر اتنا نہ کھائے اور اس کی وجہ سے ضعف اور کمزوری آ جائے کہ جو فرائض ہیں وہ کبھی ادا نہیں کر پاتا تو وہ گنہگار ہے، یہ مسئلہ فقہ کی کتابوں میں بھی لکھا ہے[۲]۔

---

(۱) صحيح البخارى، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، بَابُ مَنْ أَقْسَمَ عَلَى أَخِيهِ لِيُفْطِرَ فِي التَّطَوُّعِ إلخ، ر:۱۹۶۸.

(۲) تحفة الملوك لأبى بكر الرازى، ص۲۷۱

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے زہد وریاضت کا واقعہ

یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، ان کے والد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے اس بیٹے کا نکاح کرایا اور نکاح کے چند دنوں کے بعد اپنے بیٹے کی بیوی یعنی اپنی بہو کے پاس جا کر کے اپنے بیٹے کا حال پوچھا: کیا حال چال ہے؟ عبداللہ کیسے آدمی ہیں؟ تو بہو نے بتلایا کہ عبداللہ، وہ تو ماشاء اللہ! بہت اچھے آدمی ہیں، ان کو دنیا سے کوئی دل چسپی ہی نہیں ہے، وہ تو دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ بہو نے جو کہنا تھا، وہ ان ہی الفاظ میں کہہ دیا، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ کیا معاملہ ہے اور یہ کیا کہنا چاہتی ہیں؛ لیکن سمجھے کہ کچھ دنوں کے بعد معاملہ ٹھیک ہو جائے گا، کچھ دنوں کے بعد پھر سے پوچھا، پھر یہی جواب ملا۔

اپنی شادی شدہ اولاد کی نگرانی

اس سے یہ معلوم ہوا کہ باپ جب بیٹے کا نکاح کرائے تو اس کو چاہیے کہ حالات کا جائزہ لیتا رہے کہ بیٹا اپنی بیوی کا حق ادا کر رہا ہے یا نہیں؟ کہیں بیوی کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی تو نہیں کر رہا ہے؟، اس کی بھی جستجو اور خیال رکھے، اگر اس میں کوتاہی ہوتی ہو تو باپ کی طرف سے اس کو ادا کروانے کی کوشش ہونی چاہیے، یہ نہیں کہ نکاح کرا دیا، اب وہ جانیں اور اس کا کام، نہیں! یہ بھی باپ کی ذمہ داری ہے۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کی شکایت لے کر خدمتِ نبوی میں

دیکھیے! یہاں جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ ان کے بیٹے سے حقوق کی ادائیگی میں مسلسل کوتاہی صادر ہورہی ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا کر شکایت کی، آپ کے سامنے سارا حال بیان کیا کہ میں نے ایک شریف گھرانے کی لڑکی سے ان کا نکاح کرایا لیکن ان پر تو عبادت کا ایسا غلبہ ہے کہ دن بھر روزہ رکھتے ہیں، رات بھر اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، بیوی کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے۔ مقصد یہ تھا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو بلا کر سمجھائیں۔

اولاد کو بڑوں کے ذریعہ بعض باتوں کی فہمائش

بعض مسائل اور باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے بارے میں باپ بہ راہِ راست اپنے بیٹے سے گفتگو کرنے سے کتراتا ہے اور بڑوں کو بیچ میں ڈالا جاتا ہے اور وہ اس مسئلے میں سمجھاتے ہیں، یہ معاملہ بھی ایسا ہی تھا کہ اس سلسلے میں خود کچھ کہنے کے بہ جائے بڑوں کے ذریعہ ان کو سمجھایا جائے۔ چناں چہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حقیقتِ حال آئی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس خود تشریف لے گئے اور وہاں جب پہنچے تو انھوں نے باقاعدہ تکیہ پیش کیا، تکیے کے اس مسئلے کو ثابت کرنے ہی کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل باب قائم کیا ہے اور اس کے تحت یہ روایت لائے ہیں۔

حضور ﷺ کا پیغام امت کے نام

بہرحال! حضور ﷺ نے وہ تکیہ نہیں لیا بلکہ تکیہ درمیان میں رکھ کر بیٹھے، ان سے حال پوچھا اور گفتگو کرتے ہوئے دریافت فرمایا کہ تمھاری شکایت پہنچی ہے: أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُومُ النَّهَارَ وَتَقُومُ اللَّيْلَ: اے عبداللہ! مجھے یہ بات بتلائی گئی ہے کہ تم دن بھر روزہ رکھتے ہو اور رات بھر اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہو، کیا یہ بات صحیح ہے؟ قُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ہی کی سند سے یہ روایت بخاری شریف کے اندر موجود ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ہاں! اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں، بالکل! جو بات آپ تک پہنچی ہے، وہ درست ہے، تو نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں فرمایا: فَلاَ تَفْعَلْ، صُمْ وَأَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ، فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: نبیٔ کریم ﷺ نے یہ چار الفاظ ارشاد فرمائے کہ ایسا مت کرو، روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، مہینے کے کچھ دنوں میں روزہ رکھو، کچھ دنوں میں افطار کرو، اور رات کے کچھ حصے میں آرام بھی کرو اور کچھ حصے میں اللہ کی عبادت کے اندر مشغول بھی رہو، پوری رات عبادت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اِن سب کا بھی تم پر حق ہے

اور پھر نبی ﷺ فرمایا: فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: بے شک تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، یہ جسم جو ہے، اللہ نے کام کرنے کے لیے دیا، اس کو ہم تھکاتے ہی رہیں،

تھکاتے ہی رہیں تو پھر وہ کام کرنا چھوڑ دے گا، جیسے مشین کو اگر آپ سروس نہ کریں تو وہ کام کرنا چھوڑ دے گا، یہی حال تمہارے جسم کا ہے، اس کا بھی تم پر حق ہے۔

اور آگے ارشاد فرمایا: وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: تمہاری آنکھوں کا، ان کے آرام کا بھی حق ہے، ظاہر ہے کہ رات رات بھر بیدار رہو گے تو آنکھیں گہرائی میں چلی جائیں گی اور آنکھیں ضائع اور برباد ہو جائیں گی۔

اور وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے، اور وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا: تمہاری ملاقات کے لیے آنے والوں کا بھی تم پر حق ہے، اس کو بھی اعتدال کے ساتھ ادا کرنا چاہیے[1]۔

مہمانوں کے لیے اعتدال کے ساتھ وقت فارغ کرے

یہ بھی نہیں، جیسے اس زمانے کا حال ہو گیا ہے کہ کام کرنے ہی نہیں دیتے، ۲۴ر گھنٹے آکر اڈہ جمانے کی کوشش کرتے ہیں، ایسا بھی نہ ہو، البتہ ایک وقت مقرر کر لیا جائے، جس کو ملاقات کرنی ہو، اس وقت آجایا کرے۔

بہر حال! یہاں نبیٔ کریم ﷺ نے ان کو بتلایا: فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا کہ: تمھارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔

ہم اپنے جسم کے مالک نہیں ہیں

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ

① صحيح البخاري، باب حق الجسم في الصوم، ر:۱۹۷۵.

نے ہمیں یہ جسم عطا فرمایا ہے، ہم اس کے مالک نہیں ہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مشین ہے، ہمیں عاریت کے طور پر استعمال کے لیے دی گئی ہے، اس کو سنبھال سنبھال کر کے استعمال کرنا ہے اور یہ مشین صحیح طرح کام کرتی رہے، اس کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے، ان کو اپنانا بھی ضروری ہے، جیسے مشین کے اندر تیل ڈالا جاتا ہے، اس کی اووَرہولنگ (overhauling) کی جاتی ہے، اسی طرح اپنے جسم کا بھی آپ کو خیال کرنا ہے: اس کو کھلانا ہے، پلانا ہے، آرام دینا ہے، یہ سب ضروری ہے، تبھی اس کا حق ادا ہوگا۔

اور اگر خدانخواستہ ہم نے اس سلسلے میں کوتاہی کی تو ہم اس کے مالک نہیں ہیں تو اس طرح اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں گرفت ہوگی۔ چناں چہ فقہاء نے بھی یہ مسئلہ لکھا ہے کہ کسی کے پاس کھانا موجود ہو اور اس کے باوجود کھانا نہ کھائے، بھوکا رہے اور اس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوجائے تو یوں سمجھا جائے گا کہ یہ حرام موت مرا، یہ کوئی نیکی اور سعادت کی موت نہیں ہے۔

بلکہ جس صورت میں بھوک سے مرنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں تو شریعت نے ان چیزوں کو بھی کھا کر اپنی جان بچانے کی اجازت دی ہے، جن چیزوں کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے، واجب نہیں قرار دیا ہے، اجازت دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حق سمجھ کر جسم کی ضروریات کا خیال رکھنا

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم پر ہمارے جسموں کا بھی حق رکھا

ہے تو اگر آدمی کھانے پینے کی چیزیں اپنے جسم کا حق ادا کرنے کے لیے خریدتا ہے، اپنے جسم کا حق ادا کرنے کے لیے سوتا ہے، اس لیے سوتا ہے کہ یہ جسم اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے، میں اس کو آرام پہنچاتا ہوں؛ تاکہ پھر میں اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکوں تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر اور ثواب کا کام ہے۔

ایک دوسرے سے ملاقات کرتے رہنا

بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے، جہاں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجنے کا تذکرہ ہے تو وہاں ہے کہ جس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یمن کے دو الگ الگ علاقوں کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان کو کچھ نصیحتیں فرمائی تھیں اور ان نصیحتوں کے بعد یہ بھی تاکید کی تھی کہ آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے رہنا۔

چناں چہ ان میں سے ہر ایک موقع بہ موقع جب اپنے علاقے کی وِزِٹ پر نکلتا تھا اور دوسرے کی قیام گاہ قریب ہوتی تھی تو ان کی ملاقات کرلیا کرتا تھا، ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اپنے علاقے کے دورے پر نکلے اور حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ کی قیام گاہ جب قریب آئی تو ان کی ملاقات کے لیے پہنچ گئے، علیک سلیک ہوئی، اور اسی درمیان ایک آدمی گرفتار کر کے لایا گیا تھا، اس کے متعلق بھی بات چیت ہوئی، اس موقع پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے ابوموسیٰ! تم دن رات میں کتنی مقدار قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہو؟ پڑھنے کا کیا انداز ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: أَتَفَوَّقُهُ تَفَوُّقًا کہ: میری قرآنِ پاک کو "۲۴" گھنٹوں میں پڑھنے کی

جو مقدار ہے اس کو مختلف اوقات میں پڑھ لیتا ہوں۔

اسلاف کے دور میں قاری کا مفہوم یہ تھا

یہ دونوں قرائے صحابہ میں سے ہیں، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی قاری تھے اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ بھی قاری تھے، اس زمانے میں جتنے بھی حفاظ ہوتے تھے، ان کو قاری کہا جاتا تھا۔ آج کل تو جو قاری ہوتے ہیں، ان میں بہت سے حافظ بھی نہیں ہوتے، ایسے قاریوں کو میں کہتا رہتا ہوں کہ: بھائی! حافظ بھی بن جاؤ؛ کیوں کہ قرنِ اول میں قاری کے اطلاق کے لیے حافظ ہونا ضروری تھا۔

تلاوتِ قرآن کے معاملے میں قرائے صحابہ کا معمول

قرائے صحابہ کا عام معمول یہ تھا کہ روزانہ ایک منزل کی قرأت کرتے تھے تو حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کا معمول بھی ایک منزل کا تھا، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ تم جو روزانہ ایک منزل کی قرأت کرتے ہو، وہ کس انداز سے کرتے ہو تو حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں ایک منزل روزانہ مختلف اوقات میں، مختلف احوال میں: چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے پڑھ لیا کرتا ہوں۔

أَتَفَوَّقُهُ تَفَوُّقًا کی تحقیق

أَتَفَوَّقُهُ تَفَوُّقًا: یہ فوق سے ہے اور فوق فواقِ ناقہ سے ہے، جیسے حدیث میں آتا ہے: الْعِيَادَةُ فُوَاقُ نَاقَةٍ[1]: کوئی آدمی کسی بیمار کی خیر خیریت کے لیے جائے تو اتنی دیر بیٹھے۔

---

(۱) شعب الإيمان، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَصْلٌ فِي آدَابِ الْعِيَادَةِ.

فواقِ ناقہ کس کو کہتے ہیں؟ اونٹنی کو جب دوہتے ہیں تو دیکھا ہوگا کہ اس کا جو تھن ہوتا ہے، جو ٹوٹی ہوتی ہے، دوہنے والا جب اس کو دباتا ہے تو اندر کا دودھ نکلتا ہے پھر چھوڑ دیتا ہے، پھر جب اوپر سے دوسرا دودھ آئے گا پھر دبائے گا۔ اگر پکڑے رکھے گا تو پھر آگے دودھ آنے والا نہیں ہے تو وہ جو تھوڑی دیر کے لیے چھوڑا اور دوسرا دودھ آیا، اسی کو عربی میں ''فواقِ ناقہ'' کہتے ہیں تو عیادت والی اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ کسی کی عیادت کے لیے جاؤ تو بس تھوڑی دیر بیٹھو۔

میں اپنی نیند کو عبادت کی طرح ثواب کا باعث سمجھتا ہوں

تو حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تھوڑا تھوڑا کر کے ۲۴؍ گھنٹے میں پورا کرتا ہوں۔

پھر حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تم کس طرح پڑھتے ہو؟ تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: أَنَامُ أَوَّلَ اللَّيْلِ فَأَقُومُ وَقَدْ قَضَيْتُ جُزْئِي مِنَ النَّوْمِ فَأَقْرَأُ مَا كَتَبَ اللَّهُ لِي: میں تو ''رات'' کے ابتدائی حصے میں آرام کرتا ہوں، سوتا ہوں، کچھ رات گذرنے کے بعد اٹھ جاتا ہوں اور پھر اپنی نماز میں قرآن کی اس مقدار کو پورا کرتا ہوں، اس میں اخیر کے اندر ایک عجیب وغریب جملہ انھوں نے ارشاد فرمایا جو بخاری شریف کے اندر ہے: فَأَحْتَسِبُ نَوْمَتِي كَمَا أَحْتَسِبُ قَوْمَتِي[۱]: میں اپنے نیند میں بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے ثواب اور اجر کی اسی طرح امید رکھتا ہوں

(۱) صحیح بخاری، باب بَعْثِ أَبِي مُوسَى وَمُعَاذٍ رضی اللہ عنہما إِلَى الْيَمَنِ قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، ر:۷۳۴۱.

جس طرح کہ نماز کے اندر ثواب کی امید رکھتا ہوں۔

اخلاص اور احتساب کا مطلب

شریعت نے ہمیں مکلف بنایا ہے کہ ہم اپنے اعمال کے اندر دو باتوں کا اہتمام کریں: اخلاص اور احتساب، اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ وہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کیا جائے اور احتساب کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اس عمل کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے لینا ہے، اس خیال کے ساتھ وہ عمل کیا جائے۔

احتساب سے متعلق ایک سبق آموز واقعہ

جملہ معترضہ کے طور پر ایک بات عرض کرتا ہوں، ابھی ملاوی کے سفر سے میں آرہا ہوں، وہاں مولانا ایوب صاحب ہیں جو بہت اچھا کام کررہے ہیں، گذشتہ سال جانا ہوا تھا تو مسجد کی بنیاد ڈلوائی تھی، وہ مسجد تیار ہوگئی تھی، وہ مسجد دکھلانے کے لیے لے گئے تھے، ایک جگہ سے گذرے، وہاں کے لوگوں نے بھی مطالبہ کیا تھا، وہاں مدرسے کی بنیاد رکھوانا چاہتے تھے تو وہاں گئے تھے، اگلے سال گئے تھے، تب بھی اور اس سال بھی گئے تھے، اس پر بڑا خوشی کا ماحول تھا، عورتیں بھی مارے خوشی کے جمگھٹے کی شکل میں گا رہی تھیں۔

ابھی جب ہم وہاں گئے تھے تو عورتیں اپنی زبان میں کچھ کہہ رہی تھیں، مولانا ایوب صاحب نے مجھے بتلایا کہ یہ عورتیں اپنی زبان میں گاتے ہوئے یہ کہہ رہی ہیں کہ: چلتے رہو، رکومت، اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھو، جنت تک پہنچ جاؤ گے، مجھے تو

یہ سن کر آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ دیہات کی یہ عورتیں کہہ رہی ہیں کہ ثواب کی امید رکھو، میں نے کہا کہ ہمیں اسی کی تعلیم دی گئی ہے کہ ہم ہر عمل میں اللہ تعالیٰ ہی سے بدلے کی امید رکھیں، آج یہ چیز ہمارے اندر سے نکل چکی ہے۔

ہمارے اکابر کے یہاں جو مجاہدے اور ریاضتیں کروائی جاتی تھیں، مقصد یہی تھا کہ اعمال کے اندر اخلاص اور احتساب کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ دیکھو! یہ دیہات کی عورتیں ان پڑھ ہیں لیکن وہ کس انداز سے بات کر رہی ہیں!۔

عبادت کے علاوہ کاموں میں مسلمانوں کا عام مزاج

بہر حال! حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا: فَأَحْتَسِبُ نَوْمَتِي كَمَا أَحْتَسِبُ قَوْمَتِي، یعنی عام مسلمانوں کا اور ہمارا عام مزاج یہ ہے کہ جب ہم کوئی عبادت ادا کر رہے ہوتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں تو دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اس عبادت پر اللہ تعالیٰ مجھے اجر اور ثواب عطا فرمائیں گے، عام طور پر آدمی عبادت والا عمل اللہ تعالیٰ سے ثواب لینے کی نیت سے ہی کرتا ہے، احتساب کی یہ کیفیت ہوتی ہے اور یہ تو ضروری ہے، اس کے بغیر وہ عمل قابلِ قبول نہیں، لیکن ہم اور آپ سونے کے لیے بستر پر لیٹیں گے، کھانے کے لیے دستر خوان پر بیٹھیں گے تو اس وقت ہمیں یہ خیال نہیں آتا کہ اس سونے پر بھی ہم کو ثواب ملے گا، اس کھانے پر بھی ہم کو ثواب ملے گا۔

جن کے سونے کو فضیلت تھی......

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں اپنے سونے میں اسی طرح ثواب کی

امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس پر مجھے ثواب عطا فرمائیں گے جس طرح عبادت میں اس کی امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس پر مجھے ثواب عطا فرمائیں گے۔

اسی کو حضرت شیخ مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ آپ بیتی میں فرماتے ہیں اور حضرت کی زبانِ مبارک سے بھی میں نے کئی مرتبہ مجالس کے اندر سنا ہے، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ: حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی طبعی ضروریات: سونا، کھانا، پینا اللہ کے لیے کر دیا تو وہ بھی عبادت بن گئیں۔

نیند عبادت کیوں ہے؟

سونے میں ثواب کی امید اس لیے ہے کہ ہم اسی لیے سوتے ہیں کہ کام کرنے کی وجہ سے بدن میں جو تھکاوٹ پیدا ہوئی ہے اور بدن عمل کے قابل نہیں رہا ہے تو ہم سو کر دوبارہ تازہ دم اور فریش ہو جائیں گے؛ تاکہ دوبارہ عمل کرنے کے قابل ہو جائیں، گویا آئندہ اپنے آپ کو دوبارہ عمل کے لیے تیار کرنے کے واسطے یہ سویا جا رہا ہے، اس لیے یہ بھی درحقیقت عبادت ہے، عبادت کی تیاری ہے، جو کام کسی دوسرے کام کی تیاری اور مقدمے کے طور پر کیا جاتا ہے تو اس کا بھی وہی حکم ہوا کرتا ہے۔

ایک مثال سے اس کی تفہیم

میں مثال دیا کرتا ہوں کہ اپنا گھر بنانے کے لیے مزدور لے آئے ہیں تو عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ صبح سے شام تک ان کا کام اور ڈیوٹی ہوتی ہے، اس دوران جو آدمی ان مزدوروں کو اپنے گھر کام کے لیے لایا ہے، وہی ان کو چائے لاکر پلائے گا، بیڑیاں لاکر

دے گا تو چائے کا وقت وہ مزدوری کے وقت سے کاٹتا نہیں ہے یعنی چائے پینے کے دوران مزدور کے جو دس، پندرہ منٹ گذرے تو یہ آدمی یہ نہیں کہے گا کہ چائے پینے میں تم نے پندرہ منٹ لگا دیے، اتنے وقت کی مزدوری میں کاٹ لیتا ہوں، نہیں، بلکہ وہ خود کھلا، پلا رہا ہے؛ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ اس تھوڑی دیر کے وقفے کے بعد مزدور اور بہتر انداز میں کام کریں گے۔

اسی طرح آدمی اپنے جسم کو آرام پہنچانے کے دوران یہ نیت رکھتا ہو کہ میں اس لیے سوتا ہوں کہ میں اٹھ کر دوبارہ پوری ہمت اور قوت کے ساتھ اور پورے نشاط اور چستی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرسکوں گا تو یہ سونا بھی عبادت کی تیاری ہے، اس معنی کر کے جو ثواب عبادت پر ملتا ہے، وہی ثواب اس سونے پر بھی ملے گا تو گویا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ سے ہمارے مسائل کو حل کر دیا۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف

ایک مرتبہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ جنھوں نے جنگ آزادی میں بڑا کارنامہ انجام دیا تھا، ان کی ایک پارٹی ''الاحرار'' نامی تھی، جس کے وہ صدر تھے، ان کا لقب ہی رئیس الاحرار ہو گیا تھا، وہ حضرت شاہ عبد القادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور ان سے بیعت ہونے کی وجہ سے موقع بہ موقع آتے جاتے ہوئے سہارنپور اتر کر رائپور ان کی خدمت میں حاضری کے لیے آتے تھے اور ایک دن رہا کرتے تھے۔

حضرت شیخ کے ساتھ ابتدا میں مولانا کے تعلق کی نوعیت

حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جو تعلق تھا، اس کی وجہ سے کوئی بھی سہارنپور اتر کر آنے والا ہوتا تھا، اس سے پوچھتے تھے کہ شیخ کے پاس ہو کر آئے ہو؟ وہ ہاں کہتے تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خیر خیریت پوچھتے کہ وہ کیسے ہیں؟ تو بہت سے لوگ ۔حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ ۔نہ چاہتے ہوئے بھی ملے بغیر جاتے نہیں تھے، اس لیے کہ اگر کوئی یہ کہتا کہ میں مل کر نہیں آیا ہوں تو حضرت واجبی سا سلوک کر لیتے تھے، محبت کی جو زیادہ توجہ ہونی چاہیے، وہ نہیں ہوتی تھی؛ اس لیے بہت سے لوگ حضرت کی توجہ حاصل کرنے کے لیے نہ چاہتے ہوئے بھی مل کر کے جایا کرتے تھے، اِن کو بھی شروعات میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کوئی طبعی مناسبت نہیں تھی۔

ملاقاتیوں کے سلسلے میں حضرت شیخ کا معمول

فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ رائپور جانے کے لیے ٹرین سے سہارنپور اترے اور تانگہ کر کے رائپور جا رہے تھے، اسی تانگے میں سوار ہو کر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے گھر آئے اور گھر میں جو کام کرتے تھے حضرت کے خادم حضرت مولانا نصیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ان سے کہا کہ: حضرت سے ملاقات کروا دو۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کام کے دوران کسی سے ملاقات نہیں فرماتے تھے؛ لیکن اگر کوئی جلدی میں آیا ہو اور زیادہ بات نہ کرنی ہو، ادھر جا رہا ہو اور خالص مصافحہ کرنا ہو تو اس سے ملاقات کر لیتے تھے: اس لیے کہ اگر کوئی ادھر جا رہا ہو اور وہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں آیا ہو لیکن ملاقات نہ ہو پائی ہو تو وہاں جا کر

اگر حضرت ان سے پوچھیں کہ شیخ سے مل کر آئے ہو اور وہ کہے کہ میں وہاں گیا تھا لیکن ملاقات کا موقع نہیں دیا تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مجرم قرار دیا جاؤں گا؛ اس لیے میں اس کو بلا لیا کرتا تھا اور بات بھی نہیں ہوتی تھی، مصافحہ ہو جایا کرتا تھا۔

مولانا کا تصوف سے متعلق سوال اور حضرت کا مسکت جواب

حضرت شیخ کا دار التصنیف کچے گھر میں اوپر کمرے میں تھا، چناں چہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی جلدی جلدی اوپر اس کمرے میں آئے اور کہا: السلام علیکم! یہ تصوف کیا بلا ہے؟، جواب سوچتے رہنا، میں واپسی میں جواب لے لوں گا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے فوراً کہا کہ تصوف تصحیحِ نیت کا نام ہے، جس کی شروعات ''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ'' سے ہوتی ہے اور اس کی انتہاء ''أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ'' پر ہوتی ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: وہ یہ جواب سنتے ہی چونک گئے اور فرمانے لگے کہ میں تو دہلی سے آتے ہوئے یہ سوچتے ہوئے آ رہا تھا کہ میرے اس سوال کا آپ یہ جواب دیں گے تو میں اس پر یہ اشکال کروں گا لیکن آپ نے تو ایسا جواب دیا کہ کوئی اشکال ہی نہیں رہا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کہ ابھی میرے کام کا وقت ہے، ابھی تم جہاں جا رہے ہو، وہاں جاؤ اور اشکال سوچتے رہنا، کل آنا لیکن میری ملاقات کا وقت دوپہر کو ہے تو دوپہر کے کھانے میں شریک ہو جانا، اسی دوران بات چیت ہوگی، اس کے علاوہ نہیں۔

امورِ عادیہ میں زاویۂ نگاہ بدلنے کی ضرورت

بہر حال! حقیقت تو یہی ہے کہ نیتوں کی تبدیلی اور زاویۂ نگاہ بڑی اہم چیز ہے، ہم کسی کام کو انجام دیتے ہیں تو کیوں انجام دے رہے ہیں؟ مثلاً کھانا کھا رہے ہیں تو ایک تو یہ ہے کہ ہمیں بھوک لگی ہے، ہمیں اپنے جسمانی تقاضے کو پورا کرنے کے لیے کھانا پڑتا ہے؛ اس لیے کھا رہے ہیں لیکن دل میں یہ خیال نہیں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اپنے جسم کا حق ادا کرنے کا حکم دیا ہے؛ اس لیے کھا رہے ہیں، بس بھوک کا ایک تقاضا ہے، خواہشِ نفس کے پیشِ نظر کھا رہے ہیں تو اس میں کوئی ثواب نہیں ملے گا، اگرچہ کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا۔

گھر والوں کو کھلانے پلانے میں اجر وثواب کی صورت

ایک آدمی اپنے بیوی بچوں کو کھلا پلا رہا ہے تو بیوی بچوں کے اس طرح کے جو حقوق شریعت کی طرف سے لازم کیے گئے ہیں، اِن حقوق کی ادائیگی میں شریعت اس بات کو لازم قرار دیتی ہے کہ آدمی کے دل کے اندر یہ نیت اور ارادہ ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے ان کے حقوق کی ادائیگی کا پابند بنایا ہے، اس لیے میں ان کے لیے یہ کھانے پینے کے انتظام کرتا ہوں، اگر یہ نیت نہ ہو تو اس صورت میں بھی فریضہ اور ذمہ داری تو ادا ہو جائے گی؛ لیکن اس پر جو ثواب ملنا چاہیے، وہ نہیں ملے گا۔

دو چیزیں الگ الگ ہیں: ایک آدمی کی ذمہ داری کا ادا ہونا اور ایک اس ذمہ داری کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس آدمی کو اجر اور ثواب کا ملنا، اگر آپ کے دل

میں ایسی کوئی نیت نہیں ہے اور اس طرح کی نیت کے بغیر ہی کھلائیں گے، پلائیں گے تو اس پر کوئی اجر وثواب نہیں ملے گا۔ ہر انسان، مسلمان ہی کیا، غیر مسلم بھی اپنی بیوی بچوں کے کھانے پینے کا انتظام کرتا ہے لیکن عام طور پر مزاج یہ ہے اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک طرح کی بے گاری ہے۔

بیگاری کا مطلب

بیگاری کا مطلب یہ ہے کہ ایسی مزدوری جس پر کوئی اجرت اور معاوضہ نہ ملتا ہو، پرانے زمانے میں جو بادشاہ اور نواب قسم کے لوگ ہوتے تھے، ان کی ایک عادت ہوا کرتی تھی کہ کہیں کوئی مکان بنوا رہے ہیں، کوئی کام کروا رہے ہیں تو کوئی آدمی وہاں سے جا رہا ہے، اس کو بلایا اور حکم دیا کہ ادھر آ اور یہ کام کر، اس طرح صبح سے شام تک کام میں لگا دیا اور چائے کا بھی بھاؤ نہیں پوچھا اور شام ہوئی تو یوں ہی مزدوری دیے بغیر بھگا دیا یعنی کام کروایا اور اس کام کا کوئی بدلہ اور مزدوری نہیں دی گئی تو ایسے کام کو ''بیگاری'' کہتے ہیں۔

بیوی بچوں کے حقوق بیگار سمجھ کر ادا کرنا

تو یہ کام سبھی کرتے ہیں، سب لوگ اپنی بیوی بچوں کو کھلانے پلانے کے لیے مزدوری کرتے ہیں، سبھی اس کے لیے محنت مزدوری کرتے ہیں لیکن اس دوران دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ ہم یہ محنتیں اس لیے کر رہے ہیں، یہ تجارت وزراعت اس لیے کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے، ہم اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو پورا کرنے

کے لیے یہ سب کچھ کر رہے ہیں، اس نیت سے کریں گے، تبھی ثواب ملے گا تو سوچیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرنے کے لیے یہ کام کیا ہے یا ایک بوجھ سمجھ کر کے کیا ہے، اگر بوجھ سمجھ کر کے کیا ہے تو ذمہ داری تو پوری ہوگئی، کل کو قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ آپ نے اپنی بیوی بچوں کا حق ادا نہیں کیا، اور نہ کرنے پر جو سزا ہوتی ہے، وہ نہیں ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو پورا کرنے پر جو ثواب ملنا چاہیے، وہ حاصل نہیں ہوگا۔

ایک آدمی نے آپ کا کوئی کام کرلیا لیکن اس نے آپ سے معاوضہ حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تو آپ اس کو کہاں معاوضہ دیں گے؟۔

بیوی کے منہ میں لقمہ دینے پر بھی اجر وثواب

شریعت کی تعلیم یہی ہے کہ یہ جتنے بھی کام ہیں، ان کے اندر یہی ارادہ ہونا چاہیے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات کے ذریعہ اس چیز کو واضح فرمایا ہے، بخاری شریف میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ وہ حجۃ الوداع کے موقع پر بیمار ہو گئے اور اتنے بیمار ہو گئے کہ بچنے کی امیدیں نہیں رہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے، انھوں نے پوچھا کہ میں صاحبِ مال آدمی ہوں اور میرے وارثوں میں میری صرف ایک بیٹی ہے اور دوسرا کوئی وارث نہیں ہے، میں چاہتا ہوں کہ اپنے پورے مال کی وصیت کروں تو کر سکتا ہوں یا نہیں؟۔

بڑا تفصیلی سوال اور جواب ہے، اسی میں اخیر میں ایک جملہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا: وَإِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا، حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ[1]: تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جو کچھ بھی خرچ کروگے تو اس پر ثواب ملے گا، یہاں تک کہ اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ دوگے، اس پر بھی اجر اور ثواب ملے گا۔

لیکن اس وقت تمھاری نیت یہ ہونی چاہیے کہ میں یہ اس لیے کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بیوی کے جو حقوق رکھے ہیں، اس کی ادائیگی کے لیے یہ انجام دے رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کر رہا ہوں، نفسانی خواہش کے لیے نہیں، بیوی کے منہ میں لقمہ تو بہت سے لوگ دیتے ہیں، بیوی کو بوسہ تو سب دیتے ہیں لیکن ان بوسوں پر ثواب اس وقت ملے گا، جب ایسا کرتے وقت دل میں یہ نیت اور ارادہ ہو کہ میں ایسا کر کے بیوی کا حق ادا کر رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے جو پابند کیا ہے، اس حکم کو پورا کر رہا ہوں، گویا عین خواہش کو پورا کرنے کے وقت بھی دھیان اور توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہونی چاہیے، یہ شریعت کی تعلیم ہے، اسی کو سکھلانے کے لیے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تھے۔

قتل کے مقدمہ میں پھنسے ہوئے ایک آدمی کا واقعہ

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل صدقات میں اپنے والد بزرگوار کے حوالے سے

[1] صحيح البخارى، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابُ رِثَاءِ النَّبِيِّ ﷺ سَعْدَ ابْنَ خَوْلَةَ، ر:۱۲۹۵.

ایک واقعہ لکھا ہے کہ پانی پت کے اندر ایک آدمی رہتا تھا جس کے اوپر قتل کا مقدمہ تھا اور اس وقت پانی پت کی تحصیل کرنال تھی اور دونوں کے درمیان میں دریائے جمنا بہتا تھا تو اس کو اپنے اس مقدمے کے سلسلے میں اپنے وطن سے دریا پار کر کے اس کی تحصیل کرنال جانا پڑتا تھا اور دریائے جمنا کا حال یہ تھا کہ گرمی کے زمانے میں اس کے اندر طغیانی نہیں ہوتی تھی تو پانی بالکل کم ہوتا تھا اور جہاں کچھ زیادہ پانی ہوتا تھا تو کشتی والے اجرت لے کر کے اس پار سے اس پار اتار دیتے تھے اور باقی حصہ آدمی پیدل چل کر پار کر لیا کرتا تھا اور جب جمنا میں طغیانی ہوتی تھی، بارش کے زمانے میں خوب پانی ہوتا تھا تو پھر کشتی والے بھی کشتی ڈالنے کی ہمت نہیں کرتے تھے، ڈرتے تھے کہ کہیں ڈوب نہ جائیں۔

جمنا پار کرانے کے لیے کشتی والوں سے منت سماجت اور ان کا انکار

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اس کے مقدمے کی تاریخ تھی اور اس زمانے میں دریائے جمنا طغیانی پر تھا، وہ اُدھر جانے کے لیے کنارے پر آیا تو دیکھا کہ دریائے جمنا طغیانی پر ہے، اس نے کشتی والوں سے ادھر لے جانے کے لیے بہت عاجزی اور منت سماجت کی اور کئی گنا اجرت دینے کی پیش کش بھی کی اور کہا کہ: اللہ واسطے مجھے وہاں لے جاؤ، اگر میں آج نہیں جاؤں گا تو میرے خلاف فیصلہ ہو جائے گا اور مجھے پھانسی ہو جائے گی، اس پر کشتی والوں نے کہا کہ: تجھے پھانسی سے بچانے کے لیے ہم اپنی جان جوکھم میں کیوں ڈالیں، بہت کہا لیکن کوئی بھی تیار نہیں ہوا۔

ایک آدمی کی طرف سے ایک بزرگ کے پاس جانے کا مشورہ

اس کی اس کیفیت کو دیکھ کر ایک آدمی نے کہا کہ دیکھ! میں تجھے ایک ترکیب بتلاتا ہوں لیکن میرا نام مت لینا۔ ترکیب بتلانے والے یہی شرط لگاتے ہیں کہ میرا نام مت لینا۔ پھر اس نے کہا کہ جمنا کے کنارے پر فلاں جگہ ایک بزرگ جھونپڑا ڈالے ہوئے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں، ان کے پاس جا کر اڑ جاؤ کہ حضرت! میں اس آفت میں پھنسا ہوا ہوں، آپ کوئی راستہ نکالیے۔ اور کہا کہ وہ تجھے بہت ڈانٹیں گے اور ماریں گے بھی اور بھگانے کی کوشش بھی کریں گے لیکن ہٹیو مت۔

اس آدمی کا بھیجا ہوا ہوں جس نے....

چناں چہ وہ وہاں گیا اور حضرت سے کہا کہ: حضرت! یہ صورتِ حال ہے، آپ کوئی راستہ نکالیے تو حضرت نے کہا کہ میں کوئی خدا ہوں یا کوئی کشتی والا ہوں کہ تیری اس مصیبت میں تیرے کام آسکوں؟۔ اس نے کہا کہ: حضرت! کوئی نہ کوئی ترکیب آپ کو بتلانی ہی پڑے گی، اس طرح وہ اڑ گیا، ویسے بھی جس کو کوئی غرض ہوتی ہے، وہ اپنی غرض پوری کرائے بغیر جانے کا نام نہیں لیتا، چناں چہ ان بزرگ نے بھی دیکھا کہ یہ پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہے۔ اس کے بعد کہا کہ: اچھا! ایک کام کر، دریا کو میرا نام لے کر کہہ دینا کہ مجھے اس آدمی نے بھیجا ہے کہ جس نے زندگی میں کبھی کھانا نہیں کھایا اور اپنی بیوی سے کبھی صحبت نہیں کی، مجھے راستہ دے دے۔

اللہ والوں کی بیویاں

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ آدمی تو چلا گیا اور راستہ بھی مل گیا اور اس کا کام بھی ہو گیا لیکن یہ جو بات ہو رہی تھی، اس وقت بیوی بھی جھونپڑے میں موجود تھی اور ان کی باتیں سن رہی تھی، وہ گیا، اس کے بعد بیوی اس کے سر پر سوار ہو گئی، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ویسے بھی اللہ والوں کی بیویاں دھیٹ خصم ہوتی ہیں، وہ بے چارے اس فکر میں رہتے ہیں کہ اس کی کوئی حق تلفی نہ ہو اور عورتوں کا مزاج بھی ہے کہ شوہر جب ایسی سوچ رکھنے والا ہے تو پھر سر پر چڑھ جاتی ہیں۔

میں نے اپنی خواہشِ نفس کے لیے نہ کبھی کھایا، نہ کبھی صحبت کی

بہرحال! اس نے کہا کہ یہ جو تو کھا کھا کے ہاتھی جیسا ہو رہا ہے، وہ تو تو جانے اور تیرا کام لیکن تو نے اسے جو یہ کہا کہ جس نے کبھی اپنی بیوی کے ساتھ صحبت نہیں کی تو یہ بچوں کی لمبی فوج میں کہاں سے لائی ؟، وہ تو لوگوں سے کہے گا کہ فلاں بزرگ نے یہ کہا تھا اور اس کے یہاں بچوں کی فوج ہے تو میری بدنامی ہو گی۔

بزرگ نے کہا کہ: اللہ کی بندی! میں نے یہ کہاں کہا کہ تو نے زنا کیا ہے؟ لیکن وہ بہ ضد ہے، رو رہی ہے، چلا رہی ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ کسی طرح مان کے دیتی نہیں تو انھوں نے کہا کہ: دیکھ! میں نے بہت پہلے ایک اللہ والے سے سنا تھا کہ جو کام اللہ کے لیے کیا جاتا ہے، وہ نفس کے لیے نہیں ہوتا تو میں نے کھانا کھایا اور خوب کھایا لیکن اس نیت سے کھایا کہ اپنے جسم کا حق ادا کروں، اللہ تعالیٰ کا حق ادا کروں، شادی

کے بعد تجھ سے صحبتیں کیں، بچے بھی ہوئے اور خوب صحبتیں کیں لیکن اپنی خواہش پورا کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے اور تیرا حق ادا کرنے کی نیت سے کی اور جو کام اس نیت سے کیا جاتا ہے، وہ نفس کے لیے نہیں ہوتا اور حقیقت یہی ہے کہ اس طرح کے کام جو اس نیت سے ہوں، وہ عبادت شمار ہوں گے۔

ہم خرما و ہم ثواب

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی بخاری شریف میں روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: إِذَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلَى أَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ[۱] کہ: جو آدمی اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا اور اس خرچ میں وہ یہ نیت رکھتا ہے، یہ امید رکھتا ہے کہ اس خرچ پر مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ اجر وثواب عطا فرمائیں گے تو اس کو صدقے کا ثواب ملے گا۔

نوکر چاکر کو کھلانے میں بھی ثواب ہے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے الادب المفرد میں حضرت مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: مَا أَطْعَمْتَ نَفْسَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَمَا أَطْعَمْتَ وَلَدَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَمَا أَطْعَمْتَ زَوْجَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَمَا أَطْعَمْتَ خَادِمَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ[۲]: جو کچھ تم اپنے آپ کو کھلاؤ گے، وہ تمھارے لیے صدقے کا ثواب رکھتا ہے، جو کچھ تم اپنی اولاد کو کھلاؤ گے، وہ تمھارے لیے صدقے

---

۱ صحيح البخاری، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابٌ: مَا جَاءَ إِنَّ الأَعْمَالَ بِالنِّيَّةِ إلخ، ر: ٥٥.

۲ الأدب المفرد، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابُ فَضْلِ مَنْ عَالَ ابْنَتَهُ الْمَرْدُودَةَ، ر:٨٢.

کا ثواب رکھتا ہے، جو کچھ تم اپنی بیوی کو کھلاؤ گے، وہ تمھارے لیے صدقے کا ثواب رکھتا ہے، جو کچھ تم اپنے خادم اور نوکر کو کھلاؤ گے، وہ بھی تمھارے لیے صدقے کا ثواب رکھتا ہے۔ لیکن یہاں بھی وہی بات ہے کہ نیت یہ ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے جو حقوق مجھ پر لازم کیے ہیں، میں وہ ادا کر رہا ہوں۔

اہل وعیال پر خرچ کرنے کا ثواب سارے صدقات کے ثواب سے زیادہ ہے

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللهِ وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي عِتْقِ رَقَبَةٍ، وَدِينَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلَى مِسْكِينٍ، وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ، أَعْظَمُهَا أَجْرًا الَّذِي أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ کہ: ایک روپیہ وہ ہے جس کو تم نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا، ایک روپیہ وہ ہے جس کو تم نے کسی غلام کو آزاد کرانے کے لیے خرچ کیا، ایک روپیہ وہ ہے جس کو تم نے کسی غریب کے اوپر صدقہ کیا اور ایک روپیہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: أَعْظَمُهَا أَجْرًا الَّذِي أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ [۱] کہ: تم نے اپنے گھر والوں پر جو خرچ کیا، سب سے زیادہ ثواب اسی کا ملے گا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فرض ہے اور ساری دنیا جانتی ہے کہ فرض کا ثواب نفل سے زیادہ ملتا ہے۔

---

(۱) صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابُ فَضْلِ النَّفَقَةِ عَلَى الْعِيَالِ وَالْمَمْلُوكِ إلخ، ر:۹۹۵.

اپنوں پر خرچ کرنے میں صحیح نیت کمال ایمان کا سبب ہے

بہرحال! حضور ﷺ فرماتے ہیں: مَنْ أَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ: جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے دیا، یعنی خرچ کرنے میں ہمیں اپنی نیتوں کو درست کرنے کی ضرورت ہے، کام تو سب کرتے ہیں، یہ سارے سلسلے ہر ایک کے یہاں جاری ہیں، اپنے لیے خریدتے ہیں، اپنی بیوی کے لیے خریدتے ہیں، اپنے بال بچوں کے لیے خریدتے ہیں، اپنے دوسرے ماتحتوں کے لیے آدمی خرچ کرتا ہے لیکن اس خرچ کرنے میں بس ہمیں ضرورت ہے کہ ہم اپنی نیتوں کو درست کرلیں اور یہ سوچ لیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان لوگوں کے حقوق ہم پر فرض کیے ہیں، ان حقوق کو ادا کرنے کے لیے ہم یہ خرچ کر رہے ہیں تو پھر یہی خرچ کرنا ہمارے لیے ہمارے ایمان کے کامل ہونے کا ذریعہ اور سبب بن جائے گا۔

فضول خرچی بڑا گناہ ہے

وَمَنَعَ لِلَّهِ: دیا، خرچ کیا، وہ بھی اللہ کے لیے اور اگر روک دیا، خرچ نہیں کیا، خرچ کرنے سے انکار کردیا تو بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے روکا۔

قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے فضول خرچی سے منع فرمایا ہے: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾ [الأعراف۳۱] کھاؤ، پیو، کھانے پینے میں خرچ کرنا چاہو تو کرسکتے ہو لیکن اسراف کی حد تک پہنچنا نہیں چاہیے، فضول خرچی نہیں ہونی چاہیے، فضول خرچی سے منع فرمایا ہے تو وہ خرچ جو اسراف کے بغیر کیا جاتا ہے، اس میں حرج کی کوئی بات نہیں ہے لیکن

اگر کوئی آدمی اپنا پیسہ فضول خرچی میں اڑاتا ہے، اسراف کرتا ہے تو اس کی اجازت نہیں ہے، یہ گناہ ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔

ہمارے معاشرے کا ایک عام روگ

اسی طرح گناہ کے کاموں میں خرچ کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے، ہمارے یہاں بہت سے لوگ بہت سارے رسم ورواج کے اندر بھی خرچ کرتے ہیں، شادی کا مسئلہ ہے تو فلانے کی شادی میں ہمیں اتنا ہدیہ دینا ہی پڑے گا، نہیں دیں گے تو ہماری ناک کٹ جائے گی، لوگ باتیں کریں گے کہ وہ ہمارے یہاں آکر کھا گیا تھا، ہمارا ہدیہ لے لیا تھا اور اب دینے کا وقت آیا تو وہ منہ چھپا کر پھر رہا ہے؛ اس لیے رقم نہیں ہوتی تو بھی قرض لے کر اور سود پر پیسہ لے کر ایسے رواجوں کو پورا کیا جاتا ہے۔

رواج کی بنیاد پر دینا کہ لوگ کیا کہیں گے؟ ایک عام مزاج بن چکا ہے، ہر جگہ ہمارا مزاج یہ ہو چکا ہے کہ شریعت جہاں خرچ کرنے سے منع کر رہی ہے لیکن اچھے خاصے دین دار پڑھے لکھے آدمی بھی اس جگہ خرچ کرنے سے باز نہیں رہتے، ان سے کہا جاتا ہے کہ مولوی صاحب! آپ تو پڑھے لکھے، دین دار آدمی ہیں، نماز روزے کے پابند ہیں، پھر بھی اس میں خرچ کرتے ہیں؟ تو جواب دیتے ہیں کہ: آپ کی ساری باتیں ٹھیک ہیں لیکن لوگ کیا باتیں کریں گے!؟۔

پر وہ نہ سمجھیں کہ میری بزم کے قابل نہ رہا

ارے بھائی! لوگ کیا باتیں کریں گے، اس سے ہمیں کیا لینا دینا؟ قرآن تو کہتا

ہے:﴿وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾[المائدة۵۴] اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں،لوگ بھاڑ میں جاویں،لوگ کیا کہتے ہیں،ہمیں یہ نہیں دیکھنا ہے،ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ ہمارا اللہ ہم سے راضی ہے یا نہیں،اگر اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی والا کام ہے تو ہمیں کرنا ہے،ورنہ ہمیں اس سے اپنے آپ کو باز رکھنا ہے:

لوگ سمجھیں مجھے محرومِ وقار و تمکیں	❁	پر وہ نہ سمجھیں کہ میری بزم کے قابل نہ رہا

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم ان رسم ورواج میں پتہ نہیں کتنا اور کیا کیا کچھ خرچ دیتے ہیں، بہنوں کو یہ یہ دینا چاہیے، پھوپھیوں کو یوں دینا چاہیے،فلانے رشتہ دار کو یوں دینا چاہیے،اور دوسرے دنوں میں دینے کی بات بالکل نہیں کرتا اور لوگ تو اس لیے باتیں کرتے ہیں کہ اس کے علاوہ دنوں میں آپ ان کو یاد نہیں رکھتے ، کچھ دیتے نہیں۔

رسم ورواج میں لین دین کو ختم کرنے کا آسان طریقہ

میں ہمیشہ کہتا رہتا ہوں کہ ان باتوں کو ختم کرنے کا آسان طریقہ ہے کہ آپ شادی کے اوپر دینا موقوف نہ رکھیں،شادی کے علاوہ دنوں میں ہی دے دو تو شادی کے موقع پر وہ آپ سے کبھی مطالبہ نہیں کریں گے،ہمیں تو شریعت نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے لیکن اس کے لیے شریعت نے کوئی وقت تھوڑا ہی مقرر کیا ہے؟،آپ ہر موقع پر جتنا بھی زیادہ حسن سلوک رکھیں گے،دینے کا سلسلہ رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا اجر ملے گا لیکن چوں کہ دوسرے مواقع پر ہم اپنے رشتہ داروں پر خرچ ہی نہیں کرتے ،

اس لیے شادیوں کے موقع پر منہ میں انگلی ڈلوا کر نکلواتے ہیں۔

ہمارے یہاں بیٹیوں کا نکاح ہوا تو میں نے اس میں کسی کو بھی دعوت نہیں دی، اپنے سگے بھائی اور بہنوں کو بھی دعوت نہیں دی، سادگی کے ساتھ نکاح کرادیا لیکن دوسرے مواقع پر ان کو ہدیے دینا، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، یہ سلسلے چلتے رہتے ہیں؛ اس لیے کسی کو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی اور اگر دوسرے اوقات میں لینے دینے کے اور حسن سلوک کے سلسلے نہیں ہیں تو ظاہر ہے کہ شادیوں کے مواقع پر آپ کے رشتہ دار آپ کا ناک پکڑ کر ہی لیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم کو پورا کرنے کی نیت سے دیں تو بہت اچھا ہے، ورنہ یہ رسم ورواج اور ناک کٹنے کے ڈر سے جو کچھ دیا جاتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو لانے والا ہے۔

بہنوں کو میراث میں حق نہ دینے کا غلط رواج

جیسے ہمارے یہاں ہندوستان میں یہ رواج ہے کہ بہنوں کو حصہ نہیں دیتے، ہندؤوں میں یہی رواج ہے اور مسلمان بھی اسی رواج پر چلتے ہوئے بہنوں کو حصہ نہیں دیتے، اب ہندؤوں کے یہاں اگرچہ یہ رواج ہے کہ بہنوں کو حصہ نہیں دیتے لیکن ان کی بہن کے یہاں جب بچی کی شادی ہوتی ہے تو ''موساڑا'' کے نام سے اچھی خاصی رقم دی جاتی ہے، اس کو لازم سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ میرا حق ہے۔ اگر اس کو وراثت کا حق دیا ہوتا تو وہ اس کا انتظار نہ کرتی، دینا تو یوں بھی بعد میں پڑا، اس کے بہ جائے اللہ

تعالیٰ کا حکم سمجھ کر دیا ہوتا تو فریضہ بھی ادا ہوتا اور اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوتے، یہ تو ہمارے لیے دنیا اور آخرت میں ہلاکت کا ذریعہ بن گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ ہی کے لیے دے اور اللہ ہی کے لیے منع کرے۔

اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے دشمنی

آگے ارشاد فرمایا: وَأَحَبَّ لِلَّهِ،: اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کسی کے ساتھ محبت کا معاملہ اور سلوک کیا، وَأَبْغَضَ لِلَّهِ،: اور کسی کے ساتھ دشمناوٹ اور عداوت کا معاملہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے لیے کیا، اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کا معاملہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟ جو اللہ والے ہوتے ہیں، بزرگانِ دین ہوتے ہیں، ان کے ساتھ محبت کا معاملہ عام طور پر اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے۔

اللہ والوں سے تعلق قائم کرنے میں بھی مفاد پرستی

آج کل تو اس میں بھی شیطان نے ملاوٹیں اور دنیوی اغراض ملا دیں، بہت سے لوگ اللہ والوں کا قرب اس لیے حاصل کرتے ہیں کہ وہ یوں سمجھتے ہیں کہ لوگ سمجھیں گے کہ یہ فلاں بزرگ کا مقرب اور خاص ہے تو مجھے سماج اور سوسائٹی میں بڑا اونچا مقام حاصل ہوگا، بعض لوگ اسی لیے ان کے پاس کثرت سے آتے جاتے رہتے ہیں اور ان کے ساتھ اپنا ایسا تعلق ظاہر کرتے ہیں کہ جس سے یہ واضح ہو کہ یہ بزرگ بھی ان کو بہت زیادہ مانتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کی غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ ان بزرگوں کے پاس دنیا کے بڑے بڑے مال دار اور عہدے دار بھی آتے ہیں تو جب وہ مجھے اس بزرگ کے

پاس دیکھیں گے تو مجھے ان کا قریبی سمجھیں گے اور میں اپنا کام ان سے آسانی سے نکلوا سکوں گا تو جو تعلق خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہونا چاہیے تھا، اب وہ بھی دنیا کے لیے ہو گیا۔

اللہ والوں کو دھوکا دینے والے

اب تو لوگ بزرگوں کو بھی دھوکا دیتے ہیں اور اپنا خواب بیان کرتے ہیں کہ حضرت میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے بارے میں یوں فرما رہے ہیں اور آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس طرح دیکھا، حالاں کہ کوئی خواب واب اس نے دیکھا نہیں ہوتا، اس اللہ کے بندے کو معلوم نہیں کہ جھوٹا خواب بیان کرنے پر کتنی سخت وعید آئی ہے لیکن اہل اللہ کو بھی دھوکا دے کر اس طرح اپنا مقصد حاصل کر لیا کرتے ہیں، خیر دنیا میں تو اپنا مقصد حاصل کر لیں گے لیکن کل قیامت کے دن جہنم کے عذاب کی صورت میں اس کا بدلہ بھگتنا ہوگا۔

نہ شبم، نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

میرے پاس آ کر کوئی خواب بیان کرتا ہے تو شروع ہی سے مَیں اس کو خاموش کر دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میں خواب کی تعبیرات جانتا نہیں۔ حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب کوئی آدمی اس طرح کی خواب کی بات بیان کرتا تو فرماتے:

نہ شبم، نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم
چوں غلامِ آفتابم، ہمہ زآفتاب گویم

یہ فارسی کا شعر ہے کہ نہ میں رات ہوں اور نہ میں رات کا پرستار ہوں کہ خواب کی

بات کروں، میں تو آفتاب کا غلام ہوں؛ اس لیے آفتاب کی بات کرتا ہوں۔

حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کے اندر ہے کہ ایک آدمی نے خواب کا تذکرہ کیا تھا تو حضرت نے لکھا تھا کہ کوئی آدمی خواب میں دیکھے کہ اس کے سر پر شاہی تاج رکھ دیا گیا ہے تو کیا وہ بادشاہ بن گیا؟ حقیقت یہ ہے کہ آج کل لوگ خواب دیکھ کر ہواؤں میں اڑنا شروع کر دیتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعض مناقب

حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے حقیقت سنتے تھے تو بھی نفس کے دھوکے میں نہیں آتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں کہ جن کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت سنائی تھی، عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ: عمر جس راستے سے گذر جاتے ہیں، شیطان اپنا راستہ بدل لیتا ہے[۱]، جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ[۲] کہ: میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔ اس کے باوجود وہ اپنے متعلق کتنا زیادہ ڈرتے تھے، اس کا اندازہ اس واقعے سے لگا سکتے ہیں۔

---

① صحيح البخارى، عن سعد بن أبي وقاص رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابُ مَنَاقِبِ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، ر:٣٦٧٣

② سنن الترمذى، باب في مناقب عمر بن الخطاب رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عن عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، ر:٣٦٨٦.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی ذات کے بارے میں ڈر

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کے نام بتلائے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے کبھی کبھی تنہائی میں پوچھتے تھے کہ حذیفہ! آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کے نام بتلائے تھے، اس میں کہیں عمر کا نام تو نہیں ہے[1]؟ حالاں کہ انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے بہ راہِ راست جنتی ہونے کی بشارت سنی تھی لیکن وہ کبھی اپنے نفس کے دھوکے میں آتے نہیں تھے۔ اور ایک ہم ہیں کہ خواب دیکھ کر ہی اپنے متعلق خوش فہمیاں پال لیتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ آج کل اہل اللہ کے ساتھ جو تعلق قائم کیا جاتا ہے، اس میں بھی اپنی نفسانیات ہی ہوتی ہیں، اس لیے ہمیں فائدہ نہیں ہوتا، ہماری نیتیں ہی درست نہیں ہیں، پہلے دن سے ہی حبِّ جاہ کی وجہ سے تعلق قائم کیا جاتا ہے کہ خلافت مل جائے گی اور یہ عہدہ مل جائے گا۔

اللہ والوں سے فیض کب حاصل ہوگا؟

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا اور ایک مدت تک آتا رہا، ایک مرتبہ کہنے لگا کہ: اتنی مدت سے آپ کے پاس آرہا ہوں، کوئی فائدہ نہیں ہوا تو آپ نے پوچھا کہ تو میرے پاس کیوں آتا ہے؟، وہ کہنے لگا کہ: بس! اس نیت سے آتا ہوں کہ جو کچھ آپ سے حاصل ہو، وہ دوسروں تک پہنچاؤں تو فرمایا کہ: تمھاری نیت ہی

---

(۱) تاریخ الإسلام۲/۲۷۷، فی ترجمة حُذَیْفَة بن الیَمان.

خراب ہے تو کیا حاصل ہوگا؟۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی چیزیں فیض کے پہنچنے سے رکاوٹ بنتی ہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچایا جائے۔

رشتہ داروں سے تعلق اللہ تعالیٰ کے لیے

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اہل اللہ جن کے ساتھ تعلق خالص اللہ تعالیٰ کی بنیاد پر ہونا چاہیے تھا، اس میں نفس اور شیطان نے ہمیں اس طرح کی چیزوں میں ڈالا ہے، پھر دوسرے تعلقات، جیسے ماں باپ کے ساتھ، بیوی بچوں کے ساتھ کا کیا پوچھنا؟ دو آدمیوں کے درمیان نسبی تعلق قدرتی طور پر ہوتا ہی ہے اور اس کی محبت ہوتی ہی ہے، ہمیں نبیٔ کریم ﷺ نے بتلایا کہ ان کی محبتیں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہونی چاہئیں۔

والدین اور بیوی کو محبت کی نظر سے دیکھنے کا ثواب

ایک بیٹا باپ کا فرماں بردار اور مطیع ہے اور محض اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرنے کے لیے باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے، ان کی اطاعت کرتا ہے اور ان کو راحت پہنچانے کا اہتمام کرتا ہے۔ ان کو محبت کی نظر سے اس لیے دیکھتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ يَنْظُرُ إِلَى وَالِدَيْهِ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ إِلَّا كَانَ لَهُ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةٌ مَبْرُورَةٌ کہ جب کوئی فرماں بردار بیٹا اپنے ماں باپ کو نظر رحمت سے دیکھتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی ہر نظر کے بدلے میں حجِ مبرور کا ثواب عطا فرماتے ہیں [۱]، ایسی نیتوں ہی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

---

(۱) شعب الإيمان، عَنِ عبد الله بْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما، بَابٌ فِي بِرِّ الْوَالِدَيْنِ، ر: ۷۴۷۵.

کوئی شوہر اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی بیوی کی طرف محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اسی طرح بیوی شوہر کو دیکھتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو نظر رحمت سے دیکھتے ہیں۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم یہ سارے کام کرتے ہی ہیں، اب ضرورت ہے کہ ہم اپنی نیتوں کو درست کریں، اگر ہم ایسا کریں گے تو پھر نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو وعدہ فرمایا کہ آدمی کا ایمان اس کی وجہ سے کامل ہوتا ہے، وہ وعدہ حاصل ہو جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

عورتوں کے لیے جنت میں داخلے کا مختصر ترین راستہ

بتاریخ:۲۱/۷/۲۰۱۵

بتاریخ:۲۲/۷/۲۰۱۵

بتاریخ:۱/۱/۲۰۱۶، بمقام، لیلونگوے

بتاریخ:۵/۱/۲۰۱۶، بمقام: لمبی

بتاریخ:۷/۱/۲۰۱۶، بمقام: موکوپین

بتاریخ:۹/۱/۲۰۱۶، بمقام: وینڈا

یہ وعظ حضرت کے مذکورہ چھ بیانات کوسن کر ترتیب دیا گیا ہے۔

اقتباس

حضرت انس رضی اللہ عنہ اس روایت کے نقل کرنے والے ہیں، فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الْمَرْأَةُ إِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا کہ: **عورت جب پانچ وقت کی نماز پڑھ لے،** وَصَامَتْ شَهْرَهَا: **اور ماہِ رمضان کے روزے رکھ لے،** وَأَحْصَنَتْ فَرْجَهَا: **اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرلے،** وَأَطَاعَتْ بَعْلَهَا: **اور اپنے شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری کرلے،** فَلْتَدْخُلْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ: **تو جنت کے جس دروازے سے بھی داخل ہونا چاہے، داخل ہوجائے۔** عورتوں کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں جنت میں داخلے کا بہت آسان نسخہ بیان فرمادیا ہے جس میں چار چیزوں کا اہتمام کرنا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدللّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله إلىٰ كافّة الناس بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً، صلّى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً.

أما بعد: فَأَعُوْذُ بِاللّٰه مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿تَبَٰرَكَ ٱلَّذِى بِيَدِهِ ٱلۡمُلۡكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيرٌ ۝١ ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلۡمَوۡتَ وَٱلۡحَيَوٰةَ لِيَبۡلُوَكُمۡ أَيُّكُمۡ أَحۡسَنُ عَمَلًاۚ وَهُوَ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡغَفُورُ ۝٢﴾ [الملك]

وَعَنِ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: الْمَرْأَةُ إِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَأَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ[1].

راویٔ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات

یہ ایک حدیث ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادمِ خاص ہیں، جنھوں نے دس سال حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی۔

---

(۱) كَشْفُ المَنَاهِجِ وَالتَّنَاقِيحِ فِي تَخْرِيجِ أَحَادِيثِ المَصَابِيحِ، ۳/ ۷۸، ر:۲٤٤۰.

حضور اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے والد تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حقیقی والد کا تو انتقال ہو چکا تھا، اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نکاح ان ہی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا، اس لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کی پرورش میں تھے، یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے ابا تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کوئی ایسا خادم ہمیں بتلاؤ کہ جو ہمیں باہر سے کوئی چیز لانی ہو تو لا دیا کرے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے مجھے اونٹ پر پیچھے بٹھلایا اور حضور ﷺ کی خدمت میں لے گئے، اس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال کی تھی۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم ﷺ سے عرض کیا کہ: یہ انس ہیں، یہ آپ کی خدمت کریں گے [۱]، نبیٔ کریم ﷺ نے ان کو قبول فرمالیا اور آپ ﷺ کی وفات تک انھوں نے نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت کی یعنی دس سال تک خدمت کی [۲]، حضور ﷺ کی وفات کے وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر ۲۰ رسال تھی [۳]۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ خود ہی کہتے ہیں کہ میں تو بچہ تھا اور بچوں کے مزاج میں کھیل کود کا عنصر ہوتا ہی ہے اور غفلت بھی ہوتی ہے تو چناں چہ میں جب کوئی ایسی غفلت برتتا تو میری والدہ حضرت ام سلیم اور میری نانی حضرت ام حرام اور میری خالہ رضی اللہ عنہن، یہ سب

---

① الطبقات الكبرى لابن سعد: ۱٤۷، في ترجمة أنس بن مالك بن النضر بن ضمضم.

② الشمائل المحمدية، بَابُ مَا جَاءَ فِي خُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، ر: ۳٤٦.

③ الطبقات الكبرى لابن سعد:۱٤۷، في ترجمة أنس بن مالك بن النضر بن ضمضم.

مجھے سمجھا بجھا کر اور ترغیب دلا کر کے نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا کرتی تھیں۔

عورتوں کے لیے جنت میں داخلے کا نبوی نسخہ

یہی حضرت انس رضی اللہ عنہ اس روایت کے نقل کرنے والے ہیں، فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: الْمَرْأَةُ إِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا کہ: عورت جب پانچ وقت کی نماز پڑھ لے، وَصَامَتْ شَهْرَهَا: اور ماہِ رمضان کے روزے رکھ لے، وَأَحْصَنَتْ فَرْجَهَا: اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کر لے، وَأَطَاعَتْ بَعْلَهَا: اور اپنے شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری کر لے، فَلْتَدْخُلْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ: تو جنت کے جس دروازے سے بھی داخل ہونا چاہے، داخل ہو جائے۔ عورتوں کے لیے نبیٔ کریم ﷺ نے اس حدیث میں جنت میں داخلے کا بہت آسان نسخہ بیان فرما دیا ہے جس میں چار چیزوں کا اہتمام کرنا ہے۔

پہلی چیز: نماز اور اس کی اہمیت

ان میں پہلی چیز جو نبیٔ کریم ﷺ نے بیان فرمائی، وہ یہ ہے کہ پابندی کے ساتھ پانچ وقت کی نماز پڑھ لے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں جگہ جگہ ''اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ'' کا حکم دیا ہے کہ نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو اور نبیٔ کریم ﷺ نے بھی احادیث میں نماز کا تاکیدی حکم فرمایا ہے۔

نماز اپنی جگہ پر بڑی اہمیت رکھتی ہے، اسلام نے جن عبادتوں کو بنیادی اعتبار سے

فرض قرار دیا ہے، ان میں سب سے زیادہ اہم یہی نماز ہے، اسلام میں اس کا مقام بڑا اونچا ہے۔

ویسے تو انسانی زندگی سے متعلق سارے ہی احکامات شریعت نے تفصیل سے بیان کیے ہیں، دین کے مختلف شعبے ہیں، عبادت کا شعبہ ہے، اخلاق کا شعبہ ہے، معاشرت کا شعبہ ہے، معاملات کا شعبہ ہے، ہر شعبے سے متعلق تفصیلی ہدایت اور رہنمائی اسلام نے انسان کو عطا فرمائی ہے۔

عبادات کے سلسلے میں بھی جو نظام اسلام نے پوری انسانیت کو عطا فرمایا، وہ ایسا جامع اور مکمل ہے کہ دنیا کے کسی مذہب میں اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ اسلام نے عبادات کے اندر جو نظام دیا ہے، جو ترتیب بتلائی ہے، اس میں مختلف حیثیتوں سے بندے کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ جوڑا ہے، اسی شعبۂ عبادت اور نظامِ عبادت میں نماز بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

نماز کا حکم عرش پر ملا

نماز کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے بھی لگا سکتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے شریعت کے تمام احکام حضرت جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام کے واسطے سے نبیٔ کریم ﷺ کے اوپر نازل فرمائے، جب کہ نماز کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم ﷺ کو باقاعدہ اپنے پاس بلایا اور بہ ذات خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ تحفہ، یہ عطیہ اور حکم نبیٔ کریم ﷺ کو عطا فرمایا کہ آپ کی امت کے اوپر ۵۰ نمازیں فرض کی جاتی ہیں، اس

سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نماز کی کتنی بڑی اہمیت ہے۔

پنج وقتہ نمازوں کی فرضیت کا واقعہ

معراج کا واقعہ تو آپ نے سنا ہی ہوگا، نماز کے اس حکم کو بتلانے کے لیے عجیب وغریب انداز اختیار کیا گیا کہ ابتدا میں ۵۰ ؍نمازوں کے فرض ہونے کا حکم دیا گیا، نبئ کریم ﷺ واپس لوٹ رہے تھے تو راستے میں حضرتِ موسیٰ علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام سے ملاقات ہوئی اور حضور ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا حکم دیا؟ تو نبئ کریم ﷺ نے فرمایا کہ امت پر پچاس نمازیں فرض فرمائی ہیں، تو حضرتِ موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ تو بہت زیادہ نمازیں ہیں، آپ کی امت اس کو نبھا نہیں سکے گی، مجھے بنی اسرائیل کا بڑا تجربہ ہے، اس لیے آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں جا کر اس میں کچھ کمی کرائیں۔

چناں چہ پھر لوٹے، اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچ کر کمی کی درخواست کی تو پانچ نمازیں کم کی گئیں، دوبارہ حضرتِ موسی علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام نے سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے دوبارہ وہی بات کہی اور کمی کی درخواست کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس بھیجا تو دوبارہ پانچ نمازیں کم گئیں، اس طرح اللہ تعالیٰ نے نبئ کریم ﷺ کو اپنے ساتھ بات چیت کرنے کا عجیب وغریب موقع عطا فرمایا۔

اوراخیر میں جب یہ پانچ نمازیں باقی رکھی گئیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ فرمان دیا گیا کہ یہ پانچ نمازیں پچاس نمازوں کے قائم مقام ہیں اور ہر نماز پر اللہ

تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دس نمازوں کا ثواب ملے گا[۱]۔

فرض نمازوں کی تعداد

نماز کے سلسلے میں بھی شریعت نے ایک پورا نظام قائم فرمایا ہے، کچھ نمازیں تو وہ ہیں جو فرض قرار دی گئی ہیں، چناں چہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں: (۱) فجر (۲) ظہر (۳) عصر (۴) مغرب (۵) عشا، اس میں جو رکعتیں ادا کی جاتی ہیں، وہ فرض ہیں کہ ہر بندے کے لیے ضروری ہے کہ بڑے اہتمام کے ساتھ اس کو ادا کریں، ادا نہ کرنے کی صورت میں فرض کا چھوڑنے والا اور گنہگار قرار دیا جائے گا۔

بعض سنت اور نفل نمازیں

اور بعض نمازیں وہ ہیں جو فرض نہیں ہیں بلکہ ان کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھ کر کے امت کے لیے مسنون قرار دیا، یہ نفل نمازیں ہیں، جیسے تہجد ہے، اشراق ہے، چاشت ہے، اوابین ہے اور فرض نمازوں سے پہلے اور بعد میں جو کچھ رکعتیں پڑھی جاتی ہیں، وہ نفل ہیں، فرض نہیں ہیں لیکن ان نمازوں کے ذریعہ سے بندہ اپنا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ قائم کرتا ہے۔

نماز خالق اور مخلوق کے درمیان رشتہ قائم کرنے والا ذریعہ

اس کے علاوہ بھی نمازیں ہیں، کوئی پابندی نہیں ہے بلکہ چند اوقات کو چھوڑ کر کے بندہ نماز کے ذریعہ اپنا کنٹیکٹ، اپنا رشتہ اور اپنا تعلق قائم کرسکتا ہے، یہ وہ عظیم نعمت ہے

---

[۱] صحیح البخاری، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ، بَابٌ كَيْفَ فُرِضَتِ الصَّلاَةُ فِي الإِسْرَاءِ؟ ر:۳۴۹.

جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے عطا فرمائی، اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اس کا بڑا اہتمام کریں اور مزید یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے نماز کی نسبت سے اپنے بندوں کو اپنی بارگاہ میں، اپنے دربار میں حاضری کی صرف اجازت ہی نہیں بلکہ حکم دے دیا۔

دنیوی معمولی حکام سے ملاقات کی دشواریاں

آج دنیا کے معمولی معمولی حاکموں کا حال یہ ہے کہ جب کوئی ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہے تو ایسا نہیں ہے کہ جب جی میں آیا منہ اٹھا کر چل دیے اور اس کے گھر یا اس کے دفتر میں ملاقات ہو گئی، نہیں! بلکہ ان سے ملاقات کے لیے آپ کو باقاعدہ پہلے سے وقت لینا پڑے گا اور اس کے لیے بھی معلوم نہیں، کیسے کیسے لوگوں کی سفارشیں آپ کو حاصل کرنی پڑے گی پھر مختصر وقت کے لیے موقع دیا جائے گا۔

اور یہاں رب العالمین، ساری کائنات کو پیدا کرنے والا، بڑی عظمتوں اور بڑائیوں کا مالک، وہ پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ اپنا نام لینے کی ہمیں اجازت دے دیتا تو بھی ہمارے لیے یہ بہت بڑے احسان اور سعادت کی بات تھی، چہ جائے کہ اس ذات نے دن رات کے ۲۴ ر گھنٹوں میں ہمیں اپنے دربار میں پانچ مرتبہ حاضری کا حکم دیا۔

نماز کوئی ٹیکس نہیں ہے

کوئی یہ نہ سمجھے کہ نعوذ باللہ ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں پیدا فرمایا، کھلایا، پلایا،

نعمتیں عطا فرمائیں تو یہ نماز کوئی ٹیکس کے طور پر ہم لازم کی گئی ہو۔

اور کوئی یہ بھی نہ سمجھے کہ نعوذ باللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری عبادتوں کے محتاج ہیں، ہماری نمازوں، ہمارے سجدوں، ہمارے رکوع، ہماری تلاوت اور ہمارے ذکر واذکار کی وجہ سے نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی میں زیادتی ہوجاتی ہے۔ ہرگز نہیں!۔ اللہ تعالیٰ کی شان تو بہت بڑی ہے، ہماری عبادتوں کی اور ہمارے ذکر واذکار کی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔

حدیثِ قدسی کی عام فہم تعریف

آپ نے فضائل اعمال میں وہ حدیث تو سنی ہی ہوگی، مسلم شریف میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو کہ حدیث قدسی ہے، حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد نقل کریں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا۔

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں

وہ حدیث تو بہت لمبی چوڑی ہے، فضائلِ ذکر میں آپ اس کو دیکھ سکتے ہیں، میں اس کے دو ٹکڑے پیش کرتا ہوں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باری تعالیٰ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَ آخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا: باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، تمھارے انسان اور جنات، سب کے سب ایسے بن جائیں

جیسے دنیا میں سب سے زیادہ نیک آدمی ہے، اللہ کا سب سے زیادہ مطیع اور فرماں بردار ہے، اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا۔ پوری انسانیت میں اللہ کا سب سے زیادہ مطیع اور فرماں بردار کون ہے؟ نبیٔ کریم ﷺ! گویا سب لوگ ایسے فرماں بردار بن جائیں تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں: مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا: کہ: تمھارے سب کے سب کے اس طرح فرماں بردار بن جانے سے میرے ملک میں، میری عظمت میں، میری کبریائی میں، میری بڑائی میں کوئی زیادتی ہونے والی نہیں ہے۔

آگے فرماتے ہیں: يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا[۱]: اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، انسان اور جنات، تم میں جو سب سے زیادہ بدکار، سب سے زیادہ اللہ کا نافرمان ہے، اس کی طرح بن جائیں۔ کائنات میں سب سے زیادہ اللہ کا نافرمان کون ہے؟ شیطان! یعنی تم سب کے سب شیطان کی طرح بن جاؤ، کوئی اللہ کا حکم ماننے والا نہ رہے تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری شان میں، میری عظمت میں، میری کبریائی میں، میری بڑائی میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ ہماری عبادتوں کے محتاج نہیں ہیں۔

بے شمار فرشتے آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سر بہ سجود ہیں

روایتوں میں آتا ہے کہ آسمان میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) مسلم شریف، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ، باب تَحْرِيمِ الظُّلْمِ، ر:۲۵۷۷.

کی عبادت میں مشغول نہ ہو، ان فرشتوں کے بوجھ کی وجہ سے آسمان چر چراتا ہے، اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادت کی کوئی ضرورت نہیں ہے[۱]۔

عبادت میں بندے کا فائدہ

اللہ کی بارگاہ میں کوئی سجدہ کرے یا نہ کرے، اس سے اللہ تعالیٰ کی شان میں کوئی فرق آنے والا نہیں ہے، کوئی کرے گا تو اس سے اللہ تعالیٰ کی شان میں کوئی زیادتی ہونے والی نہیں ہے اور کوئی نہیں کرے گا تو اس سے اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت میں کوئی کمی نہیں آنے والی ہے، کوئی کرے گا تو اپنے فائدے کے لیے کرے گا اور کوئی نہیں کرے گا تو وہ اپنی بربادی کی تدبیریں کر رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو ہمیں اپنی عبادت کا حکم دیا ہے، وہ ہمارے فائدے کے لیے ہے، اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبی است

یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں اپنا نام لینے کی فقط اجازت نہیں بلکہ حکم دیا، اگر زندگی میں صرف ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ ہمیں اجازت دیتے کہ بس ایک مرتبہ ہمارا نام لے لو تو بھی ہمارے لیے بڑی سعادت کی بات تھی، ہماری زبانیں اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے سکیں۔ فارسی کا ایک شاعر کہتا ہے:

---

① سنن الترمذی، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابُ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا، ر:۲۳۱۲.

ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب	❁	ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بےادبی است

میں اپنا منہ مشک اور گلاب سے ہزار مرتبہ دھوؤں پھر بھی اے اللہ! تیرا نام لینا کمال بےادبی کی بات ہے۔

ہم اپنی ان گندی زبانوں سے اللہ کا نام لیں!، کہاں اس لائق ہیں، یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ہمیں اتنا ہی نہیں کہ اپنا نام لینے کی اجازت دی بلکہ حکم دیا۔

نماز کی شکل میں اپنے دربار میں دن رات میں پانچ مرتبہ حاضری کے لیے بلایا کہ آؤ اور میری عبادت کرو، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ بہت بڑا کرم ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت والی شان ہے۔

اللہ تعالیٰ کی دو شان: محبوبانہ شان اور محبانہ شان

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل کے اندر ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک تو اللہ تعالیٰ کی حاکمانہ شان ہے اور ایک اللہ تعالیٰ کی مُحبانہ اور عاشقانہ شان ہے، اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ محبت کا تعلق بھی ہے اور بندوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ﴾[البقرة ١٦٥] کہ: ایمان والے اللہ تعالیٰ سے ٹوٹ کر محبت کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بڑی محبت فرماتے ہیں، اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ نماز پڑھو۔

نماز تو ایسی عجیب وغریب چیز ہے اور ایسا حکم ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس بلا کر یہ حکم دیا، شریعت کے سارے احکام حضرت جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام کے ذریعہ بھیجے گئے لیکن نماز کے لیے آسمانوں پر بلایا گیا اور وہاں سے یہ نماز اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ اور انعام کے طور پر عطا کی گئی ہے۔

دین میں نماز کا درجہ جسم میں سر کے جیسا

نماز کتنی اہم اور عظیم عبادت ہے، ہم اور آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے، خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نقل فرماتے ہیں: لَا دِينَ لِمَنْ لَا صَلَاةَ لَهُ، إِنَّمَا مَوْضِعُ الصَّلَاةِ مِنَ الدِّينِ كَمَوْضِعِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ [۱] کہ: جو آدمی نماز نہ پڑھے، اس کے اندر دین نہیں ہے، دینِ اسلام میں نماز کا مقام اور اور اس کی حیثیت وہی ہے جو آدمی کے جسم کے اندر سر کی ہوا کرتی ہے۔ اگر سر کاٹ لیا جائے تو انسان باقی نہیں رہتا، اسی طرح اگر نماز نہ ہو تو وہ اسلام پر قائم نہیں رہتا۔

انسان اور کفر کے درمیان فاصلہ اقامتِ صلاۃ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت مسلم شریف کے اندر ہے: بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ [۲] کہ: بندے اور کفر وشرک کے درمیان نماز چھوڑنے ہی کا فاصلہ ہے، اگر آدمی نماز چھوڑ دے تو آدمی کفر کے اندر داخل ہو جائے گا۔

---

(۱) المعجم الصغير للطبرانی، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، مَسَانِيْدُ مَنِ اسْمُهُ أَحْمَدُ، ر:۱٦۲.

(۲) صحيح مسلم، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، بَابُ بَيَانِ إِطْلَاقِ اسْمِ الْكُفْرِ عَلَى مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ، ر:۸۲.

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا سَهْمَ فِي الْإِسْلَامِ لِمَنْ لَا صَلَاةَ لَهُ[1] کہ: جو آدمی نماز نہ پڑھے، اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ نماز نہ پڑھے اور اپنے آپ کو مسلمان کہے!، گویا وہ اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ نماز چھوڑنے کے بعد وہ اپنے آپ کو مسلمان کہے۔

نماز چھوڑنے والا ائمۂ مجتہدین کی نگاہوں میں

بہت سے علماء اور ائمہ وہ ہیں جو نماز چھوڑنے والے کو ایمان سے نکلا ہوا قرار دیتے ہیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی آدمی اگر جان بوجھ کر نماز چھوڑے گا تو کافر ہو جائے گا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز چھوڑنے والے کی سزا قتل ہے۔ لیکن عام طور پر علماء نماز چھوڑنے والے کو کافر نہیں کہتے۔ لیکن جو آدمی نماز نہ پڑھے، بھلا اس کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرے۔

نماز دین کا بنیادی ستون ہے

بلکہ نماز کو دین کا بنیادی ستون قرار دیتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: الصَّلاةُ عِمَادُ الدِّينِ، مَنْ أَقَامَهَا فَقَدْ أَقَامَ الدِّين وَمَنْ هَدَمَها فَقَدْ هَدَم الدِّينَ[1] کہ: نماز

---

① مسند البزار، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ر:۸۵۳۹.

② قال العراقي: أخرجه البيهقي في الشعب بسند ضعيف من حديث عمر قال الحاكم عكرمة لم يسمع من عمر قال وأراه ابن عمر ولم يقف عليه ابن الصلاح فقال في مشكل الوسيط إنه غير معروف. (تخريج أحاديث إحياء علوم الدين للعِراقي (۷۲۵ -۸۰۶ ھ)، ابن السبكی (۷۲۷ - ۷۷۱ھ)، الزبيدي (۱۱۴۵ - ۱۲۰۵ ھ)

دین کا بنیادی ستون ہے، جس نے نماز کو قائم کیا، اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے نماز کو ڈھایا، اس نے گویا دین کو ڈھایا۔

عربوں میں عام طور پر خیمے لگانے کا دستور اور رواج تھا، آپ نے اگر خیمہ دیکھا ہو تو معلوم ہوگا کہ خیمے میں بیچ میں ایک ستون ہوتا ہے، اس کو عربی زبان میں عِماد کہتے ہیں، خیمہ بس اسی ایک ستون پر قائم ہوتا ہے، اگر وہ ستون کھڑا ہے تو خیمہ قائم ہے اور اگر وہ گر گیا تو پورا خیمہ ختم ہوجائے گا تو نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ دینِ اسلام کی یہ عمارت اور دین کا خیمہ اسی نماز کے اوپر قائم ہے، جو آدمی نماز کو قائم کرے گا، اس نے گویا دین کو قائم کیا، باقی رکھا اور جس نے نماز کو اور اس ستون کو ڈھے دیا، اس نے گویا دین کو ختم کر دیا۔

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے یہاں نماز کا اہتمام اور ہماری غفلت

حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضراتِ صحابیات رضی اللہ عنہن کے یہاں نمازوں کا بڑا اہتمام تھا، حکایاتِ صحابہ میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں ان حضرات کا نماز کے ساتھ شغف اور ولولہ بیان کیا ہے، وہاں ان روایات کو اور ان واقعات کو پڑھیے جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ حضرات نماز کا کتنا زیادہ اہتمام کیا کرتے تھے۔

اور آج ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں، اس میں نماز کی طرف سے کتنی غفلت برتی جارہی ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ہماری زندگیاں ایسی غفلت والی بن چکی ہیں کہ ظاہری اعتبار سے ہماری زندگی اور ایک غیر مسلم کی زندگی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا، اللہ

تبارک وتعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم نماز کا اہتمام کرنے والے بن جائیں۔

نماز کی پابندی دوسری عبادتوں کی توفیق میں معین

نماز ایسی عجیب وغریب چیز ہے کہ جو شخص اس کو قائم کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اس کا تعلق قائم رہتا ہے، ہمارے بزرگوں نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے کہ نماز کا خاص اہتمام کیا جائے، وہ نیکیاں جو انسان کو بھلائی کے راستے پر قائم رکھنے والی ہیں، ان میں سے ایک نماز ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جزاء الاعمال کے اخیر میں چند ایسی طاعتوں کا تذکرہ کیا ہے کہ جو بندہ ان کا اہتمام کرے گا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوسری طاعتوں اور عبادتوں کی توفیق عطا فرمائیں گے، ان طاعتوں میں ایک نماز کو بھی شمار کرایا ہے۔

پورے گھر کے نمازی بننے کا مدار عورتوں کے نمازی بننے پر

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ نماز بڑی اہمیت کی حامل ہے اور ساری برکات کا مجموعہ ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے گھر نمازوں سے آباد ہوں۔ آج کل اس اہم مسئلے کو حل کرنا عورتوں کے ہاتھ میں ہے، اگر عورتیں اس کا اہتمام کرلیں اور اپنے آپ کو نماز کا عادی بنالیں تو میں سمجھتا ہوں کہ پورا گھر ان کی وجہ سے نمازی بن جائے گا، خاص کر کے بچوں کا مزاج اور گھر کے چھوٹے بڑوں کا مزاج نماز کا ہوجائے گا، اس لیے نماز کی طرف خاص طور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس لیے میں اپنی بہن اور بیٹیوں سے کہوں گا کہ آپ کے گھر کے اندر کوئی ایسا فرد اور کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہنا چاہیے جو

نماز کا اہتمام نہ کرتا ہو، گھر کے تمام افراد نماز کے پابند ہوں، اگر گھر کی بڑی اور ذمہ دار قسم کی عورتیں اس کی طرف توجہ کرلیں تو مجھے یقین ہے کہ پورا گھر آسانی کے ساتھ نمازی بن جائے گا، خاص کر کے عورتیں اپنی بیٹیوں کو، اپنی بہوؤں اور دوسری بچیوں کو اور بچوں کو نماز کی طرف متوجہ کریں، بڑوں میں اپنے شوہروں کو، اپنے بھائیوں کو بھی نماز کی طرف متوجہ کرے تو اس صورت میں پورا گھر نمازی بن سکتا ہے۔

آپ اپنی ضد سے اللہ کا حکم تڑوا سکتی ہیں تو منوا کیوں نہیں سکتیں؟

وہ چیزیں جو شریعت کے خلاف ہیں، عورتیں ضد کر کے منوالیا کرتی ہیں، شادی بیاہ کے موقع پر جو شکلیں پیش آتی ہیں، اس میں اچھے خاصے دین دار قسم کے مرد بھی ان کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال کر ایسی حرکتیں کر گذرتے ہیں کہ لوگ ان کو کہتے ہیں کہ مولوی صاحب! آپ نے یہ کیا کرلیا؟ تو وہ کہتے ہیں کہ بھائی! کیا کریں؟، گھر کی عورتیں نہیں مانتیں، جب عورتیں اپنی ضد اور ہٹ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو تڑوا سکتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کو منوانا تو بہت آسان ہے۔

بہر حال! خود نماز کا اہتمام کریں، نماز ایسا عجیب وغریب برکتوں والا عمل ہے کہ یہ نماز جس گھر میں آگئی، وہ گھر برکتوں کا نمونہ بن جاتا ہے، اس لیے نماز کی خاص طور پر پابندی کریں۔

کون سے نمازی مؤمن فلاح یاب ہیں؟

قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے نماز کو فلاح فرمایا ہے:﴿قَدْ أَفْلَحَ

ٱلْمُؤْمِنُونَ ۝١ ٱلَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝٢﴾ وہ ایمان والے فلاح یاب ہیں جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں، نماز خالی پڑھنا نہیں ہے بلکہ خشوع کے ساتھ، دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر کے نماز پڑھیں۔

اور نماز کے لیے بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے نماز کو جس انداز سے پڑھنے کا حکم دیا ہے، اس کے تمام فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، آداب اور تمام حقوق اور حدود کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھنا ضروری ہے، اس کا بھی اہتمام ہونا چاہیے۔

اس لیے کہ قرآنِ پاک میں جہاں کہیں بھی نماز کا حکم دیا گیا ہے تو جو لوگ عربی پڑھے ہوئے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ صَلُّوْا نہیں کہا گیا ہے کہ نماز پڑھو بلکہ جہاں کہیں بھی حکم دیا گیا، وہاں ارشاد فرمایا: ﴿اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾: نماز کو قائم کرو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اقامتِ صلوۃ اور نماز کو قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو اس کے تمام فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، آداب، ہر چیز کی رعایت کرتے ہوئے پڑھا جائے، نماز کا کوئی ادب بھی چھوٹنا نہیں چاہیے، نماز کی کوئی چھوٹی سی سنت بھی نہ چھوٹنے پائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے گورنروں کے نام تاریخی فرمان

اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے گورنروں کے نام ایک فرمان جاری کیا تھا، جس کو حضرتِ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''موطا'' میں

شروع ہی میں نقل کیا ہے، جس میں اپنے ماتحت حکمرانوں کو فرماتے ہیں: إِنَّ أَهَمَّ أَمْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلاَةُ، فَمَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا، حَفِظَ دِينَهُ، وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ[۱] کہ: تمھارے سارے کاموں میں، چاہے وہ دین کے کام ہوں یا دنیا کے کام ہوں، میرے نزدیک سب سے مہتم بالشان، سب سے اہمیت کا حامل اور سب سے اہم کام نماز والا کام ہے، نماز سے اہم کوئی کام نہیں ہے، جس آدمی نے اس کی پابندی کی، حَفِظَهَا کا مطلب ہی یہ ہے کہ نماز کو جیسا پڑھنا چاہیے، ویسا پڑھا، اس کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، ساری چیزوں کی رعایت کرتے ہوئے پڑھا۔ جب تک کہ اس طرح نماز پڑھنے کا اہتمام نہیں کیا جائے گا، وہاں تک نماز کی حقیقت حاصل نہیں ہوگی۔

خشوع کی طرف سے ہماری غفلت

قرآنِ پاک میں نماز کو فلاح کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے لیکن ایک شرط کے ساتھ، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قَدْ أَفْلَحَ ٱلْمُؤْمِنُونَ ۝١ ٱلَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَٰشِعُونَ ۝٢﴾ [المؤمنون] وہ ایمان والے فلاح یاب اور کامیاب ہیں جو اپنی نماز کو خشوع کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

ہم لوگوں نے خشوع کو کوئی اہمیت نہیں دی، سالہا سال سے ہم لوگ نماز پڑھ رہے ہیں بلکہ زندگی ختم ہونے کو آئی لیکن خشوع اپنی نمازوں میں نہیں ہے، اس کی کوئی

---

[۱] موطأ امام مالك، عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، بَابُ وُقُوتِ الصَّلَاةِ، ر:٦.

پرواہ بھی نہیں ہے، نماز کے اندر دھیان نہیں لگتا، اس کا بھی خیال نہیں آیا، اس کا کبھی نوٹس نہیں لیا۔

میں کہا کرتا ہوں کہ اگر کسی آدمی کو دو دن تک کھانے کی لذت محسوس نہ ہو تو وہ بے چین ہو جاتا ہے اور بے چین ہو کر کے ڈاکٹر یا حکیم کے پاس جا کر کہے گا کہ ڈاکٹر صاحب! دو دن ہو گئے، کھانا کھا رہا ہوں لیکن کچھ پتہ ہی نہیں چلتا، کچھ لذت ہی محسوس نہیں ہوتی اور پھر اس کے علاج کے لیے ہزاروں روپے خرچ کرنے کے لیے ہم تیار رہتے ہیں۔ بغیر لذت کے کھانا ہمیں دو تین دن گوارا نہیں اور نماز بغیر خشوع اور لذت کے زندگی بھر سے پڑھتے چلے آرہے ہیں لیکن اس میں خشوع پیدا کرنے کے لیے جس نوع کی محنت کرنی چاہیے، اس کی طرف توجہ نہیں کی۔

بہر حال! نماز کے اندر خشوع پیدا کرنا نہایت ہی ضروری ہے اور اس کے لیے اولین شرط یہ ہے کہ حضراتِ فقہاء نے اپنی کتابوں میں نماز کے سلسلے میں جو تفصیلات لکھی ہیں، ہم اپنی نماز کو اس کے مطابق بنائیں۔

بچپن میں بھی بچپن والا طریقۂ نماز

ہمارا حال یہ ہے کہ ہم چوں کہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے ہیں تو بچپن ہی سے جب اس لائق ہو جاتے ہیں کہ نماز کو سمجھ سکیں تو ماں باپ نماز کا طریقہ بتلا دیتے ہیں اور نماز پڑھنے کے لیے آمادہ کرتے ہیں، بچپن سے ماں باپ نے جو طریقہ بتلا دیا تھا، انھوں نے تو مکمل ہی بتلایا تھا لیکن بچپن کی وجہ سے اس طریقے کے مطابق نماز کی

ادائیگی کے سلسلے میں ہم سے بہت ساری کوتاہیاں ہوتی ہیں تو اس وقت سے جو نماز پڑھ رہے ہیں، بس وہی نماز چل رہی ہے۔

نماز کا بھی رینوویشن کیجیے

اس کے بعد ہمارے طلبہ مدرسے میں داخلہ لیتے ہیں، طالبات ہیں، مدرسوں میں داخلہ لیتی ہیں اور نصاب کے اندر بہت ساری کتابیں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں جس میں نماز کی ساری تفصیلات ہیں، سب پڑھ لی لیکن کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ ہم اپنی نمازوں کا موازنہ کریں کہ کیا ہم جس انداز میں نماز پڑھ رہے ہیں، وہ کتابوں میں جو نماز بیان کی جارہی ہے، اس نماز کے مطابق ہے یا نہیں؟ آج کل عام مزاج بن گیا ہے رینوویشن کا کہ گھر کو دو چار سال ہوگئے کہ رینوویشن کرو، اس کا رنگ بدلوائیں گے، اس کا فرنیچر ٹھیک کرائیں گے اور نماز بچپن سے پڑھتے چلے آرہے ہیں لیکن کبھی نماز کے رینوویشن کا خیال نہیں آتا، حالاں کہ اس کی ضرورت ہے کہ اس کا مذاکرہ کیا جائے۔

گھروں میں نماز اور دعاؤں کے مذاکرہ کا اہتمام

میں اپنی بہن بیٹیوں سے ضرور کہوں گا کہ اپنے گھروں کے اندر باقاعدہ نماز کا مذاکرہ کرو، ہفتے میں ایک یا دو دن ایسے ہونے چاہئیں کہ گھر کی تمام عورتیں: ماں، بیٹیاں، بہنیں، بہوئیں، پوتیاں، نواسیاں سب بیٹھ کر کے نماز کا مذاکرہ کریں اور نماز کی عملی مشق بھی کریں۔ اور ایک دن ایسا بھی ہونا چاہیے کہ نماز کے اندر جو سورتیں اور دعائیں اور کلمات پڑھے جاتے ہیں، ان کے یاد کرنے، کرانے اور سننے سنانے کا بھی

اہتمام ہو کہ تشہد، التحیات کیا ہے، ہر شخص اس کو پڑھے اور دوسروں کو سنائے، اسی طرح سورۂ فاتحہ، چھوٹی چھوٹی چند سورتیں، درود شریف، دعائے قنوت، تسبیحات، ان تمام کے سیکھنے، سکھانے کا اور نماز کے مسائل کو جاننے اور سننے کا اہتمام ہونا چاہیے۔

اس کے بعد نماز کو عملی طور پر پڑھ کر ایک دوسرے کو دکھلانے کا اہتمام بھی کیا جائے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے بڑے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کا خاص اہتمام کرتے تھے۔

اکابر صحابہ بھی اپنے ماتحتوں کو نماز کی عملی تعلیم دیتے تھے

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا: أَلاَ أُصَلِّي بِكُمْ صَلاَةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ کہ میں تم کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والی نماز پڑھ کے نہ بتلاؤں؟ اس کے بعد لوگوں کو نماز پڑھ کر بتلائی[①]۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں جب کہ وہ دنیا کے بہت بڑے حصے کے حاکم تھے، امیر المؤمنین تھے، اس کے باوجود پانی منگوایا اور لوگوں کے سامنے وضو کر کے بتلایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کا طریقہ یہ تھا[②]۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں پانی منگوایا اور لوگوں کے سامنے وضو کر کے بتلایا[③]۔

---

① سنن الترمذی، عَنْ عَلْقَمَةَ، باب ما جاء أن النبي ﷺ لم يرفع إلا في أول مرة، ر:۲۵۷.

② صحیح البخاری، عَنْ حُمْرَانَ، ر: ۱۹۳٤.

③ السنن الكبرى للبيهقى، عَنِ النَّزَّالَ بْنَ سَبْرَةَ، بَابُ قِرَاءَةِ مَنْ قَرَأَ وَأَرْجُلَكُمْ نَصْبًا، ر:۳٥٤.

معلوم ہوا کہ یہ نماز والے اعمال ایسے ہیں کہ اس کو سیکھنے اور سکھانے کا اہتمام کریں اور بڑے اس کا عملی نمونہ اپنے چھوٹوں کے سامنے پیش کریں، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما جس وقت امیر المؤمنین تھے، اس وقت ان سے بڑھ کر دنیا اور آخرت میں کس کا مقام ہوگا؟ اس کے باوجود انھوں نے وضو جیسا عمل جو نماز کی کنجی اور چابی کی حیثیت رکھتا ہے، اپنے ماتحتوں کے سامنے عملی طور پر کر کے بتلا رہے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ بڑوں کو اپنے چھوٹوں کے سامنے ان چیزوں کے عملی نمونے پیش کرنے چاہئیں؛ تاکہ عمل آسان ہو جائے۔

بچوں کی نماز کا معائنہ آپ کی ذمہ داری

آپ گھر کی بڑی اور ذمہ دار ہیں، شوہر بھی ذمہ دار ہے، ماں باپ ذمہ دار ہوتے ہیں، اولاد ان ہی کی ماتحتی میں ہوتی ہے تو بہ حیثیت ذمہ دار کے آپ کو چاہیے کہ نماز کے سیکھنے، سکھانے کا بھی باقاعدہ اہتمام ہو، باقاعدہ ان کی نماز سنی جائے، دیکھی جائے، ایک وقت مقرر کیا جائے اور اس وقت میں ان کو نماز کے مسائل بھی بتائے جائیں اور سنے بھی جائیں؛ تاکہ پتہ چلے کہ ان کو نماز کے مسائل یاد ہیں بھی یا نہیں، اسی طرح ان سے نماز پڑھوا کر دیکھا جائے؛ تاکہ پتہ چلے کہ وہ سنت طریقے کے مطابق صحیح نماز پڑھتے ہیں یا نہیں۔

گھر میں نماز کا ماحول بننے کی برکت

یہ تو نماز کی بات ہوئی۔ جب نماز کا ماحول گھر کے اندر ہوگا تو اس کی برکت سے

شریعت جو گھر میں دینی ماحول چاہتی ہے، وہ پیدا ہوگا، قرآن پڑھنے، پڑھانے کا سلسلہ بھی قائم ہوگا کہ نماز بلا صحیح قرآن پڑھے درست نہیں ہوتی تو اس کی برکت سے قرآن کے سیکھنے سکھانے کا، مسائل کے سیکھنے سکھانے کا، دعاؤں کے سیکھنے سکھانے کا، آداب کے سیکھنے سکھانے کا ماحول بھی پیدا ہو جائے گا کہ کھانے کا سنت طریقہ کیا ہے، کھانا کس طرح کھایا جاتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے ہمیں کیا دعا تعلیم فرمائی ہے، شروع میں کیا دعا ہونی چاہیے، کس طرح بیٹھا جائے، کون سے ہاتھ سے کھایا جائے، کس طرح لقمہ لیا جائے، کھانے کے دوران کیا پڑھا جائے، کھانے کے بعد کیا دعا پڑھنی چاہیے اور کسی کے یہاں دعوت ہو تو کیا دعا پڑھنی چاہیے۔ یہ تو کھانے کی بات ہوئی، یہی حال سونے کے وقت کی دعا اور آداب کا، قضائے حاجت کے لیے بیت الخلا میں جانے اور نکلنے کا، گھر میں آنے اور جانے کا ہے۔

ہمارے طبعی تقاضے بھی عبادت بن سکتے ہیں

الغرض جتنے بھی ہمارے طبعی تقاضے ہیں، جن کو ہم پورے کرتے ہیں، ان کو بھی انجام دینے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طریقے بتلائے ہیں، ان کاموں کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بتلایا ہوا طریقہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتلائی ہوئی اس وقت کی دعائیں اور آداب، یہ ساری وہ چیزیں ہیں جو ہماری زندگی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق بناتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی لیے بھیجا کہ آپ ہمیں زندگی گذارنے

کا طریقہ بتائیں کہ ہم کھانا کس طرح کھائیں، ہم کس طرح سوئیں، کس طرح قضائے حاجت کے لیے جائیں، کس طرح ہم باتیں کریں، گھر کے اندر ہمارا وقت کس طرح گذرنا چاہیے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک سنت اتنی قیمتی ہے کہ پوری دنیا بھی اس کی قیمت نہیں بن سکتی اور نہ اہل دنیا اس کی قیمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں، چھوٹی چھوٹی سنتوں پر عمل کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کی زندگی کو برکتوں سے بھر دیا کرتے ہیں۔

عمل بالسنہ کی کرامت کا ایک واقعہ

ابھی چند دن پہلے کا قصہ ہے، میرا دیوبند جانا ہوا تھا وہاں کی شوریٰ کی شرکت کی دعوت کی بنا پر، وہاں حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم جو حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے داماد بھی ہوتے ہیں، ان کے جانشین بھی ہیں اور حضرت شاہ احمد صاحب پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا میں سے بھی ہیں اور حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی مجاز ہیں۔

انھوں نے یہ واقعہ بتلایا کہ ایک آدمی نے قرضے کے متعلق شکایت کی، اس کو بتلایا کہ کھانے سے پہلے دونوں ہاتھ پہنچوں تک دھوئے، یہ سمجھ کر کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے، صرف دھونا کافی نہیں ہے بلکہ دھونے کے ساتھ ساتھ دل ودماغ میں یہ تصور ہونا چاہیے کہ میں جو یہ کھانے سے پہلے پہنچوں تک ہاتھ دھو رہا ہوں، یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی طرح کھانے سے پہلے ہاتھ دھوتے تھے اور اسی

طرح کھانے کے بعد بھی ہاتھ دھونا ہے اور یہی تصور قائم کرنا ہے کہ میں نبیٔ کریم ﷺ کی سنت کی پیروی کرتا ہوں، سنت کے مطابق عمل کرنا ایک چیز ہے اور عمل کرنے کے ساتھ ساتھ دل ودماغ میں یہ تصور کرنا کہ میں جو عمل کرر ہا ہوں، وہ نبیٔ کریم ﷺ کا طریقہ ہے، سنت سمجھ کر کرنا یہ بڑی اہمیت کی چیز ہے، اسی سے آدمی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا ہوتا ہے۔

توحضرت حکیم کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اس کا فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ چند ہی دنوں میں اس آدمی کا قرضہ ادا ہوگیا، قرض کی ادائیگی کا یہ بہت ہی آسان نسخہ بتلایا اور فرمایا کہ جس کو بھی یہ نسخہ بتلایا اور اس نے اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کے قرضے ادا ہو گئے۔

بچوں کو بھی اسی تصور کی تعلیم دیں

حالاں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے اس سنت کو اس لیے مشروع نہیں فرمایا کہ اس سے قرضہ ادا ہوجائے لیکن اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کی سنتوں کے کتنے عجیب وغریب فوائد ہیں، اس لیے نبیٔ کریم ﷺ کی یہ سنتیں ہم اپنے بچوں کو بچپن ہی سے سکھائیں اور ساتھ میں یہ تعلیم بھی دیں کہ بیٹا! جب کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھوؤ تو یہ سوچ کر دھونا کہ نبیٔ کریم ﷺ اسی طرح ہاتھ دھویا کرتے تھے۔

گھر میں دینی ماحول قائم کرنے کا ایک فائدہ

میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ گھر کے اندر بچوں کی تعلیم کا ایک ماحول قائم کریں، اس کا

نتیجہ اور فائدہ یہ ہوگا کہ ان کے بعد جو دوسرے بچے پیدا ہوں گے، ان کی تربیت کے لیے آپ کو کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی، ایک بنے بنائے ماحول کے اندر وہ بچے پرورش پائیں گے تو وہ بچے بھی اپنے بڑوں کو دیکھ کر اسی طرح عمل کریں گے جو بڑے کرتے ہیں۔

آج کل بچوں کی تربیت کا یہ مسئلہ بڑا نزاکت اختیار کرتا جا رہا ہے اور لوگوں کے لیے اپنے بچوں کی تربیت بڑی مشکل سے مشکل ہوتی جا رہی ہے، کیوں کہ گھر سے باہر جو ماحول پیدا ہو چکا ہے، اس کی وجہ سے ہر آدمی، نیک سے نیک تر آدمی بھی پریشانی کا شکار اور فکروں میں مبتلا ہے کہ میں اپنی اولاد کو کس طرح ان برائیوں سے بچاؤں۔

بہرحال! خود آپ کو بھی نماز کا اہتمام کرنا ہے اور گھر کے دوسرے افراد سے بھی اس کا اہتمام کروانا ہے۔

حضرت دامت برکاتہم کے والد صاحبؒ کا ایک قابل تقلید معمول

مجھے یاد ہے کہ میرے بچپن میں میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا اچھا معمول تھا، جب کھانے کا وقت آتا تھا تو کھانا لگانے سے کچھ دیر پہلے، دس پندرہ منٹ پہلے والد صاحب دسترخوان بچھوا دیا کرتے تھے، اس زمانے میں کھانے میں ایسا نہیں ہوتا تھا، جیسے آج کل دسترخوان پر مختلف آئٹمیں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے اس کو سجانے میں بڑی دیر لگتی ہے، اس زمانے میں تو معمولی سادہ کھانا ہوتا تھا تو دسترخوان بچھانے کے بعد والد صاحب والدہ کو منع کر دیتے تھے کہ ابھی کھانا مت نکالنا، جب سب بچے بیٹھ جاتے تو

سب سے پہلے سارے بچوں کی نماز سنتے تھے کہ نماز کے ارکان کیا ہیں؟ فرائض کیا ہیں؟ تشہد کیا ہے؟ درود شریف کیا ہے؟ رکوع میں کون سی تسبیح پڑھی جاتی ہے، سجدے میں کون سی تسبیح پڑھی جاتی ہے، یہ ساری چیزیں سنتے تھے، جب یہ درس ختم ہوجاتا تھا تو کہتے تھے کہ اب کھانا نکالو۔

مدرسہ فلاحِ دارین ترکیسر کے ذمہ دار خاندان کا ایک قابل تقلید عمل

یہ تو ایک مثال دے رہا ہوں کہ ایسا کیا جاسکتا ہے، ہمارے حضرت مولانا ذوالفقار صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ترکیسر کے اندر مدرس تھے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، (آمین) انھوں نے مجھے بتلایا تھا کہ ترکیسر کا مدرسہ چلانے والا جو خاندان ری یونین کے اندر ہے، اس کے جو ذمہ دار تھے حاجی یوسف صاحب، ان کے یہاں جمعہ یا اتوار کو۔ مجھے وہ دن ٹھیک سے یاد نہیں رہا، اس دن۔ وہ اپنی تمام بیٹیوں کو، دامادوں اور پورے گھرانے کو جمع کرتے تھے، کھانے کا انتظام ہوتا تھا اور باقاعدہ مجلس اور بیٹھک لگتی تھی، اس میں نماز کے ارکان، اذکار اور ساری چیزوں کا مذاکرہ ہوتا تھا، ایک دوسرے کو سناتے تھے اور اس کام سے فارغ ہوکر کھانا کھاتے تھے، گویا ملاقات کا ایک ذریعہ بھی ہوگیا اور ساتھ ہی ساتھ شریعت کے ایک اہم حکم پر عمل کرنے کے لیے اپنے چھوٹے بڑوں کو تیار کرنے کے لیے جیسا مذاکرہ ہونا چاہیے، اس کا بھی اہتمام ہوگیا، یہ چیز اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

اگر اس طرح اہتمام کیا جائے گا، ہفتے میں ایک دو مرتبہ اس طرح نماز کا مذاکرہ ہوتو

ان شاءاللہ نماز کے اندر جو کمیاں اور کوتاہیاں ہیں، اس کا احساس بھی ہوگا۔ بہت سی کوتاہیاں ایسی ہوتی ہیں کہ بچپن سے چلی آرہی ہیں لیکن مذاکرہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

نماز کے دوران نماز پر ملنے والے انعامات کا استحضار

اور فضائل کی کتابیں تو الحمدللہ ہمارے گھروں میں تعلیم کے نام سے پڑھی جاتی ہیں، ان فضائل کو بھی بہت توجہ سے سننے کی ضرورت ہے کہ نماز کے متعلق جو جو ترغیبیں نبیٔ کریم ﷺ نے دیں، جب آپ نماز کی نیت باندھیں تو وہ ساری ترغیبیں اور فضیلتیں آپ کے دل و دماغ میں حاضر ہوں، آپ کو یہ چیز مستحضر ہو، آپ کے دل میں یہ چیز موجود ہو کہ میرے نماز پڑھنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے کیا انعام عطا فرمائیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہی سے انعام حاصل کرنے کی غرض سے، اللہ تعالیٰ ہی سے اس کا اجر و ثواب حاصل کرنے کی غرض سے نماز کو ادا کیا جائے، اسی کو احتساب کہتے ہیں، کوئی بھی عمل اخلاص اور احتساب کے بغیر اللہ تعالیٰ کے یہاں قابل قبول نہیں ہوتا، اس لیے اس کی عادت ڈالنے کی ضرورت ہے۔

انعامات کے استحضار سے نماز کی لذت حاصل ہوگی

آپ جب رکوع میں جاویں تو رکوع کی کیا فضیلت ہے اور سجدے میں جاویں تو سجدے کی کیا فضیلت ہے اور سجدے میں جانے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا ملتا ہے، یہ سب آپ کے دل و دماغ میں تازہ ہونا چاہیے اور نماز کے دوران آپ جن جن ارکان

کو ادا کریں تو ان کی ادائیگی کے دوران یہ ساری چیزیں آپ کے دل و دماغ میں ہونی چاہئیں، اس کی وجہ سے نماز کی لذت بھی حاصل ہوگی۔

بہر حال! گھروں میں نماز کا باقاعدہ مذاکرہ ہو، گھر کی جو بڑی عورتیں ہیں، وہ اپنی بیٹیوں کو، اپنی بہوؤں کو، چھوٹے بچوں کو لے کر بیٹھیں، نماز کے بارے میں ہر اعتبار سے مذاکرہ کریں، اس کی وجہ سے نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ بھی سب کو معلوم ہوگا اور فضائل کی تعلیم جب ہوگی تو اس کی ترغیب بھی ہوگی، شوق بھی پیدا ہوگا اور نماز کے اندر جو غلطیاں ہیں، وہ بھی دور ہو جائیں گی۔

نماز کے مذاکرہ کا فائدہ: برسوں کی غلطی دور ہوئی

ہمارے یہاں رمضان کے اندر اعتکاف کے دوران نماز کا مذاکرہ کرنے کے لیے بھی ایک مخصوص وقت رکھا گیا ہے، ایک مرتبہ ایک بڑے مولانا آئے تھے، کہنے لگے کہ میں زندگی میں پہلی مرتبہ اس میں شریک ہوا اور مجھے اپنی ایک ایسی غلطی کا احساس ہوا جس کا میں بچپن سے شکار تھا لیکن اس کی طرف میرا دھیان نہیں تھا۔

اس لیے یہ بہت ضروری ہے کہ گھر کی جو بڑی عورت ہے، وہ دوسری چھوٹی عورتوں کو: بیٹیوں کو، بہوؤں کو پوتیوں، نواسیوں کو لے کر بیٹھے اور نماز کا مذاکرہ کریں، نماز میں پڑھی جانے والی دعائیں، سورتیں صحیح طریقے سے ادا کر کے ایک دوسرے کو سنانے کا اور نماز پڑھ کر کے ایک دوسرے کو دکھانے کا اہتمام کیا جائے؛ تاکہ ہماری نمازیں جیسی ہونی چاہئیں، اس طریقے سے ادا کرنے کی توفیق ہو۔

نماز کے مذاکرے کا ایک اَور فائدہ

اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ گھر کے جو چھوٹے بچے ہیں، جو ابھی نماز پڑھنے کی عمر کو نہیں پہنچے ہیں، ان کے اندر بھی نماز کا مزاج بنے گا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ماں نماز پڑھتی ہے تو اس کا دو تین سال کا چھوٹا بچہ بھی جلدی جلدی ماں کے برابر میں آ کر کھڑا ہو جاتا ہے، ماں جب رکوع میں جاتی ہے تو رکوع میں جاتا ہے اور جب سجدے میں جاتی ہے تو یہ بھی سجدے میں جاتا ہے اور سجدہ آتا نہیں ہے تو لیٹ جاتا ہے لیکن نقل اتارتا ہے اور تربیت اسی طرح ہوتی ہے۔

تربیت کے معاملے میں ماحول جو کردار ادا کرتا ہے، باتیں اور ہدایتیں وہ کردار ادا نہیں کرتیں، اس لیے گھروں میں نماز کا ماحول بنایا جائے، بچوں کو نماز کا عادی بنانے کے لیے اس سے بہتر کوئی نسخہ نہیں ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان بچوں کے مزاج میں نماز سرایت کر جائے گی اور جس آدمی کو نماز کے ساتھ تعلق ہوا، اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اس کا تعلق قائم ہو گیا، اللہ تبارک وتعالیٰ ساری دنیا کے احکم الحاکمین اور ساری کائنات کو پیدا کرنے والے پروردگار ہیں، آپ کے بچوں کو نماز کی عادت کیا ملی، گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطے کا ایک ذریعہ مل گیا کہ جس سے وہ اپنی زندگی کے تمام مسائل حل کروا سکتے ہیں۔

مصیبت کے موقع پر نماز کے ذریعہ مدد حاصل کرنے کی تعلیم

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بھی مزاجِ مبارک یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب کوئی دشواری پیش

آتی تھی تو آپ فوراً نماز کی طرف رجوع فرماتے تھے[۱]۔

اور ایسے مصیبت کے موقعے پر باری تعالیٰ نے قرآن میں بھی اسی کا حکم فرمایا ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱسْتَعِينُوا۟ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّـٰبِرِينَ ﴿١٥٣﴾﴾ [البقرة] کہ صبر و تحمل اور نماز کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرو۔

گویا اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کا ایک اعلی اور بہترین ذریعہ نماز ہے اور یہ بچپن ہی سے آپ کی وجہ سے آپ کے بچوں کو حاصل ہوگی، اس لیے آپ ان کو عملی طور پر بھی اور زبانی طور پر بھی نماز کی تاکید کریں۔

مشکلات کے مواقع پر ہمارا بگڑا ہوا مزاج

آج ہمارا مزاج یہ بن گیا ہے کہ جب کوئی دشواری پیش آتی ہے تو کبھی بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آتا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لیں اور اللہ سے مانگیں، ہم اپنی ساری تدبیریں کر لیتے ہیں، اِس کو کہتے ہیں، اُس کو کہتے ہیں، فلانے کو فون کرتے ہیں، کوئی بیمار ہوا تو فلاں ڈاکٹر کو بتلاؤ، سب کچھ کرتے ہیں لیکن نبیٔ کریم ﷺ نے جو تدبیریں کرنے کی تعلیم فرمائی، ان کو نہیں کرتے۔ شریعت کے دائرے میں رہ کر ہم دوسری تدبیریں بھی اختیار کر سکتے ہیں لیکن ہمارا اعتماد، ہمارا بھروسہ، ہماری نگاہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی ہونی چاہیے، کوئی بھی تدبیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کارگر نہیں ہو سکتی، اس تدبیر کو تدبیر سمجھتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کیے بغیر اس میں اثر نہیں آ سکتا،

---

[۱] سنن أبي داود، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابُ وَقْتِ قِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ اللَّيْلِ، ر:۱۳۱۹.

اگر ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے تدبیر کریں تو یہی مفید ہے، اگر ہم تدبیر ہی پر بھروسہ کرلیں تو ہم میں اور غیر مسلم میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔

نماز خالق ومخلوق کے درمیان تعلق قائم کرنے کا بہترین ذریعہ

نماز تو ایک ایسا فریضہ ہے کہ جس کے ذریعہ بندہ اپنا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ قائم کرتا ہے، نماز پڑھنے کے نتیجے میں بندے کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ایک عشق اور محبت کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے، یہ نماز کا بہت بڑا فائدہ ہے، نماز اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان رشتے اور تعلق کے مظبوط ہونے کا ایک اعلی ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اور جب بندے کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑ جاتا ہے، اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے بعد اس کے لیے شریعت کے تمام احکام پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

شروع اسلام میں صرف نماز کا حکم دیے جانے کی حکمت

اسی لیے شروع اسلام میں مکہ مکرمہ میں کوئی اور حکم نہیں آیا تھا، صرف نماز کا حکم تھا، دوسرے احکام: شراب مت پیو، زنا مت کرو، چوری مت کرو، اسی طرح دوسرے احکام مشروع نہیں ہوئے تھے، کیوں کہ شریعت کے احکام پر بندے کے لیے عمل دشوار ہوتا ہے اور اسی وقت بندہ اس پر عمل کرسکتا ہے، جب واقعۃً اللہ تعالیٰ کے حکم کی قدر و قیمت اس کے دل میں ہو اور اللہ کی محبت اس کے دل میں بسی ہوئی ہو۔ تو دوسرے احکام بعد میں دیے گئے ہیں، شروع میں صرف نماز ہی کا حکم تھا، اور اسی نماز کے ذریعہ

سے گویا حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو تعلق، رشتہ، جو ربط اور جو محبت اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ قائم ہوئی، اس کے نتیجے میں ان کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دئے جانے والے تمام احکام پر عمل کرنا بہت زیادہ آسان ہو گیا۔ گویا یہ نماز ہی ہے کہ اگر آدمی صحیح معنی میں نماز کو قائم کرنے کا اہتمام کرے تو اس کی وجہ سے اس کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور اس محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے دوسرے تمام احکام کی بجا آوری اور ان پر عمل کرنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔

نماز میں بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سرگوشی کرتا ہے

نماز کی حالت میں بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات اور سرگوشی کرتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر یہ بات ارشاد فرمائی: إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى يُنَاجِي رَبَّهُ [۱]، اور حضراتِ علماء یہ بات لکھتے ہیں کہ نماز کے امتیازات اور خصوصیات میں سب سے اہم چیز جو بندے کو حاصل ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ نماز کے دوران بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ سرگوشی کر رہا ہوتا ہے، جیسے آدمی اپنے دوست اور محبوب سے چپکے چپکے راز دارانہ انداز میں بات کرتا ہے، نماز کے دوران بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے اسی طرح سرگوشی کرتا ہے۔ یہ ایسا اونچا مقام ہے کہ کوئی اور مقام اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اسی وجہ سے بعض احادیث میں نماز کو مؤمن کی معراج سے تعبیر کیا گیا ہے [۲]۔

---

(۱) صحيح البخارى، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه، بَابُ المُصَلِّي يُنَاجِي رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ، ر:۵۳۱.
(۲) التفسير المظهرى، سورة النور، تحت قوله تعالىٰ: فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ الآية.

بندہ سجدے کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہوتا ہے

نماز ہی کے دوران بندہ جب سجدے میں جاتا ہے تو نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ، وَهُوَ سَاجِدٌ، فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ قریب اگر کسی حالت میں ہوتا ہے تو وہ حالت سجود میں ہوتا ہے، اس لیے سجدے کی حالت میں کثرت سے دعا کیا کرو[1]۔

تو نماز کی شکل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں ایسی عجیب وغریب نعمت عطا فرمائی ہے کہ ہم اس کا جتنا بھی شکر ادا کریں اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر اپنے آپ کو جتنا بھی قربان کریں، کم ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ احکم الحاکمین ہیں، تمام بادشاہوں کے بادشاہ ہیں، ان کی شان، ان کی عظمت، ان کی بڑائی کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا، جب ان کے ساتھ نماز کے ذریعہ ایسا قرب حاصل ہوتا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہو سکتی ہے۔

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ اگر آپ نماز کا مزاج بنائیں گی تو اس کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ یہ ساری چیزیں عطا فرمائیں گے۔

گھر میں نماز کا ماحول پیدا ہونے کا ایک بڑا فائدہ

جس گھر میں نماز والا ماحول پیدا ہو گیا، اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ گھر کا سارا نظام منظم اور مرتب ہوگا، اس لیے کہ فجر کی نماز پڑھنی ہے تو جلدی اٹھنا ہی پڑے گا۔

---

① صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، بَابُ مَا يُقَالُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ، ر:٨٤٢.

آج کل مزاج یہ بنتا جارہا ہے کہ لوگ رات کو دیر سے ڈیڑھ دو بجے سوئیں گے اور پھر صبح نو، دس بجے تک سوئے رہیں گے، نماز کی کوئی فکر نہیں۔ لیکن جب نماز والا ماحول آپ گھر میں پیدا کریں گی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گھر کے تمام افراد کی زندگی ایک خاص نظام کی پابند ہوگی اور اس کی وجہ سے دین کے ساتھ ساتھ دنیوی فوائد بھی حاصل ہوں گے۔

اس لیے آپ کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ گھر کے تمام افراد نماز کے پابند بن جائیں، چاہے چھوٹا ہو یا بڑا۔

اپنے بچوں کو پاکی ناپاکی کے مسائل بھی سکھائیں

اور پھر نماز کی نسبت سے پاکی کا بھی خیال رکھا جائے گا، کیوں کہ بغیر پاکی کے تو نماز ہوگی نہیں: بدن کی پاکی، کپڑوں کی پاکی، جگہ کی پاکی، بچپن ہی سے اس کی طرف توجہ دلا کر ان کو بتلایا جائے کہ بیت الخلا میں جائیں تو کس طرح استنجا کریں گے، کس طرح اپنے جسم کو نجاست سے پاک صاف کریں گے اور بلاوجہ کسی نجاست کے لگنے سے کس طرح اپنے بدن اور کپڑوں کو بچائیں گے، یہ بھی ان کو بتلانے کی ضرورت ہے تو پاکی ناپاکی کے مسائل بھی ان کو بتلائیں۔

بچوں کو ناپاک کپڑے پاک کرنے کا طریقہ بھی سکھلایئے

عام طور پر گھر کے تمام لوگوں کے کپڑے لڑکیاں دھویا کرتی ہیں اور مردوں کے کپڑے بھی وہی دھویا کرتی ہیں تو اگر کپڑا ناپاک ہوا اور وہ پاکی ناپاکی کے مسائل سے واقف نہیں ہے کہ ناپاک کپڑا کس طرح پاک کیا جاتا ہے، یہ اس کو معلوم نہیں ہے اور

یہی کپڑا وہ دھورہی ہے تو ایسا ہوسکتا ہے کہ مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے وہ کپڑا ظاہری اعتبار سے تو صاف ستھرا ہوجائے لیکن شرعی اعتبار سے پاک نہ ہوا ہو، اس طرف بھی ان کو دھیان دلانے کی ضرورت ہے اور بچوں کو بھی اس کا عادی بنانا چاہیے؛ تاکہ وہ بچپن ہی سے اس کے عادی ہوجائیں۔

حدیث شریف میں نبیٔ کریم ﷺ نے پاکی کو نصف اور آدھا ایمان قرار دیا ہے، چناں چہ فرمایا: وَالطُّهُورُ نِصْفُ الْإِيمَانِ[۱]۔

اوراس کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے لگاسکتی ہیں کہ اگر خدانخواستہ ہم نے اسی ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھ لی تو وہ نماز درست بھی نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول بھی نہیں ہوگی، اس لیے بچوں کو یہ پاکی ناپاکی کے مسائل بھی سکھائیں اور گھر کے سارے افراد نماز کے پابند ہوجائیں، اس کی کوشش کریں۔

اولاد پر والدین کا حکم ماننا لازم ہے

آپ کی جو اولاد ہے، ان کو تو آپ کی اولاد ہونے کی حیثیت سے آپ کا حکم ماننا ہی ہے، شریعت نے اولاد کو ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری کا جو حکم دیا ہے، اس کے پیشِ نظر آپ کا حکم ان کو ماننا لازم ہے۔ ویسے ماں باپ جب کسی جائز کام کا حکم کریں تو اولاد کے حق میں وہ کام جائز نہیں، بلکہ واجب اور ضروری ہوجائے گا، اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ ماں باپ جب بچوں کو کسی کام کے لیے کہنا چاہیں تو حکم کے انداز

---

① شعب الإيمان، عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ رضي الله عنه، فَصْلٌ فِي إِدَامَةِ ذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، ر:٦٢٢.

میں یہ نہ کہیں کہ یہ کام کرو، اس لیے کہ اگر اس طرح کہا اور اس نے وہ کام نہیں کیا تو وہ گنہگار ہوگا، ماں باپ کے حکم کو توڑنے کا گناہ اس پر آئے گا، اس لیے علماء اس سلسلے میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنے کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بچوں کو یوں کہیں کہ میری خواہش یہ ہے کہ یہ کام ہو جائے تو اچھا ہے؛ تاکہ اگر وہ خدانخواستہ اس کام کو نہ بھی کرے تو ماں باپ کے حکم توڑنے کا گناہ اور وبال اس پر نہ آئے، کیوں کہ ماں باپ کے حکم کو توڑنے کی وجہ سے جو گناہ ہوتا ہے، اس کی سزا دنیا ہی میں بھگتنی پڑتی ہے اور یہ بھی ماں باپ سے برداشت نہیں ہوگا۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ آپ اپنی اولاد کو نماز کی عملی تعلیم بھی دیں اور زبانی طور پر بھی اس کی تاکید کرتی رہیں۔

مردوں کو نوافل گھروں میں پڑھنے کا حکم اور اس کی حکمت

بچوں کی اسی عملی تعلیم وتربیت کی غرض سے نبیٔ کریم ﷺ نے مردوں کو یہاں تک تعلیم دی کہ نوافل مسجد میں ادا کرنے کے بہ جائے اپنے گھروں میں ادا کیے جائیں۔

ایک مرتبہ ایک صحابی نے نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا کہ میں یہ نوافل مسجد میں پڑھوں یا گھر میں پڑھوں؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے۔ آپ کے حجرۂ شریفہ کا دروازہ مسجد کے اندر کھلتا تھا۔ اس نے کہا کہ ہاں بہت زیادہ قریب ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں یہ نفل نماز مسجد کے اندر پڑھنے کے بہ جائے گھر کے اندر پڑھوں، یہ مجھے زیادہ پسند ہے[①]۔

---

① الشمائل المحمدية، عَنْ حَرَامِ بْنِ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ فِي الْبَيْتِ، ر:۲۹۸.

یہ گھر میں جو نفل نماز رکھی گئی، اس کی جو مختلف حکمتیں ہیں، ان میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ یہ بڑے لوگ: مرد بھی اور عورتیں بھی جب گھر کے اندر نمازیں پڑھیں گے تو جہاں گھر کے اندر نماز کی برکات آئیں گی، وہیں چھوٹے بھی جب ان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں گے تو نماز سیکھیں گے، ان کے اندر نماز کا ذوق اور شوق پیدا ہوگا، اس کے بہت سارے فوائد ہیں۔

گھروں کو قبرستان مت بناؤ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا کہ: اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ، یعنی جس طرح قبرستان کے اندر قبروں میں رہنے والے اپنی قبروں میں نماز نہیں پڑھتے، اس طرح تم بھی گھروں میں اس طرح مت رہو کہ نماز ہی نہ پڑھو بلکہ گھروں میں نماز کا سلسلہ ہونا چاہیے۔

میں عورتوں سے یہ ضرور کہوں گا، خصوصًا ان عورتوں سے جو گھر کی بڑی ہیں کہ وہ نماز کی طرف خاص توجہ دیں، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو جنت میں لے جانے والا جو مختصر سا نسخہ بتایا، اس میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ وہ پنج وقتہ نماز کا اہتمام کرے، اس لیے عورتیں نمازوں کا ضرور اہتمام کریں۔

عورتوں میں نماز کی طرف سے پائی جانے والی غفلت کی ایک وجہ

ویسے ماہواری کے دنوں میں وہ نماز نہیں پڑھ پاتیں اور شریعت نے بھی ان کو ان ایام میں نماز کا مکلف نہیں رکھا، اس کی وجہ سے بہت سی عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ اب تو ہم

ماہواری میں ہیں، اس لیے ہمارے اوپر نماز نہیں ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ان کے اوپر نماز نہیں ہے لیکن اس کی وجہ سے یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک دم سے نماز چھوڑ دیتی ہے تو پھر یہ سلسلہ ختم ہو کر سات یا آٹھ دن کے بعد جب پاکی حاصل ہوتی ہے تو چوں کہ سات آٹھ دن تک نماز سے بالکل غافل اور بے خبر رہی تو پاکی کے بعد نماز کی پابندی پہلے جیسی نہیں ہوتی، اس میں کوتاہی ہوجاتی ہے، عام طور پر عورتوں میں نماز کی طرف سے جو غفلت اور کوتاہی پائی جاتی ہے، اس کی ایک وجہ یہ ہے۔

اس غفلت سے بچنے کا علاج

اور اس کی تدبیر ہمارے بزرگوں نے یہ بتلائی ہے کہ ماہواری کے ایام میں بھی جب نماز کا وقت آوے تو آپ یہ سمجھ کر کہ مجھ پر نماز نہیں ہے، آپ بالکل غافل نہ ہو جاویں بلکہ پاکی کے دنوں میں آپ جس طرح وضو کرتی تھیں، اسی طرح وضو کریں، اگرچہ یہ شرعی وضو نہیں رہے گا کہ اس حالت میں وضو صحیح نہیں ہوتا لیکن ایک نقل اتاری جارہی ہے، اس کے بعد مصلی بچھا کر اور قبلہ رو ہو کر آپ تسبیحات میں مشغول ہوجائیں، پہلا کلمہ، دوسرا کلمہ، تیسرا کلمہ، چوتھا کلمہ، درود شریف، استغفار پڑھتی رہیں، دینی کتابوں کا مطالعہ بھی کرسکتی ہے، بس دو چیزیں: نماز اور قرآن کی تلاوت، یہ دو کام اس حالت میں نہیں کیے جاسکتے، باقی سارے کام ہو سکتے ہیں، دعائیں ہوسکتی ہیں اور دعا تو بڑی اہم چیز ہے، اس سے ہمارے مسائل حل ہوتے ہیں۔

اس لیے ماہواری کے دنوں میں بھی نماز کے اوقات میں باقاعدہ وضو کر کے مصلی

بچھا کر، قبلہ رو ہو کر تسبیحات اور دعا وغیرہ میں مشغول رہنے کی عادت ڈالوگی تو اس کی وجہ سے نماز کی پابندی جو پہلے حاصل تھی، اس میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور نماز کی طرف سے عورتوں میں جو غفلت اور سستی ہوتی ہے، اس سے ان شاء اللہ آپ محفوظ رہیں گی۔

عورتوں کو جنت میں لے جانے والی دوسری چیز

اس کے بعد دوسری چیز ارشاد فرمائی: وَصَامَتْ شَهْرَهَا: رمضان کے مہینے کے روزے رکھے، روزے کے معاملے میں تو ماشاء اللہ عورتیں سب پر سبقت لے جاتی ہیں، نماز کے معاملے میں تو ان سے سستی ہو جاتی ہے لیکن روزوں کے معاملے میں ان سے بہت کم سستی دیکھنے کو ملتی ہے۔

رمضان میں تمام اعمالِ رمضانیہ کا اہتمام کریں

لیکن روزوں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خالی روزے رکھ لیے بلکہ رمضان کے مہینے کا ایک پورا نظام شریعت مطہرہ نے جو بنایا ہے: رمضان کے مہینے میں باقاعدہ روزے رکھے جاتے ہیں، راتوں کو تراویح پڑھی جاتی ہے، قرآنِ پاک کی تلاوت ہوتی ہے، روزے کی برکت سے آدمی اپنے آپ کو ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچانے کا اہتمام کرتا ہے۔ اور پھر آخری عشرے میں شریعت نے اعتکاف کا نظام قائم کیا ہے، وہ صرف مردوں کے لیے نہیں ہے، عورتیں بھی اس کا اہتمام کریں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حضراتِ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ باقاعدہ اعتکاف کا اہتمام کرتی تھیں۔

قبر میں یہی چیز کام آنے والی ہے

اس لیے گھروں میں اعتکاف کا ایک نظام ہو؛ تاکہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوت میں راز و نیاز اور دعاؤں کا اہتمام ہو اور اسی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم ہوتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو قبر کے اندر آدمی کے لیے انس کا باعث ہوتا ہے، ورنہ قبر کی جو وحشتیں اور ہولناکیاں ہیں، وہ بڑی خطرناک ہیں۔

بہرحال! رمضان میں صرف روزوں پر اکتفا نہیں کرنا ہے بلکہ اس کے ساتھ ان تمام اعمال کو انجام دینا ہے جو فضائلِ رمضان میں حضرت شیخ زکریا نور اللہ مرقدہ نے تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں اور خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے خطبات، اپنے بیانات میں اور ارشادات میں رمضان کے متعلق جو ہدایتیں دیتے تھے کہ رمضان کس طرح گذارنا ہے، روزے کس طرح رکھنے ہیں، روزوں کے زمانے میں دن کس طرح گذریں گے، راتیں کس طرح گذریں گی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح عبادتوں کا اہتمام کرتے تھے۔

آخری عشرے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول

ویسے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام معمول یہ تھا کہ راتوں کو جب اٹھتے تھے تو آپ اپنی عبادتوں میں مشغول ہوتے تھے اور گھر والوں کو نہیں چھیڑتے تھے، وہ اپنی مرضی سے چاہیں تو اٹھیں لیکن آخری عشرے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمول کے بارے میں منقول ہے: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ العَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهُ، وَأَحْيَا لَيْلَهُ، وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ

کہ: آخری عشرے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت کے لیے بالکل کمر بستہ ہوجاتے اور گھر والوں کو بھی عبادت کے لیے بیدار کرنے کا اہتمام فرماتے تھے اور آپ کی بیویاں بھی عبادت کے اندر مشغول ہوجاتی تھیں[1]۔

گھر کی معمر خواتین کے لیے رمضان خصوصی طور پر بہت بڑی نعمت

تو آپ کو بھی اپنے گھروں میں اس کا اہتمام کرنا ہے، خاص کر کے گھر کی جو بڑی عورتیں ہیں، جو معمر ہونے کی وجہ سے اب گھر کا کام زیادہ نہیں کرتیں، ان کی ماتحتی میں ان کی بیٹیاں، بہوئیں اور گھر کی دوسری مستورات ان کاموں کو انجام دیتی ہیں، ان بڑی خواتین کو چاہیے کہ وہ بھی اعتکاف کا اہتمام کریں؛ تاکہ ہمارے معاشرے میں عورتوں کے اعتکاف کا سلسلہ جاری ہو اور اسی طرح راتوں کو بھی عبادت کا اہتمام ہو، خاص کر کے آخری عشرے کی راتوں میں جاگ کر عبادت کا اہتمام کیا جائے۔

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ''وَصَامَتْ شَهْرَهَا'' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تیس دنوں تک روزے رکھ لیے، بھوکے پیاسے رہ لیے اور بس، ایسا نہیں ہے بلکہ آپ اپنے گھروں میں باقاعدہ فضائلِ رمضان کی تعلیم کا اہتمام کریں، آپس میں مذاکرہ ہو اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں احادیث اور فقہ کی روشنی میں جو جو باتیں بیان فرمائی ہیں، ان کے مطابق اگر آپ رمضان کو گذارنے کا اہتمام کریں گی تو اس کی برکت یہ ہوگی کہ پورا سال اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو نیکیوں کی توفیق دیں گے، گناہوں سے

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا، بَابُ العَمَلِ فِي العَشْرِ الأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، ر:۲۰۲٤.

بچائیں گے۔

جیسا رمضان گذرے گا، ویسا سال گذرے گا

بزرگوں نے لکھا ہے کہ آدمی کا رمضان سال بھر پر اثر انداز ہوتا ہے، جس طرح رمضان گذارا، سال اسی طرح گذرتا ہے، رمضان میں اگر گناہوں سے بچنے کا اہتمام کیا، عبادتوں کا اہتمام کیا، اوقات کو صحیح طریقے سے گذارا تو اللہ تبارک وتعالیٰ سال بھر اس رمضان کی برکت سے عبادت کی توفیق نصیب فرماتے ہیں، گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں، اوقات کو صحیح گذارنے کی توفیق ملتی ہے، اگر اس ایک مہینے کی برکت سے ہمارے پورے سال کا معاملہ قابو میں آسکتا ہو تو یہ تو بہت آسان معاملہ ہے جو شریعت مطہرہ نے ہم کو بتلایا ہے۔ اس لیے رمضان کو اسی طرح گذارنے کا اہتمام ہو جس طرح گذارنے کا حکم ہے۔

اپنے اعمال سے بچوں کو بھی رمضان کی وقعت کا احساس ہونا چاہیے

بچوں کو بھی پتہ چلے کہ رمضان کیا ہے اور اس میں کون سے اعمال کرنے ہیں، آپ نے حکایتِ صحابہ میں پڑھا ہوگا کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں دودھ پیتے بچوں کے بارے میں بھی یہ اہتمام کیا جاتا تھا کہ دن بھر دودھ پینے کی نوبت نہ آئے۔

تو ''وَصَامَتْ شَهْرَهَا'' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی ان تیس دنوں کے اندر خالی بھوکا رہے بلکہ شریعت مطہرہ نے رمضان کے نام سے ہمیں جو ایک پورا نظام عطا فرمایا ہے، اسی نظام اور پروگرام کو اپنے گھروں کے اندر بڑے اہتمام کے ساتھ نافذ کرنے

اور چلانے کی ضرورت ہے۔

اگرچہ روزہ کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ آدمی صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور صحبت کرنے سے بچا رہے لیکن رمضان صرف اسی ایک روزے کے لیے نہیں ہے، اس کا ایک پورا نظام شریعت نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔

رمضان میں سب کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئیں

رمضان میں باقاعدہ افطاری کا اہتمام، غریبوں کی غم خواری، ان کی اعانت اور مدد کی بھی بڑی تاکید آئی ہے، آپ جس ملک میں رہتی ہیں، وہاں تو اس کی بہت زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، یہاں کے جو اصلی باشندے ہیں، ان میں مسلمان بھی ہیں اور غیر مسلم بھی ہیں، ان سب کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئیں، اپنی حیثیت کے مطابق ان کو کھانا کھلائیں، ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی طرف توجہ دیں، یہ بھی ہمارا فریضہ اور ذمہ داری ہے۔

رمضان کے مہینے کو نبیٔ کریم ﷺ نے غم خواری کا مہینہ قرار دیا[۱]، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اگر ہمیں حیثیت دی ہے، مال و دولت سے نوازا ہے تو غرباء اور فقراء کی طرف بھی خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

رمضان کا مہینہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کرنے کا بہترین وقت ہے، سال بھر جو غفلتیں رہی ہیں، ان غفلتوں کو دور کرنے کا موقع ہے، اس لیے کہ

---

① شعب الإيمان، عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، باب فَضَائِلِ شَهْرِ رَمَضَانَ، ر:۳۳۳٦.

رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے خاص عنایتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے گھرانے کی عورتوں کا معمول

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گھر کی عورتوں کے متعلق لکھا ہے کہ وہ گھر کے کام کاج کے ساتھ اور بچوں میں مشغولی کے باوجود ایک ایک عورت پندرہ، پندرہ بیس، بیس پارے کی تلاوت کرلیا کرتی تھی۔

روزہ داروں کی دعاؤں پر آمین کہنے کا فرشتوں کو باری تعالیٰ کا حکم

آدمی رمضان کے مہینے میں دنیا کے مشاغل کو کم کر کے اللہ کی عبادت میں، قرآن کی تلاوت میں دعاؤں میں مشغول ہوجائے، یہ وہ دن اور راتیں ہیں کہ جن میں دعائیں قبول ہوتی ہیں، باقاعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ تم اپنی عبادتوں کو چھوڑ و اور امت محمدیہ کی دعاؤں پر آمین کہو[۱]۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنا زیادہ اہتمام کہ فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ روزہ داروں کی دعاؤں پر آمین کہیں، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ روزہ داروں کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کیسی قدر و قیمت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رمضان کی اہمیت پر اہم خطاب

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو رمضان

---

① فضائل الأوقات للإمام البیهقی، ص۳۲۱، بَابٌ فِي فَضْلِ الْعِيدِ، ر:۱۵٦.

کی اہمیت بتلانے کے لیے مستقل تقریر فرماتے تھے، بیان دیتے تھے، فضائل رمضان میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی روایت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی بیان کی ہے کہ شعبان کے آخر میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقاعدہ خطبہ دے کر مسلمانوں کو متوجہ کیا اور فرمایا: يا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيمٌ، شَهْرٌ مُبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ کہ اے لوگو! بڑا عظمت والا اور بڑا برکت والا مہینہ آ رہا ہے اور اس میں ایک ایسی رات ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا ہے یعنی اس رات میں عبادت کرنے کی وجہ سے کوئی آدمی ہزار مہینے تک عبادت کرے اور اس پر جو ثواب ملے، اس سے زیادہ ثواب ملتا ہے جس کو لیلۃ القدر کہا جاتا ہے۔

اس امت کو شب قدر کا انعام کیسے ملا؟

لیلۃ القدر اللہ تبارک وتعالیٰ کا اس امت محمدیہ پر خصوصی انعام ہے، پہلی امتوں کی عمریں بڑی لمبی لمبی ہوا کرتی تھیں اور ان لمبی لمبی عمروں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کر کے بہت زیادہ ثواب حاصل کرلیا کرتے تھے، حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے جب یہ باتیں آئیں تو ان کو یہ خیال آیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو لمبی عمریں دی تھیں اور انھوں نے ان لمبی عمروں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں، اطاعت میں نیکی کے کاموں میں استعمال کر کے اپنے لیے آخرت کا ذخیرہ کرلیا اور ہماری تو عمریں ہی کم ہیں، ہم چاہیں بھی تو ان کے درجے کو نہیں پا سکتے۔

اسی پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے سورۃ القدر نازل کی گئی جس میں یہ بتلایا گیا

کہ رمضان کے اندر ایک رات ایسی ہے کہ اس میں اگر کوئی آدمی عبادت کر لے تو اس کو ایک ہزار مہینوں سے زیادہ عبادت کرنے کا ثواب حاصل ہو جائے گا جو تراسی سال اور کچھ مہینے بنتے ہیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کو زندگی میں ایسی دس راتیں بھی مل جائیں تو یوں سمجھئے کہ ساڑھے آٹھ سو سال عبادت کرنے کا ثواب مل جائے گا تو ان لوگوں کا تو کیا پوچھنا جو یہ کہتے ہیں کہ بالغ ہونے کے بعد کوئی شب قدر ہم سے فوت نہیں ہوئی۔

سونے کے بھاؤ میں لوہا

اوراس کے علاوہ رمضان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک فرض کا ثواب ۷۰ ر فرضوں کے برابر قرار دیا ہے اور نفل کا ثواب فرض کے برابر قرار دیا ہے، اس سے رمضان کے مہینے کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، یوں سمجھئے کہ لوہا سونے کے بھاؤ بک رہا ہے، اگر آج آپ کو پتہ چل جائے کہ آج کل لوہا اتنا قیمتی ہو گیا ہے کہ وہ سونے کا بھاؤ پاتا ہے تو لوگ اپنے گھر کی لوہے کی تمام چیزوں کو بیچ ڈالیں گے کہ ابھی تو سونا حاصل کرلو، بعد میں دیکھی جائے گی، ایسے ہی رمضان کے اندر نفل عبادتوں کا ثواب فرض عبادتوں کے برابر ملتا ہے۔

شریعت کے بتلائے ہوئے روزے کے نظام پر عمل کا بڑا فائدہ

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ روزے سے خالی روزہ مراد نہیں ہے، بلکہ روزے کے نام سے شریعت مطہرہ نے ہمیں جو ایک پورا نظام بتلایا ہے، اگر اس کا اہتمام کیا جائے گا تو

اس کی وجہ سے ہماری زندگیوں میں ایک انقلاب اور ہمارے اندر اپنی خواہشات پر روک لگانے کا مزاج بنے گا، ہم اپنی خواہشات کو پسِ پشت ڈال کر کس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں لگیں، یہ ہمارے لیے آسان ہو جائے گا۔

ہم آج کل جس دور سے گذر رہے ہیں، خواہشات کے پیچھے لوگ جس طرح پڑے ہیں، ایک ایسا ماحول بنتا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی چھوٹی سے چھوٹی خواہش کو بھی قربان کرنے کے لیے انسان تیار نہیں ہوتا تو روزے کے اس نظام کی وجہ سے ہمارے اندر اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی بڑی سے بڑی خواہشات کو قربان کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔

اور یہ بات یاد رکھئے کہ نماز اور روزہ ایسے فریضے ہیں جو ہر ایک کے اوپر لازم ہیں، مرد ہو یا عورت، امیر ہو یا غریب، شہری ہو یا دیہاتی؛ کوئی بھی ہو، ہر ایک پر فرض ہے۔

خصوصی طور پر نماز اور روزوں کو ذکر کرنے کی حکمت

جب کہ حج اور زکوۃ وغیرہ ایسے فرائض ہیں کہ ان کے لیے کچھ شرطیں ہیں، زکوۃ ہر آدمی پر فرض نہیں ہوتی، جو آدمی صاحبِ نصاب ہو، اسی پر فرض ہوتی ہے، ہر آدمی پر حج فرض نہیں ہوتا، جو آدمی صاحبِ استطاعت ہو، اسی پر فرض ہوتا ہے۔

اور نماز اور روزہ دونوں ایسی عبادتیں ہیں کہ آدمی جہاں بلوغ کی حد کو پہنچ گیا، چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی، اس کے اوپر نماز بھی فرض ہو جاتی ہے اور روزہ بھی فرض ہو جاتا ہے، اسی لیے نبیٔ کریم ﷺ نے ان دونوں کا خاص طور پر تذکرہ فرمایا کہ نماز پڑھے اور

رمضان کے روزے رکھے۔

نماز اور روزے کی خاصیت اور تاثیر

اور رمضان کے روزے ایک دوسری حیثیت سے بھی اہمیت رکھتے ہیں، اس کی عجیب وغریب خاصیت ہے، نماز کی خاصیت اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمائی: ﴿إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ ٱلْفَحْشَآءِ وَٱلْمُنكَرِ﴾ [العنکبوت ۴۵] کہ: نماز بے حیائی اور گناہ کے کاموں سے روکتی ہے۔

اور روزوں کی خاصیت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی کے مزاج میں تقوی آتا ہے، روزہ تقوے کا ایک نصاب ہے جو شریعت مطہرہ نے انسان کی مزاج سازی کے لیے تقوی یعنی گناہ سے بچنے کا اہتمام، انسان کو گناہوں سے بچنے کا عادی بنانے کے لیے رمضان کے روزوں کا حکم دیا گیا۔

قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝١٨٣﴾ [البقرۃ] کہ: ایمان والو! تم پر روزے ایسے فرض کیے گئے جیسے تم سے اگلوں پر فرض کیے گئے تھے؛ تاکہ تمھارے اندر تقوی آوے۔

تقوی کی عام فہم تعریف اور ایک غلط فہمی

تقوی کا مطلب کیا ہے؟ تقوی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچائے، تقوی کوئی رات بھر عبادت کرنے اور دن بھر روزے رکھنے کا نام

نہیں ہے بلکہ تقوی یہ ہے کہ آدمی ہر چھوٹی بڑی معصیت اور ہر چھوٹے بڑے گناہ سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کرے۔

اس تقوی کے ساتھ ہم نے بڑا ظلم کر رکھا ہے، ہم نے اپنے دل و دماغ میں یہ چیز بٹھا رکھی ہے کہ تقوی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی رات بھر عبادت کرے، دن میں روزہ رکھے، ہر وقت ہاتھ میں تسبیح لیے رہے، ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہے۔ ہم اس کو تقوی سمجھتے ہیں اور جب ہم نے یہ مطلب تقوی کا سمجھ لیا تو ہم کہتے ہیں کہ ہم سے تو یہ ہو نہیں سکتا، یہ تو اللہ تعالیٰ کے خاص خاص بندوں کا کام ہے، میں کہاں اور تقوی کہاں؟ پہلے ہی مرحلے میں اپنا دامن تقوی سے چھڑا لیا۔

نماز، روزے کی طرح تقوی بھی فرض

حالاں کہ قرآن پاک میں تو اللہ تعالیٰ نے تقوی کا حکم دیا ہے، جیسے نماز کا حکم دیا تو نماز فرض ہے، روزے کا حکم دیا تو روزہ فرض ہے، زکوۃ کا حکم دیا تو زکوۃ فرض ہے، اسی طرح تقوے کا حکم دیا تو تقوی بھی فرض ہے، یہ کوئی مستحب نہیں ہے۔

تقوے کا مطلب کیا ہے؟ تقوے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچائے، جو کام کرنے ضروری ہیں، ان کو کرے، جن سے بچنا ضروری ہے، ان سے بچے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی نظر میں تقوی کی حقیقت

حضرت حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے: ”جامع العلوم والحکم“

اس میں انھوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ- جو خلفائے راشدین میں شمار کیے گئے ہیں اور جو پہلی صدی کے مجدد مانے جاتے ہیں- کا جملہ نقل فرمایا ہے: لَيْسَ تَقْوَى اللَّهِ بِصِيَامِ النَّهَارِ، وَلَا بِقِيَامِ اللَّيْلِ، وَالتَّخْلِيطِ فِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ، وَلَكِنَّ تَقْوَى اللَّهِ تَرْكُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ، وَأَدَاءُ مَا افْتَرَضَ اللَّهُ کہ: تقوی دن بھر روزے رکھنے اور رات بھر نماز پڑھنے کا نام نہیں ہے، تقوی تو جن چیزوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرام فرمایا ہے، ان کو چھوڑ دینے اور جن چیزوں کو فرض فرمایا ہے، ان کو ادا کرنے کا نام ہے [1]۔

تو روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ جس کی وجہ سے آدمی میں یہ صفت یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہوں سے اپنے آپ کو بچانے کا مزاج پیدا ہوتا ہے۔

روزے سے تقوی کیسے آتا ہے؟

انسان کے اسی مزاج کو بنانے کے لیے اور انسان کی اندر اسی صفت کو پیدا کرنے کے لیے کہ مؤمن اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچانے والا بن جائے، شریعتِ مطہرہ نے یہ روزے فرض کیے ہیں کہ روزوں کے نتیجے میں انسان کے دل و دماغ میں یہ تصور تازہ ہو جاتا ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا استحضار رکھتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچاتا ہے۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کیسا ہی گنہگار سے گنہگار اور بدکردار سے

---

① جامع العلوم والحكم في شرح خمسين حديثا من جوامع الكلم، ١/ ٤٠٠، الْحَدِيثُ الثَّامِنَ عَشَرَ: اتَّقِ اللَّهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا.

بدکردار مسلمان ہو، ایک مرتبہ جب وہ نیت کرلیتا ہے کہ میرا آج روزہ ہے، روزے میں کیا ہوتا ہے؟ روزے میں آدمی صبح سے لے کر شام تک تین چیزوں سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کرتا ہے: کھانے، پینے اور بیوی کے ساتھ صحبت کرنے سے اپنے آپ کو بچاتا ہے۔

جب ایک گنہگار آدمی بھی یہ طے کرلیتا ہے کہ آج میرا روزہ ہے تو چاہے اس کو کتنی ہی پیاس لگی ہو اور کمرے کے اندر بیٹھا ہوا ہو، کمرے کا دروازہ بند ہے، اندر سے کنڈی لگی ہوئی ہے اور کمرے کے اندر ٹھنڈا پانی اور جیوس فریز میں موجود ہے، حالاں کہ اس کو ساری دنیا گنہگار سمجھتی ہے لیکن وہ کبھی بھی اس حالت میں بھی پانی پینا گوارا نہیں کرے گا، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ میں نے جس ذات کو خوش کرنے کے لیے روزہ رکھا ہے، وہ مجھے یہاں بھی دیکھ رہا ہے، اس تصور کی وجہ سے وہ کبھی بھی پانی کو ہاتھ نہیں لگائے گا، ہر روزہ دار کے دل ودماغ میں یہ تصور تازہ رہتا ہے۔

روزے میں کیا تصور کریں؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس تصور کو خالی ان تین چیزوں تک نہیں اور وہ بھی خالی صبح صادق سے لے کر غروب تک نہیں بلکہ بارہ مہینے کے چوبیسوں گھنٹے اپنے آپ کو ان تمام چیزوں سے بچانے کا اہتمام کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دی ہیں، یہ تو حلال چیزیں ہیں، روزے کی وجہ سے ان کو گناہ قرار دیا گیا، ورنہ عام حالات میں کھانا پینا اور اپنی بیوی سے اپنی شہوت کو پوری کرنا حلال قرار دیا گیا ہے۔

آدمی یوں سوچے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے میں نے اپنے آپ کو حلال چیزوں سے بچایا تو اسی اللہ نے جن چیزوں کو میرے لیے حرام قرار دیا ہے، ان حرام چیزوں سے بارہ مہینے کو چوبیسوں گھنٹے اپنے آپ کو کیوں نہ بچاؤں۔

روزہ تمام اعضاء کا ہوتا ہے

فضائلِ اعمال کے اندر پڑھا یا سنا ہوگا کہ علماء نے لکھا ہے کہ یہ جو فرمایا گیا: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ﴾ کہ: تمھارے جسموں پر روزہ فرض کیا گیا تو اب یہ روزہ تمھاری آنکھوں پر بھی فرض ہے، تمھارے کانوں پر بھی فرض ہے، زبان پر بھی فرض ہے، روزے کی حالت میں اپنے آنکھ کو، کان کو، زبان کو اور دوسرے تمام اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچانے کا اہتمام کرنا ہے۔

اسی کیفیت کو پیدا کرنے کے لیے شریعتِ مطہرہ نے روزہ رکھا ہے، یوں سمجھئے کہ روزہ تقوے کا مختصر سا نصاب اور کورس ہے۔

موبائل کے فتنے کی ہمہ گیریت

آج کل لوگوں کا ایک مزاج موبائل کی وجہ سے یہ ہوگیا کہ اس کے اندر جو غلط مناظر ہیں، اس کو دیکھتے رہتے ہیں اور روزہ کا وقت کاٹنے کے لیے لوگ اسی کے اندر مشغول رہتے ہیں، یہ تو اپنی اتنی عظیم عبادت کو اکارت اور بے کار کرنا ہوا۔

روزہ ڈھال ہے

اس لیے آنکھوں کی حفاظت بھی ضروری ہے، اپنی زبان کو جھوٹ، غیبت وغیرہ

سے بچایا جائے، حدیث میں آتا ہے، نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ مَا لَمْ يَخْرِقْهَا کہ: روزہ ڈھال ہے، بہ شرطے کہ آدمی اس کو پھاڑ نہ ڈالے۔

پہلے زمانے میں جب تلواروں اور نیزوں اور تیروں سے جنگ ہوتی تھی تو سامنے والے کے تیر، تلوار وغیرہ کے وار کو روکنے کے لیے ڈھال استعمال کی جاتی تھی، یہ ڈھال سامنے والے کی تلوار کے وار کو روک دیتی تھی لیکن یہ اس وقت ہوتا جب کہ وہ ڈھال پھٹی ہوئی نہ ہو، اگر پھٹی ہوئی ہے تو ظاہر ہے کہ سامنے والے کی تلوار کے وار کو، اس کے نیزے اور بھالے کے وار کو نہیں روک سکتی۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں روزہ جیسی ڈھال عطا فرمائی ہے، نفس اور شیطان جو ہمارے دشمن ہیں، جو ہر قوت ہم پر حملے کرتے ہیں، ان کے حملوں کو روکنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں روزہ کی شکل میں ایک ہتھیار عطا فرمایا ہے۔

روزہ کب تک ڈھال کا کام کرتا ہے؟

نبیِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ آپ کا یہ ہتھیار اسی وقت کارگر ہوگا جب کہ آپ اس ہتھیار کو پھاڑ نہ ڈالیں۔ پوچھا گیا: وَبِمَ يَخْرِقُهُ؟ کہ یہ ڈھال کس چیز سے پھٹتی ہے؟ تو نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: بِكَذِبٍ، أَوْ غِيبَةٍ: جھوٹ سے اور غیبت سے [۱]، اگر روزہ دار جھوٹ بولے اور غیبت کرے تو اس کی وجہ اس کی یہ ڈھال پھٹ جاتی ہے اور اس کی وجہ سے اس روزے سے نفس اور شیطان کے حملے نہیں رکیں گے، اس لیے کہ یہ ڈھال

---

(۱) مجمع الزوائد، ۳/ ۱۷۱، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، باب في الصائم يأكل البرد، ر:۵۰۱۲.

اب پھٹ جانے کی وجہ سے بے کار ہوگئی۔

بہر حال! روزہ کی حالت میں زبان کی حفاظت، کان کی حفاظت، آنکھ کی حفاظت، یہ چیزیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

رمضان کی محنت کب کارگر کہلائے گی؟

بات یہ چل رہی تھی کہ روزہ تقوے کا ایک مختصر سا نصاب ہے، جو عورت روزہ رکھے گی تو یہ اپنی ذات کے اندر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کی کیفیت اور صفت پیدا کرنے کی محنت ہورہی ہے، رمضان کا مہینہ گذرنے کے بعد اگر ہمارے مزاج کے اندر یہ کیفیت پیدا ہوگئی کہ رمضان کے اندر ہم جن گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے تھے، رمضان کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمادی تو رمضان کے روزوں کی جو غرض اور فائدہ ہے، وہ حقیقی معنی میں ہمیں حاصل ہوگیا۔

رمضان کے ختم پر شیاطین چھوٹے یا ہم؟

ہمارے اسلاف کا کیا حال تھا؟ آج ایک کتاب کے اندر پڑھا کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ رمضان کے بعد جب عید کی نماز پڑھنے کے لیے تشریف لے جانے لگے تو ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ آپ نے ہم سے کہا کہ آج ہمارا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم اپنی نگاہوں کو نیچا رکھے۔

اور ہمارا حال کیا ہے؟ رمضان گذرنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نہیں چھوٹے، ہم چھوٹے ہیں اور گناہوں کا ارتکاب بڑے دھڑلّے کے ساتھ کیا جاتا ہے،

ایسا نہیں ہونا چاہیے، اگر رمضان کے بعد ایک گناہ بھی آپ نے کرلیا تو رمضان سے آپ نے کیا سبق لیا؟، اپنے اندر کیا کیفیت پیدا کی؟۔

عورتوں کو جنت میں داخل کرنے والی تیسری چیز

تیسری چیز نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی: وَأَحْصَنَتْ فَرْجَهَا کہ: عورت اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے، اپنی عزت اور آبرو کی پوری حفاظت کرے۔

عفت اور عصمت کی حقیقت

عفت اور عصمت جس کو پاک دامنی کہا جاتا ہے، یہ ایک عظیم صفت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہے کہ انسان اپنے آپ کو بے حیائی کے کاموں سے بچائے۔ زنا اور زنا تک پہنچانے والے جتنے بھی اسباب ہیں، جیسے عورت کا کسی پرائے مرد کو دیکھنا یا مرد کا کسی پرائی عورت کو دیکھنا، پرائے مرد اور عورتوں کا آپس میں بات چیت کرنا، سننا، ایک دوسرے کے قریب جانا، ایک دوسرے کو چھونا، یہ زنا تک اور گناہ تک پہنچانے والے جتنے بھی اسباب ہیں کہ جن کو قرآن اور حدیث میں فواحش یعنی بے حیائی کے کاموں سے تعبیر کیا گیا ہے، ان تمام کو چھوڑ دینے کا نام عفت، عصمت اور پاک دامنی ہے۔ تو اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے یعنی اپنے آپ کو زنا اور زنا تک لے جانے والی ساری چیزوں سے بچائے۔

قرآن میں اسبابِ زنا سے بچنے کا تاکیدی حکم

قرآن میں زنا اور زنا کے جو اسباب ہو سکتے ہیں، ان سے بچنے کی بڑی تاکید کی گئی

ہے:﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾[الأعراف۳۳] اے نبی! آپ فرما دیجیے کہ میرے رب نے بے حیائی کے کاموں کو، زنا تک پہنچانے والی چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، چاہے وہ کھلے ہوئے ہوں یا چھپے ہوئے ہوں۔

آج کل اس موبائل اور انٹرنیٹ کی وجہ سے ہماری سوسائٹی اور سماج میں جو بے حیائیاں اور خرابیاں آئی ہیں اور اس کی وجہ سے ہماری نوجوان نسل جس بداخلاقی کے گڑھے میں گر چکی ہے، اس کا سبب بھی یہی ہے کہ اسبابِ زنا سے پرہیز نہیں کیا جا رہا ہے، اس سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ اپنی عفت وعصمت اور شرم وحیا کی حفاظت کا اہتمام کیا جائے۔

حیا جزوِ ایمان ہے

اسی لیے حیا اور پاک دامنی کو بہت اہمیت دی گئی ہے، یہ تو وہ زیور ہے جو ضروری قرار دیا گیا ہے اور نبیٔ کریم ﷺ نے شرم وحیا کو ایمان کا جزء اور گویا جڑواں قرار دیا ہے[۱] کہ حیا ہے تو ایمان ہے، حیا جب رخصت ہوئی تو اس کے ساتھ ایمان بھی رخصت ہو جاتا ہے۔

حیا اور پاک دامنی کی دعا کی تعلیم

یہ وہ خوبی ہے کہ جس کو نبیٔ کریم ﷺ نے دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی ہمیں تعلیم دی ہے: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ، وَالْأَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ،

---

[۱] صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابُ أُمُورِ الإِيمَانِ، ر:۹.

وَالرِّضَا بِالْقَدَرِ کہ: اے اللہ! میں آپ سے تن درستی اور پاک دامنی اور امانت کی صفات کا سوال کرتا ہوں[۱]۔

تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اپنی دعاؤں کے ذریعہ بھی اس بات کی طرف متوجہ فرمایا کہ ہم عفت اور پاک دامنی جیسی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کا اہتمام کریں۔

عفت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے

اور یہ وہ صفت ہے کہ جن پاکیزہ اخلاق کو سکھلانے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے، ان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عفت اور پاک دامنی کو خاص اہمیت دی ہے۔

حدیبیہ کی صلح کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے مختلف حکمرانوں کے نام دعوتِ اسلام کے جو خطوط بھیجے، ان میں ایک خط آپ نے شاہِ روم ہرقل کے نام بھیجا تھا، اس کا واقعہ تو بڑا تفصیلی ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے، میں جو عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہرقل نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے متعلق تحقیق کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات معلوم کیے تو اتفاق کی بات کہ اس وقت ابوسفیان ایک قافلہ لے کر شام پہنچے تھے اور ان ہی سے ہرقل نے کچھ سوالات کیے جس کے جوابات انھوں نے دیے اور ان کے ان جوابات ہی سے ہرقل نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبیٔ برحق ہیں۔

---

(۱) شعب الإيمان، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضي الله عنهما، فَصْلٌ فِي الْحِلْمِ وَالتُّؤَدَةِ وَالرِّفْقِ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا، ر: ٨١٨١.

اسی روایت میں اخیر میں یہ ہے کہ ہرقل نے پوچھا: مَاذَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ؟ کہ: یہ نبی تم کو کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟ تو ابوسفیان نے جواب میں کہا تھا: يَأْمُرُنَا بِالصَّلاَةِ، وَالصَّدَقَةِ، وَالعَفَافِ، وَالوَفَاءِ بِالعَهْدِ، وَأَدَاءِ الأَمَانَةِ کہ: یہ نبی ہم کو نماز کا، سچائی کا اور عفت و پاک دامنی کا حکم دیتے ہیں(۱)۔

گویا نبیٔ کریم ﷺ کی تعلیمات کا خلاصہ آپ کے بہت بڑے دشمن نے اس زمانے کے ایک بہت بڑے بادشاہ کے سامنے جو پیش کیا، ان میں جن خوبیوں اور اوصاف کو بیان کیا کہ جو آپ ﷺ کی بنیادی تعلیمات کی حیثیت رکھتی ہیں، ان میں عفت اور پاک دامنی کو بھی ذکر کیا۔

شیطان کے سارے کاروبار کی بنیاد بے حیائی اور اسراف پر

شیطان کے سارے کاروبار کی بنیاد فحش اور بے حیائی کے اوپر ہے، شیطان بے حیائی اور اسراف میں مبتلا کرتا ہے اور شریعت عفت اور پاک دامنی اور فضول خرچی سے بچنے کا حکم دیتی ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ ہم عفت اور پاک دامنی کا اہتمام کریں، اسی کو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: وَأَحْصَنَتْ فَرْجَهَا: اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے۔

پردہ عفت اور پاک دامنی کی حفاظت کا مکمل شرعی نظام

اسی عفت اور پاک دامنی کی حفاظت کے لیے شریعت مطہرہ نے ایک پورا نظام

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما، بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ النَّاسَ إِلَى الإِسْلاَمِ وَالنُّبُوَّةِ، ر:۲۹۴۱.

حجاب اور پردہ کا نازل فرمایا، پردہ فقط اس کا نام نہیں ہے کہ عورت اپنے گھر سے باہر نکلتے وقت اپنے جسم کے اوپر ایک مخصوص قسم کا کپڑا ڈال لے اور اپنے چہرے کو چھپا لے اور آپ یوں سمجھیں کہ ہم نے حجاب کے تقاضوں کو پورا کر دیا، ایسا نہیں ہے، پردہ تو شریعتِ مطہرہ کا ایک پورا نظام ہے جس میں شریعت عورتوں کو اجنبی مردوں سے اور مردوں کو اجنبی عورتوں سے بچانے کے لیے ساری تفصیلی ہدایات دیتی ہے۔

شریعتِ مطہرہ یہ چاہتی ہے کہ اجنبی مردوں اور عورتوں کے درمیان خلط ملط نہ ہو اور مرد عورتوں کے سامنے اور عورت مردوں کے سامنے نہ آویں اور اس کے نتیجے میں جو خواہشیں ابھر سکتی ہیں اور اس کی وجہ سے جو برائیاں معاشرے میں پھیل سکتی ہیں، ان برائیوں سے بچانے کا شریعت نے خاص اہتمام کیا ہے۔

ہمارا معاشرہ اور پردے کے شرعی احکام

ہمارے یہاں تو سب کچھ پردے کے خلاف ہی خلاف پایا جاتا ہے، پڑھے لکھے، اچھے خاصے دین دار، نماز، روزوں کا اہتمام کرنے والے مرد اور عورتیں بھی شریعتِ مطہرہ کے پردے اور حجاب والے احکام کا جیسا کہ اس پر عمل کرنا چاہیے، عمل کرتے نہیں ہیں۔ ہمارے یہاں چچا زاد، ماموں زاد، خالہ زاد، پھوپھی زاد بہنوں، بھائیوں کے ساتھ جو عام طور پر اختلاط ہوتا ہے، وہ اس حکم کے خلاف ہے اور پھر ہمارے یہاں ان چاروں کی کوئی خصوصیت بھی نہیں رہی بلکہ ہر اجنبی عورت کے ساتھ آنا، جانا، ملنا، بات کرنا عام ہو گیا، شریعت تو اس کی کسی بھی حالت میں اجازت نہیں دیتی۔

آیتِ حجاب کا شانِ نزول

حجاب اور پردے کا حکم قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ مستقلاً نازل کیا گیا ہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بڑے اہتمام سے اس پر عمل کیا اور اس پر عمل کی تاکید فرمائی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، بخاری شریف کی روایت ہے، جب ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولیمہ کے لیے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلایا، اس ولیمے میں کچھ لوگ کھانا کھانے کے بعد وہیں بیٹھے رہے، باتوں میں مشغول ہوگئے اور اس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگواری ہوئی جس کا ذکر قرآنِ پاک میں موجود ہے، اسی موقع پر پردے کا حکم نازل ہوا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو حجروں میں بیٹھا دیکھ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لے گئے تھے، جب لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکلیف کا احساس ہوا اور باہر چلے گئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے جانے کی اطلاع دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرے میں داخل ہونے لگے، آپ کا ایک پاؤں اندر اور دوسرا باہر تھا، اسی وقت حجاب والی آیت نازل ہوئی اور اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پردہ ڈال دیا، اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اندر آنے کی اجازت نہیں ملی اور اسی وقت سے حکم پر عمل شروع ہوگیا[1]۔

---

① صحيح البخاری، عَنْ أَنَسِ بن مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، كِتَابُ الِاسْتِئْذَانِ، بَابُ آيَةِ الحِجَابِ، ر: ٦٢٣٩.

پرائی عورتوں سے کوئی چیز مانگنے کا شرعی طریقہ

اسی آیت میں پردے سے متعلق ایک اور حکم بھی ہے کہ جیسے آج کل ہماری معاشرت میں پردے کا لحاظ نہیں کیا جاتا اور لوگ ایسے ہی بغیر اجازت کے گھروں میں گھس جاتے ہیں، اس زمانے میں بھی ابتدا میں کچھ ایسا ہی رواج تھا تو اسی سلسلے میں اس آیت میں یہ بات بھی ارشاد فرمائی گئی: ﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ﴾ [الأحزاب۵۳] کہ: جب تمھیں پرائی عورتوں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو ایسا نہیں کہ سامنے آکر مانگ لو بلکہ پردے کی آڑ میں سے مانگی جائے۔

بہ وقت ضرورت اجنبی مردوں سے بات چیت کا شرعی طریقہ

اور عورتوں کو بھی باقاعدہ تاکید کی گئی کہ وہ اجنبی مرد سے بات چیت کرنے سے اپنے آپ کو روکیں اور اگر کسی ضرورت کی وجہ سے بات کرنے کی نوبت آجائے تو بات چیت میں ایسا انداز اور ایسا لہجہ اختیار کریں کہ جس کی وجہ سے سامنے والے کو اس کے اوپر کوئی لالچ کرنے کا کوئی موقع نہ ملے، اس لیے کہ جب کوئی عورت کسی مرد سے نرم لہجے میں بات کرتی ہے تو اس کی وجہ سے مرد کے اندر شہوانی جذبے ابھرتے ہیں اور اس کا نفس اور شیطان اس کو ورغلاتے ہیں اور اسی کے نتیجے میں وہ آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے، اس لیے شریعت نے عورتوں کو تاکید فرمائی کہ اجنبی مردوں کے ساتھ بات چیت کے دوران لہجہ بھی کرخت، سخت اور روکھا ہونا چاہیے، اس روکھے لہجے سے ہی اس کی جڑ کٹ جائے گی اور اس کو آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہوگی اور یہ بھی ضرورت کے

موقع پر ہے اور بلا ضرورت تو اجنبی مرد سے بات چیت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اُن عورتوں کے پاس جانے کی ممانعت جن کے شوہر غائب ہوں

حدیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے مردوں کو تاکید فرمائی: لَا تَلِجُوا عَلَى الْمُغِيبَاتِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنْ أَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ کہ: ایسی عورتیں جن کے شوہر پردیس گئے ہیں، جو سفر میں ہوں، جو باہر رہتے ہوں، ایسی عورتوں کے پاس مت جاؤ، ورنہ شیطان تمھیں حرام کاری میں مبتلا کردے گا، کیوں کہ شیطان تو انسان کی رگوں میں خون کی طرح گردش کرتا ہے (۱)۔

شوہر کا بھائی تو موت ہے

بلکہ حدیث میں یہاں تک ہے کہ کسی نے پوچھا: يَا رَسُولَ اللهِ، أَفَرَأَيْتَ الحَمْوَ: اے اللہ کے رسول! آپ یہ بتلایئے کہ یہ جو شوہر کا بھائی ہوتا ہے دیور یا جیٹھ، اس کا بھی یہی حکم ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا: الحَمْوُ الْمَوْتُ کہ: یہ دیور اور جیٹھ تو موت کی طرح ہیں کہ جیسے موت سے ڈرتے اور بچتے ہیں، ویسے ہی اس سے بھی بچنا اور ڈرنا چاہیے، یہ تو گھر کا فرد ہے، اس سے تو اور بھی زیادہ خطرہ رہتا ہے (۲)۔

---

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل، مُسْنَدُ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، ر:۱۴۳۲۴.

(۲) سنن الترمذی، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الدُّخُولِ عَلَى الْمُغِيبَاتِ، ر:۱۱۷۱.

پردے کے سلسلے میں معاشرے کی ایک انتہائی قبیح سوچ

ہمارے یہاں تو مصیبت یہ ہے کہ بعض رشتہ دار ایسے ہیں کہ جن سے شریعت نے پردہ کرنے کا حکم دیا ہے، پھر بھی ہمارے سماج میں، معاشرے اور سوسائٹی میں ان سے پردہ نہیں کیا جاتا، جیسے دیور سے، جیٹھ سے، گھر کے دامادوں سے، چچازاد سے، ماموں زاد سے، خالہ زاد سے، پھوپھی زاد سے؛ بلکہ بعض گھروں میں تو یہ دیکھا گیا کہ کوئی لڑکی وہاں بیاہ کر آئی ہے، پڑھی لکھی ہے اور اس کے دل میں شریعت کے احکام پر عمل کرنے کا جذبہ موجود ہے، وہ اپنے دیور اور جیٹھ وغیرہ سے پردہ کرنا چاہتی ہے لیکن اس کی ساس اپنی جہالت کی وجہ سے اس کو لعن طعن کرتی ہے بلکہ ناراضگی کا اظہار کرتی ہے کہ بڑی پردہ کرنے والی آ گئی ہے، یہ کیا بات ہوئی؟ ایسا کرنا اور شریعت کے حکم پر عمل کرنے والوں کو اس طرح طعنے دینا اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے، ایسے گھر پر اللہ تعالیٰ کی لعنت نازل ہوتی ہے۔

حضراتِ صحابیات رضی اللہ عنہن اور ازواج مطہرات اور بناتِ طاہرات رضی اللہ عنہن کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ازواجِ مطہرات کو نابینا صحابی سے پردے کا حکم کرنا

ایک صحابی ہیں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو نابینا تھے، انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت چاہی، اس وقت دو زوجۂ مطہرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں تو جب انھوں نے گھر میں آنے کی اجازت چاہی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ان دونوں زوجۂ مطہرہ سے فرمایا کہ: احْتَجِبَا مِنْهُ کہ: تم دونوں ان سے پردہ کرلو تو اس پر انھوں نے عرض کیا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَلَيْسَ أَعْمَى لَا يُبْصِرُنَا، وَلَا يَعْرِفُنَا؟ کہ اے اللہ کے رسول! کیا یہ اندھے نہیں ہیں؟ وہ تو ہم کو دیکھ نہیں سکتے، اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: أَفَعَمْيَا وَانِ أَنْتُمَا أَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ کہ: کیا تم اندھی ہو؟ یعنی وہ چاہے اندھے ہیں، دیکھ نہیں سکتے، لیکن تم تو دیکھ سکتی ہو[1]۔

اس سے معلوم ہوا کہ اجنبی مردوں کو دیکھنے سے عورتوں کو اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ آج کل ٹی وی وغیرہ پر جو مناظر دیکھے جاتے ہیں، اس میں اجنبی مرد بھی کثرت سے آتے ہیں اور ان کو بھی بے تحاشا دیکھا جاتا ہے، یہ سب شریعت کے حکم کے خلاف ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

میں نے اپنا بیٹا کھویا ہے، حیا نہیں

ایک صحابیہ ہیں حضرت ام خلاّد رضی اللہ عنہا، ان کے بیٹے کی شہادت ہوگئی تھی تو اس سلسلے میں پوچھنے کے لیے نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہیں۔ ابوداود شریف کی روایت ہے۔ وہ نقاب ڈالے ہوئے، چہرہ چھپائے ہوئے پوچھ رہی ہیں تو حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تعجب ہو رہا ہے کہ ان کا اکلوتا بیٹا شہید ہوگیا اور عورتوں میں جزع، فزع اور بے صبری عام ہوتی ہے اور اکلوتا بیٹا شہید ہوجائے، انتقال ہوجائے تو

---

(۱) سنن أبي داود، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، بَابٌ فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ، ر:۴۱۱۲.

اس کی وجہ سے وہ اپنی عقل وحواس کھو بیٹھتی ہے لیکن اس کو دیکھو کہ باقاعدہ چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے اور حجاب کا اہتمام کیے ہو ہے، اس پر مجلس میں موجود حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تعجب کا اظہار کیا۔

جب ان صحابیہ عورت حضرت ام خلاّد رضی اللہ عنہا نے ان کی اس بات کو سنا، تعجب کرتے ہوئے دیکھا تو کیا کہتی ہیں؟ فرماتی ہیں: إِنْ أُرْزَأْ ابْنِي فَلَنْ أُرْزَأْ حَيَائِي کہ میں نے اپنا بیٹا کھویا ہے، اپنی حیا اور پاک دامنی کو نہیں کھویا ہے[1]۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حیا اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک بڑی ہی قیمتی دولت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس صنف کو، عورتوں کو خصوصی طور پر عطا فرمائی ہے، حضراتِ صحابیات رضی اللہ عنہن کے اندر اس کا بڑا اہتمام ہوتا تھا اور اس کی بڑی تاکید فرماتی تھیں۔

حجاب کے احکام اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس میں احتیاط

حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہم اپنے گھروں میں شگافوں کو بھی بند کرنے کا اہتمام کرتے تھے، بخاری شریف کے اندر ایک صحابیہ کی روایت ہے، اس میں ان کے متعلق یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ وہ ہاتھوں کے گلاوز یعنی ہاتھوں کے موزے، دستانے نہیں ہوتے تھے تو وہ آستین کو انگلیوں تک پہنتی اور آستین کو انگلیوں کے اوپر چڑھا کر انگلیوں کے بیچ میں باقاعدہ ٹانکے لگاتی تھی، یہ ان حضرات کی مبارک

---

(۱) سنن أبی داود، عَنْ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابُ فَضْلِ قِتَالِ الرُّومِ عَلَى غَيْرِهِمْ مِنَ الْأُمَمِ، ر:۲٤۸۸.

عادتیں تھیں [۱]۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اس سے کتنی تاکید کے ساتھ منع فرمایا؟ بخاری شریف میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ موجود ہے کہ فتحِ مکہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وہاں تشریف لے گئے تھے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کی ایک باندی تھی، یہ باندی درحقیقت ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے والد زمعہ کی تھی اور اس زمانے میں رواج تھا کہ لوگ اجرت دے کر دوسروں کی باندیاں استعمال کر لیتے تھے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے بھی زمعہ کی باندی سے اس طرح کا تعلق قائم کر لیا تھا اور اس کے نتیجے میں ایک بچہ بھی پیدا ہوا اور انھوں نے یہ دعویٰ کر دیا تھا کہ یہ بچہ میرا ہے۔

اور زمانۂ جاہلیت میں یہ بھی رواج تھا کہ اگر زانی یہ دعویٰ کرتا کہ اس عورت کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ میرا ہے تو اس کا یہ دعویٰ مان لیا جاتا اور باقاعدہ اس بچے کا نسب زانی سے ثابت ہو جاتا تھا اور اس کے ساتھ اس کو جوڑ دیا جاتا تھا۔

اس بچے کے متعلق حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ان کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے وصیت کی تھی کہ یہ جو بچہ فلاں باندی سے پیدا ہوا ہے، وہ میرا ہے، جب تم کو موقع ملے تو اس کو اپنی تربیت میں لے لینا۔

---

۱ صحيح البخاری، بَابُ مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَجَوَّزُ مِنَ اللِّبَاسِ وَالبُسْطِ، ر:۵۸۴۴.

فتحِ مکہ کے موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی نگاہ اس بچے پر پڑی تو دیکھا کہ اس کا چہرہ مہرہ بالکل ان کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص جیسا تھا، وہ اس کو پکڑ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اسی غرض سے لے گئے کہ وہ اس کے بارے میں اپنے بھائی کا بچہ ہونے کا دعوی کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لے کر اس کو اپنی تحویل میں لے لیں۔

اس وقت ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبد بن زمعہ نے کہا کہ یہ تو میرا بھائی ہے، یہ میرے باپ کی باندی سے پیدا ہوا ہے، اس طرح دونوں نے اپنا اپنا دعوی پیش کر دیا۔ اسلام نے ایک اصول وضع کیا ہے کہ زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ، الوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الحَجَرُ فرما کر۔ کہ باندی جس کی ہوگی، بچہ اسی کا ہوگا۔ زمعہ کا بیٹا قرار دے کر عبد بن زمعہ کے حوالے کر دیا۔

اب دیکھئے کہ فیصلہ یہ ہو رہا ہے کہ یہ زمعہ کا بیٹا ہے تو ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کا بھائی ہوا، اس کے باوجود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو یہ حکم فرما رہے ہیں: وَاحْتَجِبِي مِنْهُ يَا سَوْدَةُ بِنْتَ زَمْعَةَ کہ: اس سے پردہ کرنا، یہ تم کو نہ دیکھ پائے۔

چناں چہ بخاری شریف ہی کی روایت ہے: فَلَمْ تَرَهُ سَوْدَةُ قَطُّ [۱] کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے پوری زندگی اس کا اہتمام کیا کہ پوری زندگی وہ حضرت سودہ بنت

---

۱ صحيح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنهَا، بَابُ شِرَاءِ المَمْلُوكِ مِنَ الحَرْبِيِّ وَهِبَتِهِ وَعِتْقِهِ، ر:۲۲۱۸۔

زمعہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ نہیں پایا اور نہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے ان کو پوری زندگی دیکھا۔ کیسا زبردست ان کی عفت و پاک دامنی کا اہتمام تھا۔

حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں حضراتِ شیخین کی تدفین کا واقعہ

روایتوں میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جب میرے حجرے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کیا گیا۔ چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ان ہی کے حجرے میں ہوا تھا اور نبی کو وہیں دفن کیا جاتا ہے، جہاں ان کا انتقال ہوا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اسی حجرے میں دفن کیا گیا۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو میرے شوہر تھے، شوہر سے پردے کا کوئی سوال نہیں، اس لیے وہاں پردے اور حجاب کے شرعی احکام کی رعایت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو وہاں اسی کمرے میں دفن کیا گیا تو فرماتی ہیں کہ وہ تو میرے ابا تھے، میرے محرم تھے، ان سے بھی پردے کی ضرورت نہیں تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کرنا

اور اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، انتقال سے پہلے جب آپ زخمی ہوئے تھے تو باقاعدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہلوایا کہ میری تمنا یہ ہے کہ میں اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہوؤں، اگر آپ اجازت دیں تو مجھے وہاں دفن کیا جائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی اور یہ کہہ کر اجازت دی کہ میری خواہش تو یہ

تھی کہ میں وہاں دفن ہوتی لیکن جب آپ وہاں دفن ہونے کی تمنا کر رہے ہیں تو میں آپ کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے احتیاط کی انتہا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی احتیاط دیکھو، کیوں کہ وہ حجرہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تھا، وہی اس کی مالک تھیں، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کہا کہ ابھی تو انھوں نے اجازت دے دی ہے لیکن میرے مرنے کے بعد جب میرا جنازہ لے کر ان کے حجرے کے پاس جاؤ تو ان سے دوبارہ اس کی اجازت لے لینا، کہیں ایسا نہ ہو کہ میری زندگی میں میری آنکھوں کی شرم کی وجہ سے اس کی اجازت دی ہو، اس لیے دوسری مرتبہ کی اجازت مانگنے پر اگر اجازت دے دیں تو مجھے ان کے حجرے میں دفن کرنا۔

چناں چہ جب جنازہ لے کر گئے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے دوبارہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت مانگی اور انھوں نے دوبارہ اجازت دے دی، چناں چہ اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حجرے میں دفن کیے گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پردہ کا اہتمام

اور اسی حجرے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رہتی تھیں، اندازہ لگایئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو وفات پاچکے ہیں، قبر میں ہیں، اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا کہ جس کی وجہ سے بے پردگی ہوتی ہو، جو کام پردے کے حکم

کے خلاف ہو، جیسے بالوں کا کھل جانا وغیرہ، پورا پردہ کرتی تھیں، کتنا زیادہ اہتمام ہے کہ وہاں قبر میں مدفون شخص سے بھی پردے کا اہتمام کیا جارہا ہے[۱]۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی نگاہ میں بہترین عورت

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو جنت کی عورتوں کی سردار ہیں، ان کی عفت و پاک دامنی کا عالم کیا تھا؟۔ روایتوں میں ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مجلس کے اندر یہ دریافت فرمایا: مَا خَيْرٌ لِلنِّسَاءِ؟ کہ عورتوں کے لیے سب سے بہتر کیا ہے؟ تو کوئی اس کا جواب نہیں دے سکا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اس مجلس اٹھ کر اپنے گھر گئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اس کا تذکرہ کیا اور پوچھا: أَيُّ شَيْءٍ خَيْرٌ لِلنِّسَاءِ؟ کہ: عورتوں کے لیے کون سی چیز بہتر ہے؟ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: خَيْرٌ لَهُنَّ أَنْ لَا يَرَيْنَ الرِّجَالَ وَلَا يَرَوْنَهُنَّ کہ عورت کے لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ وہ نہ کبھی کسی اجنبی کو دیکھے اور نہ اجنبی کبھی اس کو دیکھے۔ باہر آ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے تو یہ جواب نقل کیا، اس جواب سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ یہ جواب کس نے دیا تو انھوں نے عرض کیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ جواب دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! وہی ایسا جواب دے سکتی ہیں، إِنَّهَا بَضْعَةٌ مِنِّي: فاطمہ میرا ایک ٹکڑا ہے[۲]۔

---

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل، مُسْنَدُ الصِّدِّيقَةِ عَائِشَةَ بِنْتِ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، ر:۲۵٦٦۰.

(۲) حلية الأولياء، ۲/ ٤۰، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا.

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پریشانی

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عفت و پاک دامنی کا کیا عالم تھا؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا صدمہ اتنا زیادہ تھا کہ اس صدمے کی وجہ سے وہ بیمار ہوگئیں اور اسی بیماری میں چھ مہینے کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

بیماری کے اس زمانے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت اور تیمارداری حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کرتی تھیں، حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا دیکھتی تھیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہمیشہ غمگین رہتی ہیں تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ ہمیشہ غم میں رہتی ہیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھے اس کا غم کھائے جا رہا ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں ہمیشہ اس کا اہتمام کیا کہ چادر اوڑھے ہوئے ہونے کی حالت میں بھی میرے جسم پر کسی اجنبی مرد کی نظر نہ پڑے لیکن میرے انتقال کے بعد جب کفن میں رکھ کر کے مجھے لے جایا جائے گا تو کفن میں لپٹی ہوئی ہونے کی حالت میں اجنبی لوگوں کی نظر مجھ پر پڑے گی، اس کا مجھے فکر ہے۔

اس پریشانی کا حل ملنے پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بے انتہا خوشی

اس پر حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ انھوں نے حبشہ کی ہجرت بھی کی تھی تو وہاں کا منظر پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ میں نے حبشہ کے اندر دیکھا کہ عورتوں کے جنازے کے اوپر جنازہ پوش رکھا جاتا ہے، جس کو ہم چھتری کہتے ہیں۔ روایتوں میں

ہے کہ یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد بس ایک مرتبہ مسکرائی ہیں، اسی بات کی خوشی میں جو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے ان کو بتائی اور انھوں نے اس کی وصیت کی کہ میرے جنازے کے اوپر بھی اسی طرح کا جنازہ پوش رکھا جائے؛ تاکہ کفن میں لپٹی ہوئی ہونے کی اس حالت میں بھی میرے جسم پر کسی اجنبی مرد کی نظر نہ پڑنے پائے(۱)۔

آپ اندازہ لگائیں! یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار ہیں اور ان کے یہاں پردے اور حجاب کا اور اپنے آپ کو اجنبیوں سے بچانے کا اتنا زیادہ اہتمام ہے۔

کر لے جو کرنا ہے، آخر موت ہے

ہمیں اپنے ان ہی اسلاف کے کردار کو اپنے سامنے رکھنا ہے، ان کی زندگی کو اپنے سامنے رکھنا ہے، یہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے، یہاں اگر کوئی عورت اپنی زندگی اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق گذارے اور بے حجابانہ اپنا چہرہ اور جسم اجنبیوں کو دکھلاتی رہے یا فیشن (fashion) کے مطابق چل کر فیشن ایبل (fashionable) لباس پہنتی رہے، یہ تو چند دنوں کی چاندنی ہے، چند روزہ دنیوی زندگی ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔

خواہش پرستوں کا دنیا ہی میں برا انجام

ویسے تو دیکھا یہ گیا ہے کہ ایسے لوگ جو اپنی جوانی کے زمانے میں خواہش کے تابع

(۱) حلية الأولياء، ۲/ ٤٣، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا.

ہوکراورنفس کی پیروی کرتے ہوئے شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ موت سے پہلے زندگی ہی میں ایسے حالات سے دوچار کرتے ہیں کہ جس کی وجہ سے دنیا والے بھی دیکھتے ہیں کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں کو جوتوڑا تھا، اس کی سزا ان کو مل رہی ہے، اس لیے اپنے آپ کو ایسی چیزوں سے خاص طور پر بچانے کی ضرورت ہے۔

ہارون رشید کی بے انتہا وسیع سلطنت

بہرحال! یہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تو وہ تھیں کہ جن کی پرورش نبوت والے گھرانے میں ہوئی تھی، اس زمانے میں بادشاہوں کے گھروں میں پرورش پانے والی خواتین کا مزاج کیا تھا؟ ہارون رشید بہت بڑا بادشاہ گذرا ہے، آپ نے غالبًا فضائل صدقات کے اندر پڑھا ہوگا کہ ایک مرتبہ ایک بدلی جارہی تھی تو اس کو خطاب کرکے ہارون رشید نے کہا کہ اے بدلی! تو کہیں بھی جا کر برس، تیرے پانی سے جو غلہ پیدا ہوگا، اس کا خراج اور ٹیکس میرے خزانے میں آکر جمع ہوگا، اتنی وسیع سلطنت اور حکومت تھی۔

ہارون رشید کی اہلیہ زبیدہ خاتون کے یہاں حجاب کا اہتمام

اتنے بڑے بادشاہ کی بیوی زبیدہ خاتون کو بھی ساری دنیا جانتی ہے، نہرِ زبیدہ کی وجہ سے وہ بڑی مشہور رہیں، ایک مرتبہ غسل کرنے کے بعد وہ اپنے بالوں کو سکھا رہی تھی، کنگھا کررہی تھی، اس زمانے میں پانی ڈالنے کے لیے یہ پائپ لائن تو تھی نہیں، غلام اور خدام وغیرہ مشکیزے میں پانی لاکر ڈالتے تھے، جب پانی ڈالنے کا وقت آتا تھا تو یہ

خدام گھر میں آنے سے پہلے آواز دے دیا کرتے تھے؛ تاکہ اندر کے لوگ پردہ کر لے، آواز دینے کے بعد اتنا وقفہ باہر ٹھیرتے تھے کہ جتنی دیر میں اندر عورتیں پردہ کر لیں تو پھر یہ خدام آکر پانی ڈال جایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ زبیدہ خاتون غسل کرنے کے بعد بال سکھا رہی تھی کہ غلام نے پانی ڈالنے کے لیے آواز دی اور کچھ وقفے کے بعد کہ جس میں پردہ ہو جائے، وہ اندر داخل ہوا۔ اتفاق کی بات کہ پردہ کرنے میں بالوں کا کچھ حصہ کھلا رہ گیا تو اس غلام کے جانے کے بعد زبیدہ خاتون نے وہ بال کاٹ دئے کہ بالوں کے جس حصے پر کسی اجنبی مرد کی نظر پڑی ہو، وہ اس قابل نہیں کہ کسی مسلمان عورت کے جسم پر باقی رہیں، ایک شاہی گھرانے میں پرورش پانے والی عورت اور خاتون کا حجاب اور پردے کے معاملے میں یہ مزاج تھا۔

موبائل کے فتنے سے اپنی اولاد کی حفاظت کا اہتمام کیجیے

یہ تیسری چیز ہے: وَأَحْصَنَتْ فَرْجَهَا کہ: عورت اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے۔ آج کل موبائل کی نحوست کی وجہ سے ہمارے لڑکوں اور لڑکیوں کے اندر جو برائیاں پھیلتی جا رہی ہیں، میں اپنی ماں بہنوں سے کہوں گا اور خاص طور پر گھر کی جو بڑی عورتیں ہیں ان سے کہوں گا کہ اپنی اولاد کو اس فتنے سے بچانے کا اہتمام کرو، اللہ تعالیٰ اس فتنے سے ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

لڑکیوں کے ہاتھ میں موبائل دینے سے گریز کیجیے

آج حال یہ ہو گیا ہے کہ نوجوان لڑکے لڑکیاں موبائل کے ذریعہ آپس میں باتیں

کرتے ہیں، پہلے زمانے میں جب یہ مصیبت نہیں تھی تو ماں باپ اپنی لڑکیوں کی حفاظت کا اہتمام اور انتظام بھی کرتے تھے لیکن آج کل یہ ہوگیا کہ لڑکی اپنے کمرے کے اندر بیٹھی ہوئی ہے، دروازہ بند ہے، ماں باپ کو کیا پتہ کہ وہ اندر کیا کر رہی ہے۔ اس لیے نوجوان لڑکیوں کو اس طرح کے آلات دینے ہی نہیں چاہیے؛ تاکہ ان کی پاک دامنی کی حفاظت رہے۔

گناہ کر لینے کے بعد دوبارہ گناہ کے آسان ہوجانے کا سبب

اور بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک پردہ ہے جس کی وجہ سے بندہ اپنے آپ کو برائی سے بچاتا ہے لیکن بندہ جب ایک مرتبہ گناہ کر لیتا ہے تو وہ پردہ جو اس کے اور رب کے درمیان تھا، گویا اس کو پھاڑ دیا جاتا ہے، تار تار کر دیا جاتا ہے اور پھر نفس اور شیطان اس کو گناہ کے کرنے پر بار بار آمادہ کرتے ہیں۔

بہر حال! اپنی شرم گاہ کی حفاظت اور پاک دامنی شریعت کی نگاہ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے، ویسے تو مرد اور عورت دونوں کو یہ حکم ہے لیکن عورتوں کے لیے یہ حکم اور بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اس لیے اس کا خاص اہتمام کریں۔

بد دین عورتوں سے اپنی بچیوں کو دور رکھئے

گھر کی جو بڑی عورتیں ہیں، ان کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی ماتحت لڑکیوں: بیٹیوں اور بہوؤں کی تربیت کرتی رہیں، اس سلسلے کے جو واقعات ہیں، وہ ان کو سنائیں اور اس سلسلے میں شریعت کا جو حکم ہے، وہ ان کو بتائیں، ان کی نگرانی کریں۔ کیوں کہ زمانہ بڑا

خطرناک ہے،شریف گھرانوں میں بھی بعض ایسی عورتیں ہیں جن کے تعلقات اجنبی مردوں کے ساتھ ہیں، وہ ہمارے یہاں آتی ہیں اور ہماری لڑکیوں اور بہوؤں کو باقاعدہ فون دے کر اجنبیوں کے ساتھ باتیں کرواتی ہیں۔

ایک عبرت ناک واقعہ

ایک آدمی نے خود مجھے بتلایا کہ میری دو لڑکیاں ہیں، دونوں عالمہ ہیں، بڑی ہی نیک، صالحہ، تہجد گزار، شریعت کی پابند؛ لیکن نکاح کے بعد ان کے پاس اس طرح کی عورتیں آنے لگیں اور انھوں نے اجنبی مردوں کے ساتھ ان کا تعلق کرا دیا، جس کی وجہ سے ان دونوں کی زندگیاں برباد ہوگئیں۔ وہ آدمی میرے پاس آکر ایسا روتا تھا کہ مجھے اس پر رحم آتا تھا۔

اس لیے ایسے ماحول میں ہمیں اپنی اولاد کی نگرانی اور حفاظت کی بہت زیادہ ضرورت ہے، ان کی نگرانی کی جائے، ان کی تربیت کی جائے، ان کی ذہن سازی کی جائے، ان کو بتلایا جائے کہ یہ چیزیں کیسی خطرناک ہیں، اس سے کیسا نقصان ہوتا ہے، اس کا خود بھی اہتمام کریں اور گھر کی لڑکیوں سے بھی اہتمام کرائیں۔

عورتوں کو جنت میں داخل کرنے والی چوتھی چیز

جیسا کہ میں نے کہا کہ نبیٔ کریم ﷺ نے عورتوں کے لیے جنت میں جانے کا جو مختصر سا نسخہ بتایا ہے، اس میں چوتھی چیز وَأَطَاعَتْ بَعْلَهَا ہے کہ اپنے شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری کرے، یہ بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

عورت کے لیے اپنے شوہر کی ذات ہی سب کچھ ہے، شادی کے بعد ماں باپ کے ساتھ ماں باپ والا تعلق تو باقی رہتا ہے لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر وہ اِدھر اُدھر نہیں جا سکتی، بعض مستثنیٰ صورتیں ہیں جو کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں لیکن عام طور پر وہ ہمارے معاشرے میں نہیں پائی جاتیں، ان صورتوں میں وہ شوہر کی اجازت کے بغیر بھی اپنے ماں باپ کی خدمت کے لیے جانا چاہے تو جا سکتی ہے لیکن ایسی صورتیں بہت کم پیش آتی ہیں۔

بعض ماں باپ ہی اپنی بچیوں کا گھر برباد کرتے ہیں

آج کل یہ وبا بہت عام ہوگئی ہے کہ ذرا سی اپنے داماد کے ساتھ کچھ ان بن ہوگئی کہ ماں باپ اپنی لڑکی کو اپنے گھر میں بٹھا دیں گے اور شوہر کے پاس جانے سے روک دیں گے، بات بھی نہیں کرنے دیں گے۔ اجنبیوں کے ساتھ تو بات کرتی ہے، ہنس بول کر ملتی ہے، ان کے ساتھ بیٹھتی ہے اور شوہر خدانخواستہ آ گیا تو ماں باپ اس کے ساتھ ملنے کی اجازت نہیں دیتے، اس کی وجہ محض اپنی مزعومہ بڑائی کا اظہار ہوتا ہے، یہ ساری صورتیں ایسی ہیں جن کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

اس لیے اپنی لڑکیوں کی بے جا حمایت سے دور رہیں، اس کی وجہ سے گھر برباد ہوتے ہیں، خاندان برباد ہوتے ہیں، اس لیے اس سے بھی اپنے آپ کو بچانے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

بہت سی جگہوں سے یہ لکھا گیا کہ لڑکا اور لڑکی تو ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر

رہنا چاہتے ہیں، ان میں کوئی جھگڑا اور ناچاقی نہیں ہے لیکن بڑوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہو گیا تو اب یہ بڑے چاہتے ہیں کہ یہ رشتہ باقی نہ رہے۔

یاد رکھئے کہ جب تک یہ رشتہ ہوا نہیں تھا، وہاں تک آپ کو اختیار تھا لیکن ایک مرتبہ رشتہ قائم ہو جانے کے بعد شریعتِ مطہرہ جو حکم دیتی ہے، اس کے پیش نظر آپ کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، اس صورت میں اگر لڑکی کے ماں باپ اس کو بلاوجہ روکیں گے یا اس کے شوہر کو اس کے ساتھ ملنے سے رکاوٹ ڈالیں گے، بات نہیں کرنے دیں گے تو یہ سب سخت گنہگار رہیں۔

اہلِ علم کا فریضہ

یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب اور لعنتیں اترتی ہیں، اس لیے اگر اہل علم کی جان کاری میں ایسی چیزیں آویں تو ان کو چاہیے کہ وہاں جا کر کے ان کو سمجھائیں اور ایسے غلط طریقوں کو اختیار کرنے سے ان کو باز رکھیں۔

ایک مؤمن عورت کو اپنے شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری کا بڑا اہتمام کرنا چاہیے، حدیث میں آتا ہے، فرماتے ہیں کہ کوئی عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے[1]۔

---

[1] علامہ ابن حجر الہیتمی نے اپنی کتاب الزواجر میں اور علامہ ذہبیؒ نے ''الکبائر'' میں ایک طویل حدیث نقل کی ہے، جس کا ایک جزء یہ ہے: وَأَيُّمَا امْرَأَةٍ خَرَجَتْ مِنْ دَارِهَا بِغَيْرِ إِذْنِ زَوْجِهَا لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تَرْجِعَ. (الزواجر عن اقتراف الكبائر، ٢/ ٧٧؛ الْكَبِيرَةُ الثَّمَانُونَ بَعْدَ الْمِائَتَيْنِ نُشُوزُ الْمَرْأَةِ. الكبائر، ص:١٧٥)

عورتوں کی ایک قابلِ اصلاح بری عادت

عورتیں بلاوجہ شوہروں کو مالی پریشانی میں نہ ڈالیں، آج کل عورتوں کا ایک مزاج یہ بھی بنا ہوا ہے کہ اَور لوگوں کے دیکھا دیکھی اپنے لیے بھی لوگوں جیسی چیزیں چاہتی ہیں، کسی کا اچھا لباس دیکھ لیا، یہ ان کا ایک مزاج ہے، حرص والی طبیعت ہے کہ ان کے پاس سو جوڑی کپڑے ہوں لیکن اگر کسی شادی میں جائے گی اور کسی عورت کو اچھے لباس میں دیکھ لیا تو شوہر سے ضد شروع کر دے گی کہ مجھے بھی ایسا لباس چاہیے، گویا ان کی حرص ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی اور اس کی وجہ سے ان کے مطالبے اور ڈیمانڈ شوہروں کے اوپر بڑھتے رہتے ہیں۔

شوہروں سے غلط مطالبات کرنے سے احتراز کیجیے

یہ کوئی اچھا طریقہ نہیں ہے، آپ کو اپنے شوہر کی مالی حیثیت کا بھی لحاظ کرنا چاہیے کہ میرے شوہر کی مالی حالت کیسی ہے، میں اس سے جس لباس، جن زیورات اور جس ساز و سامان کا مطالبہ کر رہی ہوں، کیا وہ اپنے پاس اتنا مال رکھتا ہے جس سے وہ میرے مطالبوں کو آسانی سے پورا کرے؟ اگر وہ آپ کی ضد کی وجہ سے آپ کے ان مطالبات کو پورا کر بھی لے گا اور اس کی وجہ سے دوسرے حقوق کی ادائیگی میں اس سے کوتاہی ہوگی تو یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے غضب کا ذریعہ بنیں گی اور اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ناراض ہوں گے تو آپ کی زندگی اجیرن ہو جائے گی، اس لیے شوہروں سے ایسے غلط مطالبات نہیں ہونے چاہئیں۔

بیوی ناراضگی والی بات اپنے والدین کو ہرگز نہ بتائے

اور ساتھ ہی ساتھ میاں بیوی کا معاملہ ہے، ۲۴ رگھنٹے کا ساتھ ہے، ناگواری کی باتیں پیش آتی رہتی ہیں تو عورتوں کو بھی چاہیے کہ اگر شوہروں کی طرف سے کوئی ایسی ناگواری کی بات کبھی پیش آجائے تو اس کا تذکرہ بار بار اپنے ماں باپ کے سامنے نہ کریں بلکہ خود ہی اس کو برداشت کرلے، یہ تو چند روز کی بات ہے، اس لیے کہ آج اگر شوہر ناراض ہوا، ناراضگی کی کوئی بات پیش آگئی تو کل وہ راضی بھی ہوجائے گا۔

اور اگر آپ نے ناراضگی والی بات اپنے ماں باپ سے کردی اور انھوں نے اس کو اپنے دل ودماغ پر لے لیا اور وہ اس سلسلے میں کوئی ایکشن لینا چاہتے ہیں، جیسا کہ ابھی میں نے کہا کہ وہ اپنی بیٹی کو اپنے گھر میں روک لیتے ہیں، ایسی ہی صورتیں ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے ماں باپ لڑکی کو اپنے گھر پر روک لیتے ہیں، بعد میں یہ لڑکی خود اپنے شوہر سے چپکے چپکے تعلق قائم کرتی ہے اور میاں بیوی ساتھ رہنا چاہتے ہیں مگر ماں باپ ساتھ رہنے نہیں دیتے، یہ اس لڑکی کی حماقت ہی کی وجہ سے تو ہوا کہ چاہے یہ ناراضگی والی بات صحیح تھی لیکن اس نے ماں باپ تک پہنچا کر ماں باپ کے ذہن کو خراب کیا اور آج یہ نوبت آگئی کہ اس کی وجہ سے اس کی ازدواجی زندگی خطرے میں پڑگئی، اس لیے عورتوں کو چاہیے کہ اس طرح کی ناراضگی والی باتیں اپنے ماں باپ کو نہ کہیں، خود برداشت کریں۔

باہمی ناراضگی کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع

اور ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنا چاہیے، دو رکعت نماز پڑھ کے اللہ

تعالیٰ سے دعا کریں، وہی دلوں کا مالک ہے، دلوں کو الٹ پلٹ کرنے والا ہے، اس سے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ ایسے چھوٹے چھوٹے مسئلوں کو خاندان میں رکھ کر دونوں خاندانوں میں آپس میں نزاع اور جھگڑا پیدا کرنا بھی ناپسندیدہ ہے۔

بہرحال! شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری بھی اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتی ہے، اس کا اہتمام ہونا چاہیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بلا اجازت والدین کے گھر جانے سے احتراز

آپ کو تعجب ہوگا کہ جس زمانے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگی تھی اور ایک مدت تک ان کو اس تہمت کا پتہ نہیں چلا، بعد میں حضرت ام مسطح رضی اللہ عنہا کی زبان سے اس تہمت کا علم ہوا تو ان کے ماننے میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے، وہ چاہتی تھیں کہ اپنی ماں سے اس کے متعلق تحقیق کرلیں تو جو لوگ مسجد نبوی گئے ہیں اور اس کو جانتے ہیں تو ان کو معلوم ہوگا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ جب آدمی قبلہ رخ کھڑا ہوتا ہے تو بائیں طرف ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مکان آج بھی وہاں موجود ہے، جہاں ”خَوْخَةُ أَبِي بَكر“ لکھا ہے، وہ مسجد کی داہنی طرف ہے، گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان میں اتنا ہی فاصلہ تھا، جتنا مسجد نبوی کی چوڑائی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب معلوم ہوا کہ میرے بارے میں ایسی باتیں ہو رہی ہیں تو وہ چاہتی تھیں کہ اپنی والدہ کے پاس جا کر اس کی تحقیق کریں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر

پر نہیں تھے، اگر آپ چاہتیں تو بلا اجازت جلدی سے اپنے والد گھر جا کر تحقیق کر کے دو پانچ منٹ میں واپس آ سکتی تھیں، کوئی لمبا فاصلہ بھی نہیں تھا اور کسی اجنبی سے مڈ بھیڑ کی نوبت بھی نہیں آ سکتی تھی لیکن ایسا نہیں کیا، انھوں نے حضور ﷺ کے آنے کا انتظار کیا، جب حضور ﷺ تشریف لائے تو اجازت چاہی کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے ماں باپ کے یہاں جاؤں، حضور ﷺ نے اجازت عطا فرمائی تو وہ اپنے گھر والدین کے پاس گئیں①۔

موجودہ دور کی خواتین کے لیے سبق

اس میں ہماری آج کل کی ماں بہنوں کے لیے عجیب درس اور سبق ہے کہ اپنے گھر جانے کے لیے مختصر سا فاصلہ طے کرنا تھا لیکن اپنے شوہر کی، حضور ﷺ کی اجازت کے بغیر جانا گوارا نہیں کیا اور شریعت کے اس حکم پر عمل کا کتنا اہتمام کیا۔ آج کل کیا ہو رہا ہے؟ ہماری ماں بہنیں شوہروں کو پوچھے بغیر پتہ نہیں، کہاں کہاں گھوم گھام کر آتی ہیں، خریداری کر کے، شاپنگ کر کے آتی ہیں، حالاں کہ شوہر کی طرف سے ممانعت ہوتی ہے، پھر بھی اس کو خاطر میں نہیں لایا جاتا، یہ وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے غضب کو لانے والی ہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ اس سے بھی بچنے کا خاص اہتمام کیا جائے۔

آج کا پرفتن ماحول اور شوہر کی اطاعت

آج کل کا ماحول آزادی کا ہے، اس کے پیشِ نظر نوجوان عورتوں کے لیے اپنے

① صحيح البخاری، بَابُ حَدِيثِ الإِفْكِ، ر:٤١٤١.

شوہروں کی اطاعت اورفرماں برداری کا معاملہ ایک مستقل مسئلہ بن چکا ہے اور بڑی اہمیت اختیار کرگیا ہے، ان کے لیے یہ بڑا بھاری معلوم ہوتا ہے، حالاں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

اس دور میں عورتوں کی آزادی کے نعرے بلند کیے جاتے ہیں اور اس کے لیے نئے نئے شوشے چھوڑتے ہیں اور عورتوں کو بہکاتے ہیں، ورغلاتے ہیں اور شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری سے ان کو روکنے کے لیے نئی نئی ترکیبیں اور نئے نئے نسخے آزمائے جاتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ دنیا کا عجیب حال ہے کہ جس کے ساتھ نکاح ہوا، اس کی خدمت اور اس کی اطاعت اور فرماں برداری کو تو عیب سمجھا جاتا ہے اور غیروں کی خدمت کو فخر کی چیز سمجھا جاتا ہے۔

آج کل عورتیں سروس (service) اور ملازمت کے نام پر لڑکیاں دکانوں، شوروم (showrooms)، مالز (malls) وغیرہ میں کام کرتی ہیں، ہوائی جہاز میں ایر ہوسٹس (air hostess) کا کام کرتی ہیں، آج کل تو ہوٹلوں میں، بڑے بڑے اسٹوروں میں اور جگہ جگہ عورتوں ہی کو استقبال وغیرہ کے لیے پیش کیا جاتا ہے، وہاں گاہکوں کا ہنس ہنس کر استقبال کرنا، ان کی خدمت کرنا ان کی ڈیوٹی ہوتی ہے، ان کے ساتھ تنہائی میں رہنا عیب نہیں سمجھا جاتا۔

یہ ایک عجیب سوچ آ گئی ہے جس نے لوگوں کے ذہنوں کو بدل دیا ہے اور جو غلط اور بری چیزیں ہیں، ان کو اچھا اور اپنے لیے فخر کی چیز سمجھتے ہیں اور جو شرف کی چیزیں

تھیں، ان کو عیب سمجھتے ہیں، ہمیں ایسی سوچ سے اپنی اولاد کو دور رکھنے کی ضرورت ہے۔

حضور ﷺ کی نگاہوں میں سب سے بہترین عورت

ایک موقع پر نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا گیا: أَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ؟: عورتوں میں سب سے بہتر عورت کون سی ہے؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: الَّتِي تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ إِلَيْهَا کہ: جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ شوہر کو خوش کردے، وَتُطِيعُهُ إِذَا أَمَرَهَا: اور شوہر جب اس کو کسی بات کا حکم دے تو وہ اس کی فرماں برداری اور اطاعت کرے، وَلَا تُخَالِفُهُ فِي نَفْسِهَا، وَلَا مَالِهَا: اور اپنی ذات کے اندر اور شوہر کے مال کے اندر کوئی ایسا کام اور کوئی ایسا تصرف نہ کرے جس سے شوہر کی مخالفت ہوتی ہو[①]۔

یہ چار باتیں جس عورت میں ہوں گی، نبیٔ کریم ﷺ نے اس عورت کو تمام عورتوں میں سب سے بہترین عورت کا ہونے کا سرٹیفکٹ عطا فرمایا ہے، اس لیے ضرورت اس کی ہے کہ اس کا اہتمام کیا جائے

شوہروں کی نافرمانی کرانا شیطان کا سب سے اہم مشن

خاص کر کے اس ملک میں تو دن بہ دن ضروری ہوتا جارہا ہے اور دشمنوں اور شیطانوں کے لشکر کی با قاعدہ کوشش یہی ہوتی ہے کہ بے حیائی اور شوہروں کی نافرمانی کا مرض عام کرے۔

---

① السنن الکبری للبیهقی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابُ اسْتِحْبَابِ التَّزَوُّجِ بِالْوَدُودِ الْوَلُودِ، ر:۱۳۴۷۷.

ویسے بھی یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جو شیاطین دنیا میں گمراہی پھیلاتے ہیں، بڑا شیطان شام کے وقت ان کا جائزہ لیتا ہے اور ان سے پوچھتا ہے کہ تم نے کون سا کارنامہ انجام دیا اور ان کارناموں میں سب سے اہم اور سب سے بڑا کارنامہ یہی ہوتا ہے میاں بیوی کے درمیان جھگڑا کرانے کا[1]۔

ایمان والی عورتوں کا مزاج خراب کرنے کی با قاعدہ کوششیں

آج کل شوہروں کی اطاعت اور فرماں برداری کے معاملے میں بہت زیادہ کوتاہیاں ہو رہی ہیں اور اس کے لیے، عورتوں کے مزاج کو شوہروں کی نافرمانی والا بنانے کے لیے با قاعدہ ایسی اسکیمیں چلائی جا رہی ہیں کہ اچھی خاصی عورتیں اس قسم کی عورتوں کی صحبت میں آ کر اپنی زندگیاں برباد کر لیتی ہیں، ایسے واقعات ہوئے ہیں، ایسی عورتیں جو دین کی پابند، احکام کی پابند، پردے کی پابند، نماز روزوں کی پابند ہوتی ہیں اور صرف خود پابند نہیں بلکہ دوسری عورتوں کی بھی اس کی دعوت دینے والی ہوتی ہیں، ایسی لڑکیوں اور عورتوں کی زندگی میں ایسا انقلاب اور ایسی تبدیلی آئی کہ لوگ حیرت زدہ رہ گئے کہ یہ عورت اتنی زیادہ پابند تھی اور اب اس کی یہ حالت کیسے ہو گئی!؟۔ اس لیے عورتوں کو اس قسم کی عورتوں سے اپنے آپ کو خاص طور پر بچانے کی ضرورت ہے۔

ویسے بھی صحبت تو کوئی بھی ہو، سب پر اثر کرتی ہے، مرد ہو یا عورت ہو، چھوٹا ہو یا بڑا ہو لیکن عورتوں کا مزاج ایسا ہے کہ ان کے اوپر یہ اجنبی صحبتیں بہت جلدی، فوری طور

---

① صحيح مسلم، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابُ تَحْرِيشِ الشَّيْطَانِ وَبَعْثِهِ سَرَايَاهُ إلخ، ر:۲۸۱۳.

پر اثر کرتی ہیں اور یہ عورتیں فوری طور پر اس کا اثر لے کر اس کے مطابق اس پر عمل کا اہتمام کرتی ہیں۔

ابو مسلم خولانیؒ: جن کے لیے آگ باغ بن گئی

البدایہ والنہایہ میں یہ واقعہ ہے، ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے ہیں اور بڑے مستجاب الدعوات تھے، جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو معجزہ عطا فرمایا تھا کہ آگ ان کے لیے باغ بن گئی تھی، ایسا ہی ان کے ساتھ ہوا تھا کہ ان کو اسود عنسی نے آگ میں ڈالا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آگ کو باغ بنا دیا تھا، یہ امت کے ایسے فرد تھے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے ایسی کرامت عطا فرمائی تھی، جیسا معجزہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو عطا فرمایا تھا[1]۔

حضرت ابو مسلم خولانیؒ کا ایک عجیب واقعہ

ان کا اپنی بیوی کے ساتھ معمول یہ تھا کہ جب گھر میں آتے تو گھر میں آنے سے پہلے باہر سے ''اللہ اکبر'' کہتے تھے تو گھر میں سے بیوی بھی ''اللہ اکبر'' کہتی تھی۔ ایک مرتبہ رات کے وقت مغرب کے بعد گھر میں داخل ہونے سے پہلے باہر سے اللہ اکبر کہا تو اندر سے بیوی نے جواب میں ''اللہ اکبر'' نہیں کہا تو فوراً کہنے لگے کہ میری بیوی کا مزاج کسی نے بدلا ہے!۔ گھر کے اندر گئے تو ایک عورت ان کی بیوی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی، ان کی بیوی نے ان سے جھگڑا شروع کر دیا اور کہنے لگی کہ آپ نے کبھی اچھے

---

① عبداللہ بن ثوب ان کا نام ہے۔ صفة الصفوة، ۲/ ۳٦٩

کپڑے مجھے لاکر نہیں دیے، کبھی زیور بنوا کر نہیں دیے، حضرت سمجھ گئے کہ ان کا مزاج کسی نے بدلا ہے، چوں کہ مستجاب الدعوات تھے، اس لیے دعا کی کہ اے اللہ! میری بیوی کا مزاج جس نے بدلا ہے، اس کی بینائی چھین لیجیے۔ اسی وقت اس عورت نے جو وہاں بیٹھی ہوئی تھی اور حضرت اس کو جانتے بھی نہیں تھے، وہ ان کی بیوی سے کہنے لگی کہ یہ تمھارے گھر کا جو فانوس ہے، لالٹین، وہ کہیں بجھ تو نہیں گئی؟ حضرت نے کہا کہ وہ تو نہیں بجھی ہے، البتہ تیری آنکھیں چلی گئیں۔ اتنا کہتے ہی سچ مچ بینائی ختم ہوگئی، وہ عورت رونے لگی اور حضرت سے معافی مانگنے لگی اور دعا کی درخواست کرنے لگی تو حضرت نے فرمایا کہ وعدہ کرو کہ آئندہ کبھی میرے گھر میں داخل نہیں ہوگی تو میں دعا کرتا ہوں۔ چناں چہ اس نے وعدہ کیا تو آپ نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اس کی بینائی واپس آگئی اور رخصت ہوگئی[1]۔

کہنے کا منشا یہ ہے کہ عورتوں کو بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کو دین کی دولت عطا فرمائی ہے تو وہ اپنے آپ کو دین سے محروم اور دین سے بیزار قسم کی عورتوں سے بچانے کی پوری کوشش کریں۔

طرفین کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں شریعت کا طریقۂ کار

بہت سی مرتبہ شوہروں کی طرف سے بھی آپ کے حقوق کی ادائیگی کے معاملے میں کوتاہی ہوتی ہے اور یہ دراصل ہمارا معاشرہ، ہماری سوسائٹی جن برائیوں کی شکار

[1] البداية والنهاية، ٦/ ٣٢٨، القول فيما أوتي عيسى بن مريم عليه الصلوة والسلام.

ہے، اس کا نتیجہ ہے لیکن شریعتِ مطہرہ نے ایسے مواقع پر دونوں فریق کے جو حقوق ہیں، بیوی پر شوہر کے حقوق، شوہر پر بیوی کے حقوق، ماں باپ پر اولاد کے حقوق، اولاد پر ماں باپ کے حقوق تو ایسے موقع پر شریعت کا طریقۂ کار یہ رہا ہے کہ جن کے اوپر حقوق ہیں، ان کو باقاعدہ مخاطب کر کے یہ کہتی ہے کہ تم شوہروں پر بیویوں کے یہ حقوق ہیں اور عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے شریعت یوں کہتی ہے کہ تم بیویوں پر شوہروں کے یہ حقوق ہیں۔

چناں چہ جب آپ احادیث کو پڑھیں گی تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ کو یہ بتلایا جا رہا ہے کہ تمھارے اوپر تمھارے شوہروں کے یہ حقوق ہیں، مطلب یہ ہے کہ جن پر حقوق ہیں، ان کو یہ بتایا گیا ہے، جن کے ہیں، ان کو نہیں، عورتوں کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تمھارے شوہروں کے اوپر تمھارے یہ حقوق ہیں یا شوہروں کو یہ نہیں فرمایا کہ تمھارے یہ حقوق تمھاری بیویوں پر ہیں بلکہ شوہروں کو یوں کہا کہ تمھاری بیویوں کے تم پر یہ حقوق ہیں، تم ان کو ادا کرو، عورتوں کو یوں کہا کہ تمھارے شوہروں کے تم پر یہ حقوق ہیں، تم ان کو ادا کرو، جن پر یہ حقوق ہیں اور جو ذمہ دار ہیں، ان کو بتایا گیا، دوسرے فریق کو نہیں۔

اب ظاہر ہے کہ شوہروں پر بیویوں کے جو حقوق ہیں، جب وہ ان کو ادا کرے گا تو بیوی کا حق ادا ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی ذمہ داری بھی پوری ہو جائے گی، اسی طرح بیوی پر جو شوہر کے حقوق ہیں، جب بیوی اس کو ادا کرے گی تو شوہر کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس کی ذمہ داری بھی پوری ہو جائے گی، بیوی ہونے کی حیثیت سے اللہ

تعالیٰ نے اس کی جو ڈیوٹی اور فرائض مقرر کیے ہیں، وہ ادا ہو جائیں گے۔

ہر بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہے، مخاطب ہے، ایک بیوی، ایک عورت اللہ تعالیٰ کے حکم کی بہ ایں معنی پابند ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ حکم دیا کہ تم شوہروں کے ان حقوق کو ادا کرو، ایک شوہر اللہ تعالیٰ کے حکم کا بہ ایں معنی پابند ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ حکم دیا کہ تم بیویوں کے ان حقوق کو ادا کرو تو ان حقوق کی ادائیگی شوہر کا فرضِ منصبی ہے، جس کو ڈیوٹی کہتے ہیں، شوہر کی ڈیوٹی ہوئی اور عورت کا حق ہوا، اسی طرح عورت کے اوپر شوہر کے جو حقوق ہیں، وہ عورت کی ڈیوٹی ہوئی اور شوہر کا حق ہوا۔ اب جب ہر فریق اپنی ڈیوٹی کو ادا کرے گا تو پھر دوسروں کو اپنے حقوق کو مانگنے اور مطالبے کرنے کا اور شکایت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، خود بہ خود یہ حقوق ادا ہوتے جائیں گے۔

امت کی تربیت کا نبوی انداز

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کی جو تربیت فرمائی، وہ انداز دوسرا تھا اور آج دنیا کا جو انداز ہے، وہ دوسرا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا انداز یہ تھا کہ تم میں سے ہر ایک ان حقوق کو جو اللہ تعالیٰ نے ان پر عائد فرمائے ہیں، ان کو ادا کرے، جب وہ ادا کرے گا تو دوسرے کا حق خود بہ خود ادا ہو جائے گا اور اس کی ڈیوٹی بھی پوری ہو جائے گی اور کوئی جھگڑا بھی نہیں ہوگا۔

الٹی ہی چال چلتے ہیں دیوانگانِ عشق

آج کل کا مزاج یہ بنتا جا رہا ہے کہ عورت نے شوہر والا سبق پڑھ لیا، شریعت نے

یہ سبق شوہر کو دیا تھا کہ تم پر بیوی کے یہ حقوق ہیں، حضور ﷺ کے جو یہ ارشادات ہیں، وہ بہ راہِ راست شوہر سے تعلق رکھتے ہیں، حضور ﷺ نے شوہروں کو جو باتیں ارشاد فرمائیں، ان کو عورتوں نے یاد کرلیا اور عورتوں کو حضور ﷺ نے جو باتیں ارشاد فرمائیں کہ تم پر شوہروں کے یہ حقوق ہیں، ان کو مردوں نے یاد کرلیا۔

اب عورتیں مطالبہ کرتی ہیں شوہروں سے کہ ہمارا تم پر یہ حق ہے، اس کو ادا کرو اور مرد بیویوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارا تم پر یہ حق ہے، تم اس کو ادا کرو، اب ان کے جو حقوق دوسروں پر ہیں، ان کا مطالبہ کیا جارہا ہے اور ان پر جو دوسروں کے حقوق ہیں، ان کو ادا نہیں کیا جارہا ہے۔

آج کل لوگوں کا یہ انداز اُس انداز سے سراسر الگ ہے جو نبئ کریم ﷺ نے ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں اختیار کیا تھا۔

ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرنے والے میاں بیوی

ایک دوسری چیز بھی ہے، دیکھئے! یہ جو حقوق متعین کیے ہیں، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے متعین کیے ہیں، بیوی پر شوہر کے حقوق اللہ تعالیٰ نے متعین کیے، شوہر پر بیوی کے حقوق اللہ تعالیٰ نے متعین کیے، اب اگر شوہر بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کا گنہگار ہے، اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے اور بیوی پر شوہر کے حقوق اللہ تعالیٰ نے لازم کیے تو بیوی اگر شوہر کے حقوق ادا نہیں کرتی تو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمان ہے اور اللہ تعالیٰ کی گنہگار ہے۔

حقوق کی ادائیگی میں میاں بیوی کا سودے والا انداز

اب ہمارے یہاں یہ ہو گیا ہے کہ شوہر پر بیوی کے جو حقوق اللہ تعالیٰ نے لازم کیے ہیں، شوہر اس کو ادا نہیں کرتا تو بیوی پر شوہر کے جو حقوق اللہ تعالیٰ نے لازم کیے ہیں، بیوی ان کو ادا نہیں کرتی اور کہتی ہے کہ تم میرا فلاں حق ادا نہیں کرتے تو میں تمھارا حق بھی ادا نہیں کروں گی یا بیوی اگر شوہر کا حق ادا نہیں کرتی تو اس کے جواب میں شوہر بیوی کا حق ادا نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرا فلاں حق تجھ پر ہے، تو نے وہ ادا نہیں کیا تو میں تیرا یہ حق ادا نہیں کروں گا۔

حالاں کہ- جیسا کہ ابھی میں نے کہا کہ- وہ حق اللہ تعالیٰ نے لازم کیا ہے تو اب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے مطالبہ کریں گے لیکن مان لیجیے کہ بیوی شوہر کا حق جو اللہ تعالیٰ نے اس پر لازم کیا، ادا نہیں کرتی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن یا حدیث میں حضور ﷺ کے ذریعہ سے کہیں بھی یہ نہیں بتلایا کہ بیوی اگر شوہر کا حق ادا نہیں کرتی تو شوہر اس کے جواب میں بیوی کا جو اس پر حق ہے، اس کو ادا نہ کرے یا شوہر بیوی کا حق ادا نہیں کرتا تو بیوی شوہر کا وہ حق جو اس پر ہے، ادا نہ کرے۔

یہ سودا نہیں، عبادت خدا کی ہے

دیکھئے! یہ کوئی سودا نہیں ہے، ایک تو سودا ہوتا ہے کہ میں آپ سے مکان خریدوں اور مکان کی قیمت دس لاکھ ڈالر طے ہو جاوے اور سودا ہو گیا تو اس کے بعد آپ مجھے اپنا مکان دیں گے اور میں اس کے بدلے میں دس لاکھ ڈالر دوں گا۔

اب اگر خدانخواستہ میں آپ کو دس لاکھ ڈالر ادا نہ کروں تو آپ اپنا مکان اپنے پاس روک سکتے ہیں، کیوں کہ یہ سودا ہے، سودے میں شریعت نے یہی حکم دیا ہے کہ اگر سامنے والا آپ کے مطالبے کو پورا نہیں کرتا تو آپ اپنا مطالبہ وصول کرنے کے لیے اس کے مطالبے کو روک سکتے ہیں۔

لیکن یہ جو حقوق بتلائے: پڑسیوں کے حقوق، ماں باپ کے حقوق، میاں بیوی کے حقوق، اولاد کے حقوق، ان حقوق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں ان پر لازم کی ہیں، اب اگر وہ اس کو ادا نہیں کرتا تو سامنے والی جو پارٹی ہے، اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے حقوق کو روک دے۔

تو ہمارے معاشرے اور سماج میں لوگوں کی جو یہ ذہنیت اور مزاج بن گیا ہے، وہ شریعت کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی، شریعت کی تعلیم تو وہ ہے جو ابھی بتلائی گئی۔

ہمیں تو شریعت نے یہ کہا: بیٹے کو کہا کہ اگر باپ تمھارا حق ادا نہیں کرتا تو وہ ہمارا گنہگار ہے، ہم ان سے نمٹیں گے لیکن اس کے باوجود تم کو چاہیے کہ تم اپنے باپ کا حق ادا کرتے رہو۔ بیوی کو شریعت نے یہ کہا کہ شوہر کے اوپر تمھارا یہ حق ہے، اگر وہ تمھارا حق ادا نہیں کرتا تو وہ ہمارا گنہگار ہے، ہم ان سے نمٹیں گے، ان کو سزا دیں گے لیکن اس کی وجہ سے تم پر شوہر کا جو حق ہے، تم اس کو روک نہیں سکتی۔

بہر حال! یہ جو مزاج ہمارے معاشرے میں بنتا جا رہا ہے، شریعت میں اس کی کہیں اجازت نہیں ہے۔ ہاں عقود اور معاملات میں شریعت نے یہ حکم دیا ہے، وہاں

آپ ایسا کر سکتے ہیں۔

آپ نے شوہر کو اپنی کوئی چیز بیچی اور وہ اس کی قیمت ادا نہیں کرتا تو اب آپ وہ چیز اپنے پاس روک سکتی ہیں لیکن اگر شوہر آپ کا حق ادا نہیں کرتا تو آپ شوہر کا حق ادا کرنے سے اپنے آپ کو روک نہیں سکتیں۔

معاشرتی نظام کی درستگی کے لیے کیا کریں؟

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے زندگی گزارنے کا جو یہ نظام بنایا گیا ہے، اس کے مطابق زندگی گذارنا ضروری ہے، اسی وجہ سے شریعت کہتی ہے کہ اگر کوئی ایک فریق بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس حکم کو پورا کرنے کا اہتمام کرے گا تو ان شاء اللہ معاشرے کا نظام بہت اچھے طریقے سے چلتا رہے گا۔

اور اگر دونوں فریق اپنے حقوق کا مطالبہ ہی کرتے رہیں گے اور سامنے والے کے حقوق کو ادا نہیں کریں گے اور یوں کہتے رہیں گے کہ تو میرا حق ادا کرے گا تو میں تیرا حق ادا کروں گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ وہ اس کا حق ادا کرے گا اور نہ یہ اس کا حق ادا کرے گا اور نہ یہ معاشرہ اور سوسائٹی شریعت کے بتائے ہوئے نظام کے مطابق قائم رہے گی۔

شوہر کی اطاعت کی اہمیت پر دلالت کرنے والی ایک حدیث

بات اس پر چل رہی تھی کہ شوہروں کی اطاعت بہت بڑی اور اہم چیز ہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک فرمایا: لَوْ

كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لأَحَدٍ لأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا کہ: اگر میں کسی کو اللہ کے علاوہ کوسجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے[۱]۔

مذکورہ حدیث کا شانِ ورود

اس کا واقعہ یہ ہوا کہ ایک موقع پر ایک صحابی نے نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں فلاں ملک گیا تھا، وہاں میں دیکھا کہ رعیت اپنے باشاہ کو سجدہ کرتی ہے[۲]۔اور ایک موقع پر ایسا بھی ہوا کہ اونٹ اپنے مالک کی شکایت لے کر آیا اور اس نے نبیٔ کریم ﷺ کے سامنے سجدہ کیا، یہ منظر دیکھ کر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ اونٹ جیسا جانور آپ کو سجدہ کرتا ہے تو ہمیں بھی آپ اپنی ذات کو سجدہ کرنے کی اجازت دیجیے تو اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے مذکورہ حدیث ارشاد فرمائی کہ: اگر میں کسی کو اللہ کے علاوہ کسی اور کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیتا یا اجازت دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کرے[۳]۔

دو اَور حدیثیں

بہرحال! شوہر کا بڑا حق ہے، ان کی نافرمانی اور ایذارسانی پر بڑی سخت وعیدیں

---

① سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، بَابُ مَا جَاءَ فِي حَقِّ الزَّوْجِ عَلَى الْمَرْأَةِ، ر:۱۱۵۹.

② مسند الإمام أحمد بن حنبل، حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى، ر:۱۹۴۰۳.

③ مسند الإمام أحمد بن حنبل، مُسْنَدُ الصِّدِّيقَةِ عَائِشَةَ بِنْتِ الصِّدِّيقِ رضي الله عنها، ر:۲۴۴۷۱.

آئی ہیں، کسی عورت کا اس حال میں انتقال ہوا کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہے تو وہ عورت جنت میں نہیں جائے گی۔

اور جس عورت نے ایسی حالت میں رات گذاری کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہے تو رات بھر فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں، یہ حدیث میں آیا ہے [①]۔

گناہ کے کاموں میں شوہر کی اطاعت ناجائز

بہرحال! شوہر کی اطاعت کی شریعت میں بڑی تاکید آئی ہے، البتہ شوہر کی اطاعت جائز اور نیک کاموں میں ہونی چاہیے، گناہ کے کاموں میں شوہر کی اطاعت بالکل نہ کرے، یہ اصول خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا ہے [②]۔

شوہر کہتا ہے کہ بے پردہ رہو، شوہر کہتا ہے کہ میرے بھائی کے ساتھ بات کیا کرو، شوہر کہتا ہے کہ میرے دوستوں کے سامنے بے پردہ آیا کرو تو شوہر کی بات نہیں مانی جائے گی اور کہا جائے گا کہ ہم تمھاری بات اس لیے مانتی ہیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور تم اللہ کا حکم ہی ہم سے تڑوانا چاہتے ہو؟۔

بہرحال! اللہ تعالیٰ کی نافرمانی جہاں ہو رہی ہو، وہاں شوہر ہی کا نہیں، کسی کا حکم بھی مانا نہیں جائے گا۔

---

① صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابُ إِذَا بَاتَتِ المَرْأَةُ مُهَاجِرَةً فِرَاشَ زَوْجِهَا، ر:٥١٩٤.

② مصنف ابن أبى شيبة، عَنِ الْحَسَنِ مرسلًا فِي إِمَامِ السَّرِيَّةِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْصِيَةِ، مَنْ قَالَ: لَا طَاعَةَ لَهُ، ر: ٣٣٧١٧.

گناہ کے کاموں میں کسی بھی بڑے کی بات نہیں مانی جائے گی

آج کل کیا ہوتا ہے؟ مثلاً باپ کا کسی کے ساتھ مثلاً اپنے بھائی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا تو خود تو اس سے ترکِ کلام کرے گا ہی، اپنے بیٹوں کو بھی کہے گا کہ اس کے ساتھ بات مت کریو، تو باپ کا یہ حکم نہیں مانا جائے گا، کیوں کہ یہ قطع رحمی کا حکم ہے اور قطع رحمی حرام اور معصیت ہے تو اس میں باپ کی بات بھی مانی نہیں جائے گی۔

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ شریعت نے جن جن ہستیوں کے احکام کو ماننے اور پورا کرنے کا حکم دیا ہے، وہاں بھی ان ہی چیزوں میں فرماں برداری کی جائے گی جو شریعت کی نگاہ میں جائز اور حلال ہیں، جو حرام ہیں، اس میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔

بات یہ چل رہی تھی کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کے لیے جنت میں جانے کا بہت ہی مختصر عمل بتلایا ہے کہ پانچ وقت کی نماز پابندی سے پڑھ لے اور رمضان کے روزے رکھ لے اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری کرے، آگے فرماتے ہیں کہ ایسی عورت جنت کے جس دروازے سے چاہے، داخل ہو جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری بہن بیٹیوں کو اس حدیث پر عمل کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں مسلمان کی جان، مال اور عزت وآبرو کی قدر و قیمت

بہ مقام: وینڈا بہ وقت: ۹/۱/۲۰۱۶

بہ مقام: ساؤتھ پوائنٹ مسجد بہ وقت: ۲۹/۹/۲۰۱۵

اقتباس

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ ایک مؤمن کی قدر و قیمت اللہ تبارک وتعالیٰ کی نگاہ میں اور نبیٔ کریم ﷺ کی نگاہ میں کیا ہے، تبھی پتہ چلے گا کہ ایک مؤمن کتنا قیمتی ہے، چاہے وہ کیسا ہی ہو؟ کتنا ہی بے عمل ہو، کتنا ہی گنہگار ہو؟ لیکن ایک ایمان والا ہے، اس کی قدر و قیمت اللہ تبارک وتعالیٰ کی نگاہوں میں اور نبیٔ کریم ﷺ کی نگاہوں میں کیا ہے؟ یہ سمجھ لینے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

ابن ماجہ شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبیٔ کریم ﷺ کعبۃ اللہ کا طواف کر رہے ہیں اور کعبہ کا طواف کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کعبۃ اللہ کو خطاب کرتے ہوئے، اس کو مخاطب بناتے ہوئے ارشاد فرما رہے ہیں: مَا أَطْيَبَكِ وَأَطْيَبَ رِيحَكِ مَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ وَالَّذِى نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ حُرْمَةً مِنْكِ مَالِهِ وَدَمِهِ وَأَنْ نَظُنَّ بِهِ إِلاَّ خَيْرًا.: اے کعبہ! تو کیسا پاکیزہ ہے اور کیسی پاکیزہ ہے تیری خوشبو اور تو کیسا عظمت والا ہے اور کیسا عظمت والا ہے تیرا درجہ، لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ ایک مؤمن کی عظمت، اس کی قدر و قیمت اور بڑائی اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں تجھ سے بڑھ کر ہے، اس کی جان کی بھی، اس کے مال کی بھی اور اس کی عزت اور آبرو کی بھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰہ وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله إلىٰ كافّة الناس بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً، صلّى اللّٰہ تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً. أما بعد:

فَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ هَذَا الْيَوْمَ فِي النَّاسِ لَكَثِيرٌ قَالَ وَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي[۱].

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ التَّقْوَى هَاهُنَا، وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ[۲].

أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

---

(۱) سنن الترمذي، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه، أَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ إلخ، ر:۲۵۲۰.

(۲) صحيح البخارى، عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه، باب يَمِينِ الرَّجُلِ لِصَاحِبِهِ إلخ، ر:۶۹۵۲.

دخولِ جنت کامختصر نسخہ

ابھی دوحدیثیں آپ کے سامنے پڑھی گئیں، ان میں سے پہلی حدیث کے راوی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: (۱) مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا: جس آدمی نے حلال غذا کھائی، (۲) وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ: اور سنت کے مطابق عمل کیا، اپنی زندگی کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں کے مطابق ڈھالا (۳) وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ: اورلوگ اس کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں اور تکلیفوں سے مامون اور محفوظ رہے، دَخَلَ الْجَنَّةَ: وہ آدمی جنت کے اندرداخل ہوگیا، جنت میں داخل ہونے کا بہت مختصر نسخہ اور شارٹ فارمولا (short formula) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا۔

ایک صحابی کا سوال اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب

آگے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ سن کر مجلس میں موجود ایک شخص نے عرض کیا: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ هَذَا الْيَوْمَ فِي النَّاسِ لَكَثِيرٌ: آج کل تو ایسے لوگ بہت سارے ہیں، ظاہر ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اور حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طبقے میں ایسے لوگ زیادہ نہیں ہوں گے تو کب ہوں گے؟، اس آدمی کے عرض کرنے کا منشا یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ تین باتیں ارشادفرمائیں، ایسے لوگ جن میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی ہوں، اس وقت بہت سارے ہیں، اس کے جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي: بعد کے زمانے میں بھی ایسے لوگ ہوں گے، بھلے اتنی زیادہ تعداد میں نہ ہوں جتنے ابھی ہے لیکن ہوں گے ضرور۔

مؤمن کی قدر و قیمت جاننا بہت ضروری

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ ایک مؤمن کی قدر و قیمت اللہ تبارک وتعالیٰ کی نگاہوں میں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہوں میں کیا ہے، تبھی پتہ چلے گا کہ ایک مؤمن کتنا قیمتی ہے، چاہے وہ کیسا ہی ہو؟ کتنا ہی بے عمل ہو، کتنا ہی گنہگار ہو؟ لیکن ایک ایمان والا ہے، اس کی قدر و قیمت اللہ تبارک وتعالیٰ کی نگاہوں میں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہوں میں کیا ہے؟ یہ سمجھ لینے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

ایک مؤمن کا مرتبہ کعبۃ اللہ سے بھی بلند ہے

ابن ماجہ شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبۃ اللہ کا طواف کررہے ہیں اور کعبہ کا طواف کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبۃ اللہ کو خطاب کرتے ہوئے، اس کو مخاطب بناتے ہوئے ارشاد فرمارہے ہیں، چناں چہ کعبہ کو خطاب کرتے ہوئے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا:

مَا أَطْيَبَكِ وَأَطْيَبَ رِيحَكِ مَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ وَالَّذِى نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ حُرْمَةً مِنْكِ مَالِهِ وَدَمِهِ وَأَنْ نَظُنَّ بِهِ إِلاَّ خَيْرًا:

اے کعبہ! تو کیسا پاکیزہ ہے اور کیسی پاکیزہ ہے تیری خوشبو اور تو کیسا عظمت والا ہے اور کیسا عظمت والا ہے تیرا درجہ، لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے کہ ایک مؤمن کی عظمت، اس کی قدر و قیمت اور بڑائی اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں تجھ سے بڑھ کر ہے، اس کی جان کی بھی، اس کے مال کی بھی اور اس کی عزت اور آبرو

کی بھی[1]۔

جان، مال اور عزت وآبرو کی حرمت کا مطلب

کسی بھی آدمی میں تین چیزیں ہوتی ہیں:

ایک اس کی باڈی ہے، اس کی جان ہے، ہم اس کو ماریں، اس کی پٹائی کریں، کوئی اور ایسا طریقہ اختیار کریں، جس کی وجہ سے اس کو تکلیف پہنچے، زق پہنچے تو گویا ہم نے اس کی جان کے اندر خلل ڈالا، اس کی جان کی حرمت کو توڑا۔

دوسری چیز اس کی عزت اور آبرو ہے، کوئی ایسا طریقہ اختیار کریں جس کی وجہ سے اس کی عزت اور آبرو مجروح ہو، ہم اس پر کوئی تہمت لگائیں، اس کی غیبت کریں، اس کی برائی کریں، اس کو بدنام کریں تو یہ اس کی عزت اور آبرو پر ہاتھ ڈالنا ہوا۔

اور تیسری چیز اس کا مال ہے جس کو آپ سب جانتے ہی ہیں اور اس کی حرمت کو پامال کرنا بھی جانتے ہیں۔

یہ تین چیزیں ہیں: جان، مال اور عزت وآبرو، ان تینوں چیزوں کے متعلق نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبۃ اللہ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تیری حرمت کے مقابلے میں ایک مؤمن کی جان، مال اور عزت وآبرو کی حرمت اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں زیادہ ہے۔

خطبۂ حجۃ الوداع میں حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے تین سوال

بخاری شریف کی روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں دس ذی الحجہ یوم النحر کو نبیٔ کریم

---

[1] سنن ابن ماجة، باب حرمة دم المؤمن وماله، ر:۳۹۳۲.

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خطبہ دیا، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں، امام بخاری نے کئی جگہ پر اس حدیث کو بیان کیا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس خطبے میں بہت ساری باتیں ارشاد فرمائیں۔

پہلا سوال: یہ کونسا مہینہ ہے؟

اسی خطبے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ایک سوال کیا: أَيُّ شَهْرٍ هَذَا؟ کہ: یہ کون سا مہینہ ہے؟، راوی کہتے ہیں کہ ہم نے یعنی صحابہ نے جواب میں عرض کیا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ کہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ جب ایسا کوئی سوال نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کیا جاتا تھا تو حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عام طور پر ایسا ہی جواب دیا کرتے تھے، اپنی طرف سے کوئی جواب دیتے نہیں تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہمارا یہ جواب سن کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہوگئے اور اتنے خاموش ہوئے کہ ہمیں یوں لگنے لگا کہ آپ اس مہینے کا کوئی دوسرا نام تجویز کریں گے۔ لیکن پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أَلَيْسَ ذَا الحِجَّةِ؟ کہ: کیا یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟، جب خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی نام لے لیا تو حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ جی ہاں!۔

دوسرا سوال: یہ کونسا شہر ہے؟

اس کے بعد دوسرا سوال کیا: أَيُّ بَلَدٍ هَذَا؟ کہ: یہ کون سا شہر ہے؟، مکہ مکرمہ تھا، منیٰ میں یہ خطبہ ہو رہا تھا تو صحابہ نے اپنی عادت کے مطابق جواب میں عرض کیا: اللّٰهُ

وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ کہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ ہمارا یہ جواب سن کر نبیٔ کریم ﷺ دیر تک خاموش ہو گئے: حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ: اور اتنے خاموش ہوئے کہ ہمیں یہ گمان ہوا کہ شاید آپ مکہ کے لیے کوئی دوسرا نام تجویز فرمائیں گے۔

لیکن پھر نبیٔ کریم ﷺ نے پوچھا: أَلَيْسَ البَلْدَةَ؟ کہ: کیا یہ ''البَلْدَه'' نہیں ہے؟ مکہ مکرمہ کے بہت سارے نام ہیں، ان ناموں میں سے ایک نام ''البَلْدَه'' بھی ہے، قرآنِ پاک میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس نام کا استعمال فرمایا ہے: ﴿لَآ أُقْسِمُ بِهَٰذَا ٱلْبَلَدِ ۝١ وَأَنتَ حِلٌّۢ بِهَٰذَا ٱلْبَلَدِ ۝٢﴾[البلد]: اس میں مکہ مکرمہ کی قسم کھائی ہے۔

بہر حال! نبیٔ کریم ﷺ نے پوچھا: أَلَيْسَ البَلْدَةَ؟ کہ: کیا یہ مکہ مکرمہ نہیں ہے؟، تو ہم نے جواب میں عرض کیا: بَلَى: ضرور، کیوں نہیں!۔

تیسرا سوال: یہ کونسا دن ہے؟

پھر حضور ﷺ نے پوچھا: فَأَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟: یہ کونسا دن ہے؟ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جانتے تھے کہ یہ دسویں ذی الحجہ کا دن ہے اور عربی میں دسویں ذی الحجہ کو یوم النحر کہتے ہیں یعنی قربانی کا دن، اس کے باجود راوی کہتے ہیں کہ ہم نے جواب میں عرض کیا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ کہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

آپ ﷺ کے سوال کے جواب میں اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ کہنے کی حکمت

حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سوچا کہ آج دسویں ذی الحجہ کا دن ہے، یوم

النحر ہے، یہ تو بالکل صاف اور کھلی ہوئی حقیقت ہے، نبیٔ کریم ﷺ اس کے باوجود پوچھ رہے ہیں کہ آج کون سا دن ہے؟ شاید ایسا ہوگا کہ آپ ﷺ آج کے دن کو کوئی دوسرا نام دینا چاہتے ہیں، اس لیے آپ ﷺ نے یہ سوال فرمایا ہے، اس لیے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جواب میں یہ کہنے کے بہ جائے کہ آج یوم النحر ہے، یوں کہا:

اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ کہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

یہ جواب سن کر نبیٔ کریم ﷺ پھر سے تھوڑی دیر تک خاموش ہو گئے یہاں تک کہ ہمیں یہ گمان ہوا کہ شاید آپ آج کے دن کے لیے۔ دسویں ذی الحجہ کو ”یوم النحر“ کہتے ہیں۔ کوئی دوسرا نام تجویز فرمائیں گے۔

یہاں تک کہ جب حضور ﷺ نے پوچھا: أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ؟: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے؟ تو صحابہ نے جواب میں عرض کیا: بَلَی: ضرور، کیوں نہیں!۔

نبیٔ کریم ﷺ نے یہ تین سوال کیے، دراصل نبیٔ کریم ﷺ ان تین سوالات کے ذریعہ پورے مجمع کے دل ودماغ میں ایک چیز مستحضر کرنا چاہتے ہیں، وہ چیز کیا ہے؟۔

حرمت والے مہینوں کی حقیقت

زمانۂ جاہلیت کے اندر عرب میں جو بدامنی، لوٹ مار اور قتل وغارت گیری کا ماحول تھا، اس کے پیشِ نظر نہ کسی کی جان محفوظ تھی، نہ کسی کا مال محفوظ تھا، نہ کسی کی عزت وآبرو محفوظ تھی۔ لیکن ان ساری برائیوں کے باوجود ایک بات تھی کہ وہ لوگ دینِ ابراہیمی کے کچھ احکام کا بڑا اہتمام کرتے تھے، ان میں سے ایک یہ تھا کہ حرمت والے

جو چار مہینے ہیں، ان کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے، حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے سے بلکہ جب سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس زمین اورآسمان کو پیدا کیا اور ان بارہ مہینوں کا نظام بنایا، اس وقت سے یہ چار مہینے حرمت والے قرار دیے گئے: (۱) ذوقعدہ (۲) ذوالحجہ (۳) محرم، یہ تین تو ایک ساتھ ہیں، اور (۴) رجب، یہ اشہر حرم کہلاتے ہیں یعنی حرمت والے مہینے۔

کفارِ مکہ کے یہاں حرمت والے مہینوں کا احترام

ان مہینوں کا عربوں کے یہاں اتنا زیادہ لحاظ کیا جاتا تھا کہ ان مہینوں میں وہ کسی پر ہاتھ نہیں ڈالتے تھے، اگر ان کو ان مہینوں میں کوئی دشمن بھی مل جاتا تو وہ نہ ان کے مال پر ہاتھ ڈالتے تھے، نہ ان کی جان پر حملہ کرتے تھے اور نہ اس کی عزت وآبرو پر کوئی وار کرتے تھے، یہاں تک کہ اگر ان کو ان کے باپ کا قاتل بھی ان مہینوں میں مل جاتا تو اس کو بھی وہ ہاتھ نہیں لگاتے تھے کہ یہ حرمت والے مہینے ہیں، ابھی اس کو کچھ نہیں کرنا ہے، بعد میں دیکھی جائے گی، ان کے نزدیک ان حرمت والے مہینوں کا اتنا زیادہ احترام پایا جاتا تھا۔

حرم کی حقیقت اور کفار کے یہاں اس کی حرمت

یہی حال حرم کا تھا، حرم مکہ مکرمہ کے آس پاس ایک مخصوص علاقہ اور ایریا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے ذریعہ اس کی حدود متعین کروائیں۔

آپ جب حج یا عمرہ کے لیے وہاں جاتے ہیں اور جدہ سے مکہ مکرمہ کے لیے نکلتے ہیں تو جہاں سے حرم کی حدود شروع ہوتی ہیں، وہاں باقاعدہ نشانات لگے ہوئے ہیں، راستے میں محراب نما کمان آتی ہے، جیسے رحل کے اوپر قرآن رکھا ہو، اس کے اندر داخل ہوئے تو حرم آ گیا، یہ حرم کا علاقہ ہے۔

ایک تو حرم مسجد حرام کو کہتے ہیں اور مسجد حرام کے علاوہ ایک بہت بڑا رقبہ اور علاقہ ہے، اس میں مکہ مکرمہ تو داخل ہی ہے، مکہ مکرمہ کے علاوہ اس کے باہر کا علاقہ بھی حرم میں ہے، منیٰ اور مزدلفہ دونوں حرم میں ہیں اور عرفات حرم میں نہیں ہے تو مختلف جہتوں اور مختلف سمتوں میں حرم کا یہ علاقہ کہیں دور اور کہیں قریب ہے، سب سے قریب تنعیم کا علاقہ ہے۔

اس حرم کے اندر کفار مکہ کسی کو چھیڑتے نہیں تھے، حرم میں اگر انھیں اپنے باپ کا قاتل بھی مل جاتا تھا، کسی بھی مہینے میں، کسی بھی دن میں، کسی بھی وقت میں تو اس کو کچھ کرتے نہیں تھے، کسی کی جان، مال عزت اور آبرو پر ہاتھ نہیں ڈالتے تھے۔

مشرکین مکہ کے نزدیک یوم نحر کی عظمت اور حرمت

اسی طرح یوم النحر یعنی دسویں ذی الحجہ کے دن کا بھی بڑا احترام کرتے تھے، اس دن میں بھی وہ کسی کی جان، مال عزت اور آبرو پر ہاتھ نہیں ڈالتے تھے۔

یہ تین حرمتیں ان کے یہاں ایسی تھیں جو ان کے یہاں زمانۂ قدیم سے چلی آ رہی تھیں، ہر آدمی کیسا ہی کیوں نہ ہو، اس کا احترام کرتا تھا، وہ ان تینوں مواقع پر کسی کی

ذات اور جان پر ہاتھ ڈالنا، کسی کے مال کو چھین لینا، کسی کی عزت اور آبرو کو چھین لینا بہت بڑا جرم سمجھتے تھے۔

نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تین سوالات کر کے اس وقت آپ کے سامنے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو مجمع تھا، ان کے دل ودماغ میں ان تینوں حرمتوں کو تازہ اور مستحضر فرمایا، کیوں کہ یہ لوگ زمانۂ جاہلیت میں بھی ان تینوں حرمتوں کا بڑا پاس ولحاظ کرتے تھے۔

قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ایک اصول

اس کے بعد نے قیامت تک کے لیے ایک اصول ارشاد فرمایا: فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ کہ: تمھاری جانیں، تمھارے اموال اور تمھاری عزت اور آبرو ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہے، جیسے اس دن میں، اس مہینے میں، اس شہر میں [۱]۔

یعنی یہ تینوں حرمتیں اگر جمع ہو جائیں تو تم کتنا زیادہ لحاظ کرو گے؟ ہر مسلمان کی جان، مال اور عزت وآبرو قیامت تک کے لیے حرام ہے، کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کی جان پر ہاتھ ڈالے، کسی کو ضرر اور نقصان پہنچانے کی غرض سے اس کی طرف ایک

---

① صحيح البخاری، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: رُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ، ر:٦٧.

انگلی بھی بڑھائے، کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کی ایک پائی بھی ناحق طریقے سے لے لے، کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کی عزت وآبرو کو مجروح کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام امت کے نام

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث اور فرمان کے ذریعہ دنیا کے ہر مؤمن اور ہر مسلمان کے لیے یہ تین حقوق بیان فرمائے، دنیا کا کوئی بھی مسلمان ہو، چاہے وہ مکہ مکرمہ میں نہیں ہے، یہاں پورٹ بلیئر میں ہے، چاہے وہ حرمت والا مہینہ نہ ہو، کوئی اور مہینہ ہو، حرمت والا دن نہ ہو، کوئی اور دن ہو تو بھی ہمارے لیے اس کی ان تین چیزوں کا احترام ضروری ہے، کوئی ایسی حرکت جس سے اس کے جسم کو تکلیف پہنچتی ہو، اس کی اجازت نہیں ہے، جان پر ہاتھ ڈالنے کا مطلب اس کو جان سے مارنا نہیں ہے بلکہ اس کو طمانچہ مارنا، کسی بھی اور طریقے سے اس کو ذراسی تکلیف پہنچانا ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

اسی طرح کسی کے مال کو ناحق طریقے سے لینے کی اجازت نہیں ہے، شریعت نے جہاں اجازت دی ہو، وہاں اس کے مال کو لینے کی اجازت ہے لیکن جہاں اس کا مال لینے کی اجازت نہیں، وہاں اس کی ایک پائی کو لینا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح اس کی عزت وآبرو کا احترام بھی ضروری ہے، کوئی ایسی حرکت کرنا جس سے اس کی عزت وآبرو پر آنچ آتی ہو، جیسے اس پر کوئی تہمت لگائی کہ تم بدمعاش ہو، آپ نے یہ کہہ کر کے اس کی عزت کو مجروح کیا، زخمی کیا، آپ نے اس کی عزت لینے کی

کوشش کی، یہ بہت بڑا اور خطرناک گناہ ہے۔

اسی وجہ سے شریعت کسی کی غیبت کی اجازت نہیں دیتی، نہ بہتان کی اجازت دیتی ہے، نہ طعن وتشنیع کی اجازت دیتی ہے۔

غیبت کی حقیقت

غیبت میں کیا ہوتا ہے؟ ایک حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! غیبت کیا ہے؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ: تمھارا اپنے کسی بھائی کو اس کی غیبوبت اور غیر حاضری میں اس طرح یاد کرنا جو اس کو ناپسند ہو۔

تب تو وہ بہتان ہے

پوچھنے والے نے پوچھا: أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِيهِ مَا أَقُولُ؟ کہ: اے اللہ کے رسول! اگر وہ بات اس آدمی موجود ہو؟ ۔ اگر میں یوں کہہ دوں کہ فلاں چور ہے اور واقعۃً وہ چور ہے، چوری کرتا ہے اور اس کی غیر حاضری میں مَیں اس کو چور کہوں تو کیا یہ بھی غیبت ہے؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہی تو غیبت ہے: إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ اغْتَبْتَهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ بَهَتَّهُ: اگر اس میں وہ عیب ہے، تبھی تو وہ غیبت ہے، اگر اس میں وہ بات نہیں ہے، وہ چور نہیں ہے اور تم چور کہتے ہو تب تو وہ بہتان ہے[1]۔ یہ ڈبل گناہ ہوا۔

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، أَبْوَابُ البِرِّ وَالصِّلَةِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الغِيبَةِ، ر: ۱۹۳۴.

خلاصہ یہ ہوا کہ ایک برائی ایک آدمی کے اندر موجود ہے تو اس آدمی کی وہ برائی اس کی غیر حاضری میں لوگوں کے سامنے بیان کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک مؤمن کی عزت آبرو کی قیمت اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک کتنی زیادہ ہے۔

طعن وتشنیع اور نصح وخیر خواہی کی حقیقت

اسی طرح طعن وتشنیع کی بھی شریعت میں اجازت نہیں ہے، طعن وتشنیع میں کیا ہوتا ہے؟، آپ اس میں کسی کو کوئی بات لپیٹ کر کے کہتے ہو۔

ایک آدمی میں کوئی کمزوری ہے تو اس کو بیان کرنے کی دو شکلیں ہیں، ایک شکل یہ ہے کہ ہم اس کی اس کمزوری کو دور کرنے کے لیے محبت سے، خیر خواہی سے، دل سوزی سے، ہمارے دل میں اس کے لیے درد ہے کہ ہمارے ایک بھائی کے اندر یہ کمزوری ہے، میں اس میں اس کمزوری کو دیکھ نہیں سکتا، اس لیے اس کا دور ہو جانا بہتر ہے تو اس کو تنہائی میں لے جا کر کے کہیں کہ بھائی یہ بات غلط ہے، تم نماز پڑھتے ہو، پھر بھی شراب پیتے ہو، تم یہ کام کرتے ہو، آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے اور میرے دل میں اس کی کوئی تحقیر نہیں ہے بلکہ خیر خواہی کے تحت ایسا کہہ رہا ہوں۔

جیسے کسی کا بیٹا ایسی کوئی حرکت کر رہا ہو جو بری ہو اور باپ اس کی اس حالت کو درست کرنے کے لیے اور وہ ان چیزوں سے باز آجائے، اس لیے حقیقی معنی میں پوری ہمدردی کے ساتھ، خیر خواہی کے ساتھ یہ بات کہتا ہے۔

اسی طرح ضروری ہے کہ اپنے مسلمان بھائی میں جب کوئی کمزوری نظر آئے تو پوری ہمدردی اور دل سوزی کے ساتھ خیر خواہانہ انداز میں اس کو بات سمجھائیں۔

اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم اس کو کہیں کہ ہاں مجھے معلوم ہے کہ کیسا ہے، اس کو لپیٹ کر مارنا، اس کو طعن و تشنیع کہا جاتا ہے۔

چوری اور سینہ زوری

اب ہوتا کیا ہے؟ جب کسی کو روکا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ بھائی! یہ تو غیبت ہے تو وہ کہتا ہے کہ ارے مولوی صاحب! میں تو یہ بات اس کے سامنے کہہ سکتا ہوں، یہ تو اور بھی زیادہ برائی ہے۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی غیبت کرتا ہے اور ہم اس کو روکتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ میں تو یہ بات اس کے سامنے بھی کہہ سکتا ہوں تو وہ یہ جملہ کہہ کر کے یہ جتلانا اور ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یہ جو میں کہہ رہا ہوں، وہ مجھے کہنے کا حق ہے تو ایک چیز جس کو شریعت نے حرام قرار دیا، اس کو حلال قرار دینا ہوا، یہ تو کفر تک پہنچانے والی بات ہے، غیبت اپنی جگہ پر کبیرہ گناہ ہے لیکن اس کے لیے اس طرح کی بات کرنا یہ کفر تک پہنچانے والی بات ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات لکھی ہے۔ سامنے کہنے میں بھی دو طریقے ہیں، اگر سامنے کہنے میں بھی آپ کی غرض اس کے دل کو مجروح کرنا ہے، خیر خواہی مقصود نہیں ہے بلکہ ایسا کہہ کر کے اس کو لوگوں کے سامنے رسوا کرنا مقصود ہے تو یہ بھی طعن و تشنیع کے زمرے میں داخل ہے، ہاں! خیر خواہی کی نیت سے

کریں گے تو شریعت اس کی اجازت دیتی ہے۔

میں یہ عرض کررہا تھا کہ جو کمزوریاں اس کے اندر ہیں، شریعت اس کو بیان کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتی، نہ اس کی غیبوبت میں اور نہ لوگوں کے سامنے اس انداز سے جس میں اس کی خیرخواہی نہ ہو، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک مسلمان کی عزت وآبرو اللہ تعالیٰ کے یہاں کتنی قیمتی ہے۔

نہ اس کی جان پر ہاتھ ڈالنے کی اجازت ہے، نہ اس کے مال کو لینے کی اجازت ہے، کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنے کی بھی اجازت نہیں جس سے اس کی عزت وآبرو پر آنچ آتی ہو۔

ہم لوگ لوگوں کی باتیں سنتے ہیں اور آج کل تو واٹس ایپ کا زمانہ ہے، اللہ کی پناہ! بعض اوقات آدمی کو یقین ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے، اس کا دل بھی کہہ رہا ہے کہ یہ بات جھوٹی ہے، پھر بھی لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ اور حوارئین کے درمیان ایک سبق آموز مکالمہ

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے ایک مرتبہ اپنے حوارئین سے کہا کہ بتلاؤ کہ تمہارا کوئی بھائی سو رہا ہو اور ہوا اس کا کپڑا اُڑا دے جس کی وجہ سے اس کا ستر کھل جائے تو تم کیا کرو گے؟ اس کو ڈھانپ دو گے یا ننگا کردو گے؟۔

تو انھوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم تو اس کے اوپر کپڑے کو ڈھانپ دیں گے تو حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ نہیں، تم تو اس کو زیادہ

ننگا کرتے ہو، اور بھی زیادہ کھولتے ہو۔ انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایسا کون کرے گا؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ سبحان اللہ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ تم ایسا کرتے ہو۔ تمہارے بھائی کی جب کوئی بات تمہارے پاس آتی ہے تو تم اس کو سنتے ہو اور بڑھا چڑھا کر لوگوں کے سامنے اس کو پیش کرتے ہو، یہ اس کو اور زیادہ ننگا کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟ اور زیادہ تم اس کو بدنام کرتے ہو۔ رُسوا کرنے کی کوشش کرتے ہو[۱]۔ یہ بہت خطرناک چیز ہے۔ شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

جس نے دنیا میں مؤمن کے عیوب چھپائے......

حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایک مزاج بن گیا ہے، خاص کر کے جب کسی سے ہماری بنتی نہ ہو تو ایسی بات پا کر ہم بڑے خوش ہوجاتے ہیں کہ چلو! اس کو نیچا دکھلانے کا موقع ہاتھ آ گیا۔

حالاں کہ شریعت تو ہمیں یہ حکم دیتی ہے کہ اگر کسی مؤمن کا کوئی عیب ہمارے علم میں آوے تو اس کو کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا، سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کہ: جو کوئی کسی مسلمان کے عیب کو چھپائے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے عیوب کو دنیا

---

① إحياء علوم الدين، ٢/ ١٧٨، كِتَابُ آدَابِ الْأُلْفَةِ وَالْأُخُوَّةِ وَالصُّحْبَةِ وَالْمُعَاشَرَةِ مَعَ أصناف الخلق.

اور آخرت میں چھپائیں گے[۱]۔

لوگوں کے عیوب کے پیچھے پڑنے والوں کے لیے سخت وعید

اور ویسے بھی لوگوں کے عیبوں کی تتبع اور تلاش اور لوگوں کے عیوب کے پیچھے پڑنا، اس کی تو شریعت کسی بھی حالت میں اجازت نہیں دیتی، حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ لوگوں کے عیوب کو تلاش کرتے ہیں، وہ اگر اپنے گھروں میں رہ کر بھی ایسی کوئی حرکت کریں گے تو بھی اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کریں گے[۲]۔

غیر اختیاری طور پر علم میں آنے والے عیب کو بھی چھپانا ضروری ہے

اگر کسی کا عیب غیر اختیاری طور پر ہمارے سامنے ظاہر ہو جائے، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اچانک کوئی ایسی صورتِ حال پیش آجاتی ہے کہ کسی کا عیب ہمارے علم میں آجاتا ہے، حالاں کہ ہم اس کے عیب کی تلاش میں نہیں تھے لیکن حالات ایسے پیش آگئے، اچانک کسی کے کمرے کا دروازہ کھول دیا اور اس آدمی کو ہم نے کوئی غلط حرکت کرتے ہوئے دیکھ لیا، آپ اس نیت سے نہیں آئے تھے، آپ تو اپنے کام سے آئے تھے کہ اس کی یہ غلط حرکت آپ نے دیکھ لی، یہ غیر اختیاری طور پر جو عیب آپ کے علم میں آیا ہے، اس کے متعلق شریعت یہ کہتی ہے کہ اس کو چھپاؤ، اس کو ظاہر کرنے کی

---

① صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابُ فَضْلِ الِاجْتِمَاعِ عَلَى تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَعَلَى الذِّكْرِ، ر:٢٦٩٩.

② شعب الإيمان، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَصْلٌ فِي تَرْكِ تَتَبُّعِ عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِينَ وَفِي قَبُولِ عُذْرِهِمْ سِوَى مَا تَقَدَّمَ فِي الْأَبْوَابِ قَبْلَهُ، ر:١٠٦٨٨.

شریعت اجازت نہیں دیتی۔

اسلامی معاشرے کی حقیقت

بہر حال! ایک مؤمن کی عزت وآبرو اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں بہت زیادہ ہے اور اسی لیے کسی بھی مؤمن کو حقیر سمجھنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا، مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے، نبیٔ کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، گویا اسلام نے آکر کے ایک ایسا معاشرہ اور ایک ایسی سوسائٹی اور ایک ایسے سماج کی تشکیل دی جس کا ہر فرد دوسرے کا بھائی ہے۔

ایک تو پیدائشی طور پر نسبی رشتہ ہوتا ہے کہ دو آدمی ایک ماں باپ کی اولاد ہیں تو ان کو آپس میں بھائی کہا جاتا ہے اور ان کے اس رشتے کو اخوت اور بھائی چارگی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی بنیاد پر وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، ایک دوسرے کی بھلائی چاہتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، ایک دوسرے کو راحت اور آرام پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہر مؤمن کو اپنا بھائی یقین کر کے اس کی بھلائی چاہو

اسلام نے آکر یہ رشتہ تمام اہل ایمان کے درمیان اور مؤمنین کے درمیان قائم کیا کہ جو بھی دنیا میں ایمان والا ہو، وہ دوسرے ایمان والے کا بھائی ہے۔

چناں چہ قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ [الحجرات۱۰] کہ: ایمان والے ایک دوسرے کے بھائی ہیں، ہر مؤمن دوسرے مؤمن کا، ہر مسلمان

دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، ان دونوں کے درمیان میں اخوت اور بھائی چارگی کا تعلق ہے اور اس تعلق کا اس کو لحاظ کرنا ہے، اس لیے جیسے ایک بھائی کو اپنے بھائی کی خیر خواہی کرنی چاہیے اور اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا چاہیے، اسی طرح ہر مؤمن کو چاہیے کہ دوسرے مؤمن کے ساتھ اسی طرح پیش آوے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اسلامی اور ایمانی اخوت اور بھائی چارگی کی وجہ سے ایک مؤمن کے دوسرے مؤمن پر اور ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کیا حقوق لازم ہوتے ہیں، وہ اپنے ارشادات کے ذریعہ مختلف مواقع پر بیان فرمائے، یہ حدیث جو آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے، اس میں بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی رشتۂ اخوت اور بھائی چارگی کی سگائی کی وجہ سے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان کے اوپر جو حقوق عائد ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ چیزوں کو بتلایا ہے۔

مدد کی بنیاد صرف اسلامی اخوت ہونی چاہیے

ہمارا دین خاندان کی بنیاد پر، نسب کی بنیاد پر، وطن کی بنیاد پر کسی کی مدد کرنے کی اجازت نہیں دیتا، آپ کسی کی اس بنیاد پر مدد کیجیے کہ وہ آپ کا مسلمان بھائی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے: أُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا، أَوْ مَظْلُومًا کہ: اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔

آج کل ہمارا مزاج بنا ہوا ہے کہ اپنا آدمی ہے تو چاہے وہ غلط ہو، تو بھی ہم اس کا سپوٹ کرتے ہیں، حالاں کہ اس کو غلط اور حرام کام کرتا ہوا جاننے کے باوجود اس کو

سپوٹ کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔

''صَبَأْنَا'' کہنے پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا ایک قبیلے سے جنگ کرنا

بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت کے ساتھ دعوتِ اسلام دینے کے لیے ایک جگہ پر بھیجا، انھوں نے دعوت قبول نہیں کی تو ان کے ساتھ جنگ ہوئی، کچھ مارے گئے اور کچھ گرفتار ہوئے، اب جن لوگوں کو دعوت دی گئی تھی، انھوں نے ''أَسْلَمْنَا'' کہنے کے بہ جائے ''صَبَأْنَا'' کہا۔

یہاں جو اہل علم ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونا، قدیم مذہب سے پھر جانا اہل مکہ کے یہاں صبا کہلاتا تھا، چناں چہ جو لوگ اس زمانے مسلمان ہوتے تھے تو یہ اہل مکہ ان کو صابی کہا کرتے تھے۔

قیدیوں کو قتل کرنے کا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا حکم اور ساتھیوں کا انکار

جب انھوں نے ''صَبَأْنَا'' کہا تو ان کے اس جملے کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اور حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کافی نہیں سمجھا، گویا وہ یہ سمجھے کہ یہ لوگ اسلام کا لفظ بولنے میں بھی عار سمجھتے ہیں، اس لیے وہ ''أَسْلَمْنَا'' کہنے کے بہ جائے ''صَبَأْنَا'' کہہ رہے ہیں، معلوم ہوا کہ اسلام کے ساتھ ان کو دلچسپی نہیں ہے، اسی لیے وہ ''أَسْلَمْنَا'' کہنے کو عار سمجھتے ہیں، اس لیے جو قید کیے گئے تھے اور ان کو حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تقسیم کر دیا گیا تھا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی دوسرے

دن قتل کر دینے کا حکم دے دیا لیکن یہ قیدی جن صحابہ کے پاس تھے، انھوں نے اپنے قیدیوں کو قتل کرنے سے انکار کر دیا۔

حضور ﷺ کا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی اس حرکت سے اپنی برأت کا اظہار

یہاں تک کہ یہ لشکر جب نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں واپس آیا تو انھوں نے اس واقعے کا تذکرہ حضور ﷺ سے کیا، چوں کہ یہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی تھی کہ انھوں نے اس لفظ کو کافی نہیں سمجھا تھا، حضور ﷺ نے اس سے اپنی برأت کا اظہار کیا اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی: اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ، دومرتبہ یہ دعا کی کہ اے اللہ! خالد نے جو حرکت کی ہے، میں آپ کے سامنے اس سے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں۔

اگرچہ یہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی تھی لیکن نبیٔ کریم ﷺ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی شانوں سے دوسرا کون واقف ہوگا، اس لیے حضور ﷺ کو اندیشہ لاحق ہوا، ڈر رہا کہ کہیں اس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ آ جائے اور اگر ہم اس واقعے پر ذرا بھی اپنی موافقت کا اظہار کریں گے تو ہم بھی اس عذاب کے مستحق ہو جائیں گے [1]۔

جیسے کوئی آدمی حکومت کی بغاوت کا کوئی کام کرے تو اس کا باپ بھی اخبارات کا

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ رضي الله عنهما، بَابُ إِذَا قَضَى الحَاكِمُ بِجَوْرٍ أَوْ خِلاَفِ أَهْلِ العِلْمِ فَهُوَ رَدٌّ، ر:۷۱۸۹.

سہارا لیتا ہے اور اشتہار دیتا ہے کہ میں اپنے بیٹے کی اس حرکت سے بری ہوں، کیوں کہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں میں بھی اس کی اس حرکت کی وجہ سے پکڑا نہ جاؤں، اس لیے وہ بھی اپنی برأت کا اظہار کرتا ہے۔

عصبیت کی اسلام میں اجازت نہیں ہے

میں یہ بتا رہا تھا کہ آج کل ہمارا یہ مزاج بنا ہوا ہے کہ اگر ہمارے خاندان کا، ہمارے گھر کا کوئی فرد غلط حرکت بھی کرتا ہے تو ہم اس کی مدد کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اس کا ساتھ دیتے ہیں، یہی تو عصبیت ہے، اسی کو عصبیت کہتے ہیں اور عصبیت کی اسلام میں اجازت نہیں ہے بلکہ اس عصبیت کو بہت گندا عمل قرار دیا ہے۔

ایک غزوہ میں پانی کے متعلق ایک انصاری اور مہاجری کا نزاع

غزوۂ بنو المصطلق کے موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سمیت جا رہے تھے، راستے میں ایک ایسی جگہ قیام کیا جہاں پانی کی کمی تھی، البتہ وہاں چھوٹے چھوٹے گڑھوں کے اندر تھوڑا پانی موجود تھا تو جو لوگ وہاں پہلے پہنچے تو کسی نے اس کے پاس اپنا کپڑا رکھا، کسی نے اپنی کوئی اور چیز رکھ کر پانی پر قبضہ کر لیا۔

اب ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے اسی طریقے سے ایک پانی پر قبضہ کر رکھا تھا، ایک مہاجر صحابی رضی اللہ عنہ نے ان سے پانی مانگا تو انھوں نے دینے سے انکار کر دیا تو مہاجری نے اس انصای کو ایک دھکا مارا۔

دھکا مارنے پر اس انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو پکارتے ہوئے کہا: یَا

لَلْأَنْصَارِ: اے انصار! میری مدد کے لیے آؤ۔ یہ سن کر اس مہاجری نے بھی آواز لگائی: یَا لَلْمُهَاجِرِينَ: اے مہاجرین! میری مدد کو پہنچو۔

دیکھو! انصار اور مہاجرین سے بڑھ کر اعلیٰ لقب کون سا ہو سکتا ہے؟، یہ تو وہ لقب ہے کہ جس کے اوپر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مغفرت کی بشارتیں سنائی گئیں۔

اس پکار پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی

لیکن اس موقع پر محض طرف داری کی بنا پر اس کا نعرہ لگایا گیا اور یَا لَلْأَنْصَارِ اور یَا لَلْمُهَاجِرِينَ کی پکار کی گئی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش مبارک میں: کان مبارک میں یہ جملہ پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مَا بَالُ دَعْوَى الجَاهِلِيَّةِ، دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ کہ: یہ جاہلیت والا دعوی کہاں سے آیا [①]، خاندان کی بنیاد پر، قبیلے کی بنیاد پر کسی سے مدد مانگنا، اسی کو عصبیت کہتے ہیں، اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے، اسلام تو کہتا ہے کہ دین کی بنیاد پر، حق کی بنیاد پر اپنے بھائی کی مدد کرو۔

زمانۂ جاہلیت کے ایک محاورے کی اصلاح

اب زمانۂ جاہلیت والے کہا کرتے تھے: أُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا کہ: اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر یہی

---

① صحيح البخاری، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہما، بَابُ قَوْلِهِ يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى المَدِينَةِ إلخ، ر:٤٩٠٧.

جملہ أُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا ارشاد فرمایا، حضور ﷺ اس جملے کی اصلاح کرنا چاہتے تھے، آپ ﷺ نے جب فرمایا ''اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو'' چوں کہ حضور ﷺ نے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جو تربیت فرمائی تھی، اس کی وجہ سے آپ کو یقین تھا کہ جب میں یہ جملہ کہوں گا تو ضرور سامنے سے کوئی پوچھے گا۔

چناں چہ نبئ کریم ﷺ نے جب یہ جملہ ارشاد فرمایا: أُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا توفوراً ایک صحابی نے سوال کیا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَنْصُرُهُ إِذَا كَانَ مَظْلُومًا، أَفَرَأَيْتَ إِذَا كَانَ ظَالِمًا كَيْفَ أَنْصُرُهُ؟: اے اللہ کے رسول! اگر میرا بھائی مظلوم ہے، تب تو میں اس کی مدد کروں گا لیکن اگر وہ ظالم ہے تو آپ ہی بتلایئے کہ میں اس کی کیسے مدد کروں؟۔ تو نبئ کریم ﷺ نے فرمایا: تَحْجُزُهُ أَوْ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَإِنَّ ذَلِكَ نَصْرُهُ کہ: ظالم کی مدد یہ نہیں ہے کہ تم ظلم میں اس کا ساتھ دو بلکہ اس کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم کرنے سے روک دو۔ یہ بھی اس کی مدد ہے، یہ ظلم کر کے اپنی جان پر ظلم کر رہا ہے اور اپنے بھائی پر بھی زیادتی کر رہا ہے، یہ طریقہ نبئ کریم ﷺ نے بتلایا[۱]۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر کبھی ظلم نہیں کرتا

نبئ کریم ﷺ نے مسلمانوں کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کیا، مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، نبئ کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: اَلْمُسْلِمُ أَخُو

۱ صحيح البخاري، عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه، باب يَمِينِ الرَّجُلِ لِصَاحِبِهِ إلخ، ر:٦٩٥٢.

الْمُسْلِمِ: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، لَا یَظْلِمُهُ وَلَا یَخْذُلُهُ، وَلَا یَحْقِرُهُ کہ: وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، نہ اس کی حق تلفی کرتا ہے، نہ اس کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ کرتا ہے اور نہ اس کو بے یار ومددگار چھوڑتا ہے۔

ایک مؤمن کا دوسرے مؤمن پر پہلا حق

گویا پہلا حق یہ ہے کہ جب آپ اپنے مسلمان بھائی سے اخوت اور بھائی چارگی کا رشتہ رکھے ہوئے ہیں تو آپ کو چاہیے کہ آپ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے اس کا حق ضائع اور برباد ہوتا ہو، اس کے ساتھ کسی بھی طرح کا ظلم اور زیادتی کرنے کی شریعت آپ کو اجازت نہیں دیتی، اس کی جان، اس کا مال، اس کی عزت وآبرو سب کچھ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت ہی زیادہ قابل عزت اور قابل احترام ہے، کوئی ایسی حرکت، کوئی ایسا سلوک، کوئی ایسا معاملہ جس کی وجہ سے اس کی جان پر آنچ آتی ہو، اس کے مال پر آنچ آتی ہو، اس کی عزت وآبرو پر آنچ آتی ہو، ایسا کوئی بھی کام کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

ایک مؤمن کا دوسرے مؤمن پر دوسرا حق

آگے نبیٔ کریم ﷺ نے دوسری بات ارشاد فرمائی: وَلَا یَخْذُلُهُ: اس کو بے یار ومددگار نہیں چھوڑتا ہے۔ دیکھو! اسلامی بھائی چارگی کی وجہ سے شریعت نے ایک دوسری ذمہ داری ہم پر عائد کی، وہ یہ ہے کہ ہمارا ایک مسلمان بھائی ہمارے سامنے تکلیف میں مبتلا ہے، کوئی اس پر ظلم وزیادتی کر رہا ہے، اس کی پٹائی کر رہا ہے اور آپ اس کے پاس

سے گذریں اور دیکھیں کہ ہمارے بھائی کی پٹائی ہورہی ہے۔

تو اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو طاقت اور قوت دی ہے، آپ اس مصیبت میں اس کی مدد کرسکتے ہیں تو شریعت ضروری قرار دیتی ہے کہ آپ اس کی مدد کریں، چاہے وہ آپ کا سگا بھائی ہو یا نہ ہو، آپ کے لیے اس کو یوں ہی بے یارومددگار چھوڑنا جائز نہیں ہے، اس کی مدد آپ کے ذمہ ضروری ہے، زیادتی کرنے والا کوئی بھی ہو، چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو اگر مدد کی طاقت ہوتے ہوئے بھی آپ اس کی مدد نہیں کریں گے تو آپ بہت بڑے گنہگار ہیں، کل وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم رہے گا تو ''وَلَا يَخْذُلُهُ'' یعنی ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو مدد کے موقع پر بغیر مدد کے نہیں چھوڑے گا، اس کی مدد ضرور کرے گا۔

ایک مؤمن کا دوسرے مؤمن پر تیسرا حق

اور آگے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا تیسرا حق بیان کرتے ہوئے نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: وَلَا يَحْقِرُهُ: اور اس کو حقیر نہیں سمجھتا اپنے بھائی کو حقیر سمجھنا بھی بہت خطرناک چیز ہے[۱]۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے، آپ کو سب کو ان باتوں پر عمل کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

[۱] صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابُ تَحْرِيمِ ظُلْمِ الْمُسْلِمِ إلخ، ر:٢٥٦٤.

عشرۂ ذی الحجہ کیسے گزاریں......؟؟؟

اقتباس

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا کہ گائے کی قربانی کرتے تھے، تو اس گائے کو اپنے پاس بٹھا کر کھلاتے تھے اور روزانہ اس کو دودھ جلیبی کھلاتے تھے، جب مدرسے میں پڑھانے کے لیے جاتے تو وہ گائے ساتھ ساتھ آتی تھی، آپ درس گاہ میں جاتے، وہ باہر بیٹھی رہتی، پڑھا کر نکلتے، پھر ساتھ میں آتی اور گھر جاتی۔ عید کے دن جب قربانی کا وقت آتا تو روتے جاتے، آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے اور اس کو ذبح کرتے۔ گائے کے ساتھ ایسا تعلق ہو جاتا۔

اور پھر اسی دن آئندہ سال کے لیے دوسری خریدتے، اور سال بھر اس کی خدمت کرتے۔ ہم تو آدھے گھنٹے کے لیے بھی خدمت کے لیے تیار نہیں، دوسرے کے گھر بندھوا دیتے ہیں اور چارے کے نام سے دو تنکے بھی ڈالنے کے روادار نہیں ہوتے۔ خیر! اللہ تعالیٰ اس قربانی کو قبول کرے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمدللّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله إلىٰ كافّة الناس بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى اللّٰه بإذنه وسراجاً منيراً، صلّى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً. أما بعد:

فَأَعُوْذُ بِاللّٰه مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿وَٱلۡفَجۡرِ ۝١ وَلَيَالٍ عَشۡرٍ ۝٢﴾ [الفجر]

وقال تعالىٰ: ﴿وَيَذۡكُرُواْ ٱسۡمَ ٱللَّهِ فِيٓ أَيَّامٍ مَّعۡلُومَٰتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّنۢ بَهِيمَةِ ٱلۡأَنۡعَٰمِ﴾ [الحج ۝٢٨]

وقال تعالىٰ: ﴿إِنَّ عِدَّةَ ٱلشُّهُورِ عِندَ ٱللَّهِ ٱثۡنَا عَشَرَ شَهۡرًا فِي كِتَٰبِ ٱللَّهِ يَوۡمَ خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضَ مِنۡهَآ أَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ [التوبة ۝٣٦]

وقال تعالىٰ: ﴿ٱلۡحَجُّ أَشۡهُرٞ مَّعۡلُومَٰتٞ﴾ [البقرة ۝١٩٧]

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهَا أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ يَعْنِي أَيَّامَ الْعَشْرِ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ؟ قَالَ: وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ، فَلَمْ

يَرْجِعْ مِنْ ذَلِكَ بِشَيْءٍ [①]. أو كما قال عليه الصلاة والسلام.

اشہر حرم اور یوم عرفہ و یوم النحر

آج ذوالحجہ کا مہینہ شروع ہو چکا، یہ ذوالحجہ کی پہلی شب ہے، یہ اسلامی کیلنڈر کا آخری مہینہ ہے۔ ان میں شوال، ذوالقعدۃ اور ذوالحجہ یہ حج کے مہینے کہے جاتے ہیں اور ذوالقعدۃ، ذوالحجہ، محرم اور رجب یہ اشہر حرم کہلاتے ہیں۔ ابھی آپ کے سامنے جو آیت پڑھی گئی اس میں ان کا تذکرہ ہے۔ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے سے ان کے لیے مخصوص احکام تھے، ان کا خاص ادب واحترام لازم کیا گیا تھا، ان دنوں آپس میں کوئی جنگ نہیں کی جاسکتی تھی، کچھ پابندیاں عائد کی گئی تھیں۔

اسی ذوالحجہ کی ۹ر تاریخ کو یوم عرفہ کہا جاتا ہے۔ ۱۰ر تاریخ کو یوم النحر (قربانی کا دن) کہا جاتا ہے۔ ویسے قربانی کے تین دن ہیں، البتہ پہلے دن کو دوسرے دو دنوں کے مقابلے میں افضل قرار دیا گیا ہے۔ اسی ۱۰ر ذوالحجہ کو قرآن کریم میں ﴿يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ﴾ کہا گیا ہے۔

اے اللہ! تو گواہ رہنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبے میں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے فرمایا: أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچا دیا؟ صحابہ

---

① سنن أبي داود، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما، كِتَاب الصَّوْمِ، بَابٌ فِي صَوْمِ الْعَشْرِ، ر:٢٤٣٨.

رضی اللہ عنہم نے جب اس کا اقرار کیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتے ہوئے فرمایا: اللّٰھُمَّ اشْھَدْ[۱] (اے اللہ! تو گواہ رہ) یہ لوگ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ میں نے تیرا پیغام ان تک پہنچایا۔

ایامِ حج اور ایامِ تشریق کی تعداد اور تعیین

اسی ذوالحجہ کے ۵/دن: ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ایامِ حج کہے جاتے ہیں، اسی ذوالحجہ کے ۱۱، ۱۲، ۱۳ تین دن ایامِ تشریق کہے جاتے ہیں۔ چوں کہ ہمارے معاشرے اور سوسائٹی میں ذوالحجہ کے ان بابرکت ایام کو ان کے متعلق وارد فضائل کے مطابق جس طرح وصول کرنا چاہیے، ویسا نہیں کیا جاتا۔

حج کے دو ہی رکن......

حج میں دو ہی رکن ہیں: (۱) وقوفِ عرفات (۲) طوافِ زیارت، وقوفِ عرفات کا وقت طے شدہ ہے، وہ ۹/ذی الحجہ کے زوال کے بعد ظہر سے ۱۰/ذی الحجہ کی صبح صادق تک ہے۔ گویا اتنے وقت میں کوئی آدمی عرفات میں ٹھہر جائے، تو اس کا فریضہ ادا ہو جائے گا، اور اس کا حج معتبر قرار دیا جائے گا۔

ولیال عشر سے کیا مراد ہے؟

اس میں دوسری قَسَم ﴿وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ ہے۔ دس راتوں کی قسم سے کیا مراد ہے؟

---

۱ صحيح البخاری، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، كِتَابُ الحَجِّ، بَابُ الخُطْبَةِ أَيَّامَ مِنًى، ر:۱۷۴۱.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما-جن کی باتیں قرآن پاک کی تفسیر کے سلسلے میں مستند سمجھی جاتی ہیں،آپ امام المفسرین ہیں،امام بخاریؒ بھی جگہ جگہ ان کے اقوال نقل فرماتے ہیں-فرماتے ہیں کہ اس سے ذوالحجہ کا پہلا عشرہ مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس پہلے عشرے کی قسم کھائی۔

اس قسم کھانے سے پہلے عشرہ کی اہمیت،عزت اور شرف کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔چناں چہ بہت سے بڑے بڑے مفسرین نے اسی کو راجح قرار دیا ہے:حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہدؒ،ضحاکؒ،حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے [1] تفسیر کے دیگر ائمہ بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

سید الایام وسید اللیالی

سال کے دنوں میں کون سے دن سب سے افضل ہیں؟ حضراتِ علماء کے درمیان یہ موضوع بحث بنا۔دو عشرے ہیں:(۱) رمضان کا آخری عشرہ (۲) ذوالحجہ کا پہلا عشرہ۔ ان دو میں افضل کون؟ علامہ ابن تیمیہؒ نے اس سلسلے میں فیصلہ کن بات فرمائی،اور عام طور پر اہل علم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ دنوں میں ذوالحجہ کے دس دن افضل ہیں اور راتوں میں رمضان کی دس راتیں افضل ہیں۔چوں کہ دنوں میں عرفہ کا دن ان ہی دس دنوں میں آتا ہے اور عرفہ کے دن کو سید الایام (سال کے تمام دنوں کا سردار) کہا گیا ہے،سال کے تمام دنوں کا سردار اِن دس دنوں میں آتا ہے،لہٰذا یہ دس دن رمضان کے

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۳۹۰/۸

دس دن سے بھی افضل اور راتوں میں سید اللیالی (راتوں کی سردار، یعنی لیلۃ القدر) رمضان کی ان دس راتوں میں آتی ہے، اس لیے وہ افضل۔

اتنی فضیلت کیوں......؟؟؟

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے کلام کیا ہے کہ ان دنوں کو اتنی فضیلت کیوں حاصل ہے؟ چناں چہ اس کی وجہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ دن ایسے ہیں کہ اسلام کی ساری عبادتیں ان دنوں میں ادا ہوسکتی ہیں، ان دنوں میں حج، قربانی، روزہ (اگر رکھنا چاہیں تو)، عمرہ (اگر کرنا چاہیں تو)۔ غرض ہر نیکی کا کام کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ رمضان جیسا رمضان !!! کوئی اس میں حج کرسکتا ہے؟ دیکھو! رمضان کے روزے فرض کیے، لیکن کوئی آدمی فرض کے سوا نفل روزے سال میں پانچ دنوں کو چھوڑ کر جب چاہے رکھ لے۔ اللہ تعالیٰ نے پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے، ان کے علاوہ مکروہ اوقات کے علاوہ میں نفل نماز جب چاہے پڑھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حج فرض کیا، لیکن نفل حج بھی آدمی دیگر ایام میں ادا نہیں کرسکتا !!! وہ بھی حج کے دنوں میں ہی کرسکتا ہے۔ حج ایک ایسی عبادت ہے جو انہی دنوں میں ادا ہوسکتی ہے، دیگر ایام میں نہیں !!! مکہ میں رہتے ہوئے بھی، کوئی آدمی منیٰ میں جائے، عرفات میں جائے کنکریاں مارے، کچھ بھی نہیں ہوگا۔ جو اوقات مقرر ہیں، ان میں یہ افعال کرے گا تبھی حج ادا ہوگا، ورنہ نہیں۔

قربانی کے ایام

قربانی ۔جس کو اضحیہ کہتے ہیں۔ کے ۱۰/۱۱/اور ۱۲ تین دن ہیں۔ یہ ایک ایسا

عمل ہے کہ ان تین دن کے علاوہ سال بھر میں کبھی نہیں کر سکتے۔ ہدی الگ ہے، ہمارے یہاں دونوں کے لیے قربانی بولا جاتا ہے۔عید کے موقع پر جو قربانی ہوتی ہے اس کو عربی میں ''اضحیہ'' کہتے ہیں، اور حاجی لوگ جو کرتے ہیں، وہ ہدی کہلاتی ہے اور ہم اردو میں دونوں کو قربانی کہتے ہیں۔لیکن حقیقت میں اس قربانی - جو حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے- کے تین دن مقرر ہیں، ۱۰/۱۱/ ۱۲۔آپ دنیا کے کسی بھی کونے میں جائیں، ان تین دنوں کے علاوہ قربانی نہیں ہوسکتی۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ عشرہ ایسا ہے کہ آدمی ساری عبادتیں اس میں ادا کرسکتا ہے، جب کہ اس عشرے کے علاوہ سال بھر میں دوسرا کوئی عشرہ ایسا نہیں ملے گا۔رمضان کے عشرے کی فضیلت اپنی جگہ پر؛لیکن اس میں حج اور قربانی ادا نہیں ہوسکتی۔اس عشرے کی اسی فضیلت کے پیش نظر ان دس دنوں میں ہمارے اکابر کے یہاں عبادت کا بڑا اہتمام تھا۔

بچپن کا رواج

ہم لوگ عبادات کے معاملے میں بھی رسم و رواج کے پابند ہیں۔بچپن سے یہ سلسلہ چلا آرہا ہے کہ شبِ براءت میں عبادت کریں گے،حالاں کہ شبِ براءت کے سلسلے میں حدیث میں جو روایات وارد ہوئی ہیں، وہ اتنی اونچی اور صحت کے درجے کو پہنچی ہوئی نہیں ہیں اور ایک بہت بڑی جماعت آج ایسی ہے، جو شبِ براءت کو کسی بھی حال میں ماننے کے لیے تیار نہیں ہے، جیسے: غیر مقلدین کی جماعت۔اور جن روایات

سے شب براءت کے فضائل ثابت ہوتے ہیں وہ حسن لغیرہ ہیں۔

جن احادیث سے احکام ثابت ہوتے ہیں ان کے چار درجے بتائے ہیں: صحیح لعینہ، صحیح لغیرہ، حسن لعینہ، حسن لغیرہ، تو دلیل کے اعتبار سے جو روایات آخری درجے کی ہیں، ایسی روایات سے شبِ براءت کی عبادت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اس کا ہم اتنا اہتمام کرتے ہیں!!!، گھروں میں بھی عورتیں جاگیں گی، لوگ بھی جاگیں گے اوراس عشرے کا کوئی اہتمام ہی نہیں!!!۔

شبِ معراج کی کوئی فضیلت نہیں

ایک سلسلہ تو ایسا ہے جس کا کوئی وجود ہی نہیں، جیسے: شب معراج۔ معراج تو مسجدِ حرام سے بیت المقدس تک ہوئی ہے، جس کو اسراء کہتے ہیں، اس کا تذکرہ تو قرآن میں بھی ہے: ﴿سُبۡحَٰنَ ٱلَّذِيٓ أَسۡرَىٰ بِعَبۡدِهِۦ لَيۡلٗا مِّنَ ٱلۡمَسۡجِدِ ٱلۡحَرَامِ إِلَى ٱلۡمَسۡجِدِ ٱلۡأَقۡصَا ٱلَّذِي بَٰرَكۡنَا حَوۡلَهُۥ لِنُرِيَهُۥ مِنۡ ءَايَٰتِنَآۚ﴾ [الإسراء۱] اوراس کے آگے دوسرا پارٹ (part) بیت المقدس سے لے کر اوپر آسمانوں میں، اس کا قرآن میں تذکرہ نہیں؛ البتہ بخاری وغیرہ میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ اور نماز جیسی عبادت بھی اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر عطا فرمائی، وہ سب اپنی جگہ ٹھیک ہے، ثابت ہے لیکن معراج کب ہوئی؟ اور معراج کی رات کی کوئی خاص فضیلت ہے؟ آپ احادیث کے پورے ذخیرہ کو اٹھا کر دیکھ لیجیے! شب قدر کی فضیلت ہے، شب براءت کی فضیلت ہے، ایسی معراج کی رات کی کوئی فضیلت آپ کو قرآن یا حدیث میں نہیں ملے گی۔

عبادت میں رسم ورواج کے پابند

معراج کب ہوئی؟ آپ سیرت کی کتاب اٹھا کر پڑھ لیجیے! مہینہ ہی متعین نہیں ہے کوئی ایک مہینہ بتلا رہا ہے، تو کوئی دوسرا مہینہ بتلا رہا ہے۔ پھر تاریخ میں بڑا اختلاف ہے!! ۲۷؍رجب لوگ طے کر بیٹھے ہیں اور اس میں عوام روزہ بھی رکھتے ہیں، ان کے نزدیک اس کا نام بھی ہزاری روزہ ہے، یعنی اس ایک روزہ کا ثواب ہزار روزہ کے برابر!، حالاں کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اس کا اہتمام ہوتا ہے اگر چہ نہیں کرنا چاہیے، لیکن ہو رہا ہے اور ذوالحجہ کا عشرہ، اتنے مبارک دن، اس کا اتنا اہتمام ہمارے بڑوں نے کیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا، اسلاف نے کیا، آج ہم عبادت کے معاملے میں رسم ورواج کے پابند ہو گئے ہیں۔

پہلی آزمائش

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی بڑی آزمائش فرمائی، اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿وَإِذِ ٱبْتَلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ رَبُّهُۥ بِكَلِمَـٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ﴾ [البقرة۱۲۴]: اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو چند چیزوں سے آزمایا، ان سب امتحانوں میں حضرت ابراہیمؑ کامیاب ہوئے۔

پہلا امتحان تو اپنی قوم کے ساتھ ہوا، جہاں پیدا ہوئے، وہ قوم ہی بتوں کی پوجا کرتی تھی، ابّا کے ساتھ بھی جھگڑے ہوئے، مناظرے ہوئے، قوم کو بھی بہت سمجھایا لیکن نہیں مانی تو ایک موقع پر حضرت ابراہیمؑ نے ان کے بتوں کو بھی توڑ ڈالا، اس پر قوم

نے ناراض ہو کر آپ کو آگ میں ڈالنے کا فیصلہ کیا، یہ پہلی آزمائش تھی۔

عجیب بات ہے کہ جب ان کو آگ میں ڈالنے کے لیے سب تیاریاں مکمل ہو گئیں، اور آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھتے ہیں: میرے لائق کوئی خدمت؟ یعنی میں اس موقع پر آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں؟ فرمایا: مجھے تم سے کچھ نہیں کہنا ہے، میرا اللہ میرے حال سے واقف ہے۔ ان کی پیشکش تھی پھر بھی ان کی مدد نہیں لی، پھر قوم نے ان کو آگ میں ڈالا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آگ کو باغ بنا دیا: ﴿قُلْنَا يَٰنَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَٰمًا عَلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ ۝٦٩﴾ [الانبیاء] روایات میں آتا ہے کہ جب يَٰنَارُ کہا گیا تو اس وقت روئے زمین پر دنیا میں جتنی بھی آگ تھیں، وہ سب ٹھنڈی ہو گئیں[①]۔

دوسری آزمائش اور اسماعیلؑ کی پیدائش

آپ عراق میں پیدا ہوئے، پھر شام تشریف لے گئے، قوم کی دشمنی کی وجہ سے وطن چھوڑنا پڑا۔ جب اللہ کے حکم سے وطن چھوڑ کر جانے لگے تو بادشاہ کو معلوم ہوا کہ یہ نکل گئے ہیں، تو آپ کو پکڑنے کے لیے آدمی بھیجے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ شام گئے، وہاں حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو کوئی اولاد نہیں ہوئی، دو بیویاں تھیں، پہلی بیوی حضرت سارہؓ، ان سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اسی بیوی کے ساتھ جا رہے تھے، آزمائش کا شکار ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے اسی کے بعد حضرت ہاجرہؓ

① تفسیر البغوی: ۳/ ۲۹۵، فی تفسیر هذه الآية

بھی عطا فرمائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: ﴿رَبِّ هَبۡ لِي مِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ۝١٠٠﴾ [الصّٰفّٰت] اے اللہ! مجھے نیک اولاد دے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَبَشَّرۡنَٰهُ بِغُلَٰمٍ حَلِيمٖ ۝١٠١﴾ [الصّٰفّٰت] ہم نے بردبار بچے کی بشارت سنائی۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔

تیسری آزمائش

جس وقت حضرت اسماعیل پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۸۶ رسال تھی، اندازہ لگاؤ! چھیاسی سال کی عمر میں جب پہلا بچہ ہو، تو اس باپ کو اس بچے کے ساتھ کیسی محبت ہوگی؟ اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہوا کہ آپ کو انھیں لے کر دوسری جگہ جانا ہے، ابھی یہ نہیں کہا کہ چھوڑ کر آنا ہے یا واپس بھی لانا ہے۔ کہاں جانا ہے؟ تو جبریلؑ آرہے ہیں، جبریلؑ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا کہ ان کو لے جاؤ۔

حضرت جبریلؑ، حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام، حضرت ہاجرہؑ اور چھوٹے بچے اسماعیلؑ کو لے کر نکلے۔ جہاں کوئی سرسبز میدان آتا، حضرت ابراہیمؑ پوچھتے: یہاں؟ تو حضرت جبریلؑ کہتے: نہیں، آگے۔

چلتے چلتے وہاں پہنچے جہاں اِس وقت کعبہ ہے، وادِی غیر ذی زرع۔ وادی اس جگہ کو کہتے ہیں جو دو پہاڑوں کے بیچ میں ہو، پہاڑوں کے بیچ کا ایسا میدان جہاں ایک تنکا بھی نہیں تھا، سبزہ کچھ نہیں۔ وہاں جب پہنچے تو حضرت جبریلؑ نے کہا: یہاں آپ کو رکنا ہے۔ وہاں صرف کعبہ کا نشان تھا، ٹیلہ تھا۔ ان کے پاس کھجور کا ایک تھیلا تھا، اور پانی کا

ایک مشکیزہ تھا۔

چوتھی آزمائش

اب اللہ تعالیٰ کا حکم آیا کہ ان کو یہاں چھوڑو، اور نکلو، اب تک اللہ کا حکم نہیں آیا تھا کہ اِن کو یہاں چھوڑ کر آپ کو آنا ہے، اب وحی آئی کہ ان کو یہاں چھوڑ دو۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی تو اپنی بیوی سے بھی نہیں کہتے کہ اللہ کا یہ حکم آیا، بس اٹھ کر چل دیئے، اسی حال میں حکم آتے ہی اٹھے اور چلنا شروع کر دیا۔

جب چلنے لگے تو حضرت ہاجرہؓ نے پوچھا: یہ کیا کر رہے ہیں؟، پیچھے پیچھے دوڑیں کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ جواب ہی نہیں دے رہے ہیں، حضرت ہاجرہؓ پوچھ رہی ہیں کہ کہاں جا رہے ہیں؟ کہاں جا رہے ہیں؟، دو تین مرتبہ پوچھا، جب جواب نہیں دیا تو خود حضرت ہاجرہؓ کے دل میں خیال آیا، پوچھا: کیا اللہ کا حکم ہے؟ کہا: ہاں! اللہ کا حکم ہے۔ جب یہ جواب ملا، تو حضرت ہاجرہؓ نے فوراً کہا: إِذَنْ لَنْ يُضَيِّعَنَا: تب تو اللہ کبھی ہمیں برباد نہیں کرے گا[۱]۔

دیکھو! ایک عورت کا ایمان!، کہاں چھوڑا تھا؟ وہاں کوئی انسان نہیں تھا، کوئی آبادی نہیں تھی، پرندہ نہیں، پانی نہیں تو پرندہ کہاں سے ہوگا؟ آج اگر سورت شہر میں ہمارا فلیٹ ہے اور اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر کہیں جانا ہو، تو دل میں سو (۱۰۰) وسوسے آتے

---

① تفسير القرآن العزيز لابن أبي زَمَنِين المالكي ٢/ ٣٧٣، تحت هذه الآية ربنا إنك تعلم ما نخفي وما نعلن [ابراهيم:٣٨]

ہیں کہ کیا ہوگا؟ ارے کیا ہوگا؟ یہ پینتالیس لاکھ کی اتنی بڑی آبادی اور اس میں اڈاجن پاٹیا کا اتنا بڑا علاقہ، اتنے بڑے بڑے اپارٹمنٹ، اور اس میں آپ کا فلیٹ جس بلڈنگ میں ہے، اس میں تو دوسرے اور پچاس فلیٹ ہیں، پھر بھی دل میں ہوتا ہے کہ میں بیوی بچوں کو اکیلے چھوڑ کر جا رہا ہوں۔

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی کتنی بڑی قربانی تھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک! اللہ کا حکم تھا تو ان کو چھوڑ کر واپس آ گئے؛ لیکن اللہ ہی کے حکم کی وجہ سے تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد ان کی خبر لینے کے لیے شام سے مکہ مکرمہ آتے تھے۔

بشارت خواب میں پائی کہ اٹھ ہمت کا ساماں کر

جب حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام بڑے ہوئے، ان کے ساتھ جب چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو پھر خواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دکھلایا گیا کہ انھوں نے گویا حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کو لٹایا اور ان پر چھری چلا رہے ہیں۔ ایک منظر (scene) خواب میں اس انداز کا دکھایا گیا۔ چوں کہ نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، پہلے دن دیکھا۔ دوسری مرتبہ دیکھا تو یقین ہو گیا تو اب ارادہ کر لیا کہ اس پر عمل کرنا ہے۔ لیکن اس سے پہلے خود ان کے سامنے اس کا ذکر مناسب معلوم ہوا۔

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ ٱلسَّعْيَ قَالَ يَٰبُنَيَّ إِنِّيٓ أَرَىٰ فِي ٱلْمَنَامِ أَنِّيٓ أَذْبَحُكَ فَٱنظُرْ مَاذَا تَرَىٰ﴾ [الصّٰفّٰت۱۰۲] حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام جب اپنے ابا کے ساتھ چلنے پھرنے کے لائق عمر کو پہنچ گئے، تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے کہا: بیٹا! میں

نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ گویا ایک منظر دیکھا، ذبح کر نہیں دیا، ذبح کر رہا ہوں، چھری چلا رہا ہوں، ایسا میں نے دیکھا، حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کے سامنے صرف خواب کا تذکرہ کیا، معلوم کرنا چاہا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام بیٹے کا بھی امتحان لینا چاہتے تھے کہ ان کا کیا خیال ہے؟، یہ نہیں کہ وہ ہاں کہے تو ذبح کریں گے، ورنہ نہیں۔ وہ بھی تو ان کا بیٹا تھا!، کیا کہا؟ ﴿يَـٰٓأَبَتِ ٱفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾ [الصّٰفّٰت۱۰۲] اے ابا جان! اللہ کی طرف سے آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اسے کر گزرئیے۔

حضرت اسماعیلؑ کی بے مثال اطاعت

ابراہیمؑ تو کہہ رہے ہیں کہ خواب دیکھا، اسماعیلؑ کہہ رہے ہیں کہ جو حکم دیا گیا۔ یہ نہیں کہا کہ ابا جان! آپ نے تو خواب دیکھا ہے، خواب وخیال کا کیا اعتبار؟ محض اس خواب کی بنیاد پر آپ اپنے اتنے لاڈلے بیٹے کو ذبح کر دیں گے!! اللہ نے اتنی عمر میں آپ کو اولاد دی، آپ ذبح کرنے کے لیے تیار ہو گئے!، کچھ نہیں!، اپنی آمادگی ظاہر کی۔

پئے تعمیل چل نکلا خدا کا پاک پیغمبر

چناں چہ وہ ذبح کرنے کے لیے منیٰ کے میدان میں لے گئے، لٹایا، اور چھری چلانا شروع کیا؛ لیکن چھری کام نہیں کر رہی ہے۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے جنت سے مینڈھا بھیجا اور حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی جگہ اس کو ذبح کرنے کا حکم دیا، وہ چھری چلاتے تھے؛ لیکن اس نے کام نہیں کیا، اسی پر اللہ کی طرف سے انعام دیا گیا:

﴿قَدۡ صَدَّقۡتَ ٱلرُّءۡيَآۚ﴾ [الصّٰفّٰت:۱۰۵] خواب میں یہ نہیں دیکھا تھا کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام ذبح کردئے گئے، خواب میں تو اتنا ہی دیکھا تھا کہ ان پر چھری چلا رہے ہیں، خواب میں جو منظر تھا، اتنا ہو بہ ہو بیداری میں آ گیا۔ خواب سچا ہے، آگے اس میں ذبح ہونے کا تذکرہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کو جو امتحان لینا تھا، وہ ہو گیا۔ اسی کی یاد میں ہم پر قربانی واجب ہوئی ہے۔

ہمیں غیرت آنی چاہیے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال قربانی کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مینڈھے ذبح کیے، چتکبرے، سینگ والے۔ ایک اپنی طرف سے، اور ایک اپنی امت کے لوگوں کی طرف سے[۱]۔

ذرا ہمیں بھی غیرت آنی چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ہماری طرف سے قربانی کریں، اور ہم طاقت ہونے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قربانی نہ کریں!۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہر سال قربانی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے جن کو وسعت دی ہے، ان کو تو چاہیے کہ وہ اپنی قربانی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بھی قربانی کا اہتمام کریں۔

قربانی کے جانور کی خدمت اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ

قربانی کے جانور کی خوب خدمت ہونی چاہیے۔ بخاری شریف میں ہے کہ

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي، كِتَابُ الضَّحَايَا، باب الرجل يضحي عن نفسه إلخ، ر:۱۹۰۴۹

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی قربانی کے جانوروں کی اتنی خدمت کرتے تھے کہ ان کو خوب فربہ بناتے تھے، اور ایسا جانور ہی پسندیدہ قرار دیا گیا ہے، ہمارے بزرگوں کے یہاں اس کا اہتمام ہوتا تھا۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا کہ گائے کی قربانی کرتے تھے، تو اس گائے کو اپنے پاس بٹھا کر کھلاتے تھے اور روزانہ اس کو دودھ جلیبی کھلاتے تھے، جب مدرسے میں پڑھانے کے لیے جاتے تو وہ گائے ساتھ ساتھ آتی تھی، آپ درس گاہ میں جاتے، وہ باہر بیٹھی رہتی، پڑھا کر نکلتے، پھر ساتھ میں آتی اور گھر جاتی۔ عید کے دن جب قربانی کا وقت آتا تو روتے جاتے، آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے اور اس کو ذبح کرتے۔ گائے کے ساتھ ایسا تعلق ہو جاتا۔

اور پھر اسی دن آئندہ سال کے لیے دوسری خریدتے، اور سال بھر اس کی خدمت کرتے۔ ہم تو آدھے گھنٹے کے لیے بھی خدمت کے لیے تیار نہیں، دوسرے کے گھر بندھوا دیتے ہیں اور چارے کے نام سے دو تنکے بھی ڈالنے کے روادار نہیں ہوتے۔ خیر! اللہ تعالیٰ اس قربانی کو قبول کرے۔

اس عشرے کا استقبال

اِس عشرے کا استقبال کون سے عمل سے کریں؟ تو علماء نے لکھا ہے کہ توبہ اور استغفار سے کریں، پہلا کام یہ کہ صلاۃ التوبہ پڑھ کر اپنے گناہوں سے معافی مانگ کر اس عشرے کے اعمالِ صالحہ کو انجام دینے لیے اپنے آپ کو پاک وصاف کرلیں۔ ہم

ظاہری طور پر تو غسل کر کے دھلے ہوئے کپڑے پہن لیتے ہیں؛ لیکن اندر کے میل کو دور کرنے کی طرف دھیان نہیں جاتا۔ حالاں کہ پہلا کام وہ کرنا چاہیے۔

تکبیرِ تشریق کا حکم

اس کے علاوہ تکبیرِ تشریق کا ورد بھی ان دنوں کا خاص عمل ہے، تکبیرِ تشریق یہ ہے:
اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ. یہ نویں ذی الحجہ کے فجر سے تیرہویں ذی الحجہ کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد پڑھنا ہر ایک پر واجب ہے، عید کی نماز کے بعد بھی اس کو پڑھنا چاہیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے، آپ کو سب کو ان باتوں پر عمل کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل

مؤرخہ ۲۹/ذی قعدۃ الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۱/اگست ۲۰۱۸ء، شب یک شنبہ

اقتباس

بخاری شریف میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نقل فرماتے ہیں کہ سال کے کسی بھی دن میں اللہ کو نیک عمل اتنا پسند نہیں، جتنا اِن دس دنوں میں پسند ہے۔ آپ کوئی بھی نیک عمل کرو، عمل کی بھی تعیین نہیں، روزہ رکھو، نماز پڑھو، صدقہ و خیرات کرو، قرآن کی تلاوت کرو، تسبیح پڑھو، حتیٰ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! اللہ کے راستے میں جہاد کرنا؟ - چوں کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا بڑا اونچا عمل ہے - کیا اِن دنوں میں کوئی آدمی قرآن کی تلاوت کرے گا، تو اس کی تلاوت دیگر ایام میں اللہ کے راستے میں کیے گئے جہاد سے بھی بڑھ کر ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: آپ اِن دنوں میں قرآن پڑھیں گے، تسبیح پڑھیں گے، تو اس کا ثواب، اور دنوں کے جہاد سے بھی بڑھ کر ملے گا، البتہ کوئی آدمی اپنی جان اور مال لے کر یعنی گھوڑا وغیرہ لے کر جہاد میں نکلا، اور خود بھی شہید ہو گیا، اور اپنے مال کو بھی قربان کر دیا، کچھ واپس لے کر نہیں آیا، اس آدمی کا عمل اتنا اونچا ہے کہ اِن دنوں کا کوئی عمل اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بہر حال! اس سے معلوم ہوا کہ اِن دنوں میں ہر عمل اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمدللّٰہ نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله إلىٰ كافّة الناس بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً، صلّى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً. أما بعد:

فَأَعُوْذُ بِاللّٰه مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿وَٱلْفَجْرِ ۝١ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝٢﴾[الفجر]

وقال تعالىٰ: ﴿إِنَّ عِدَّةَ ٱلشُّهُورِ عِندَ ٱللَّهِ ٱثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِى كِتَـٰبِ ٱللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ مِنْهَآ أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾[التوبة۳۶]

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهَا أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ يَعْنِي أَيَّامَ الْعَشْرِ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟ قَالَ: وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ، فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذَلِكَ بِشَيْءٍ[1]. أو كما قال عليه الصلاة والسلام.

① سنن أبي داود، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما، كِتَاب الصَّوْمِ، بَابٌ فِي صَوْمِ الْعَشْرِ، ر:۲٤۳۸.

ذوالحجہ کا چاند کل یا پرسوں ہونے والا ہے، اور ذوالحجہ کا پہلا عشرہ آیا ہی چاہتا ہے؛ اس لیے آج درس قرآن کے بہ جائے ذوالحجہ سے متعلق کچھ مفید باتیں آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں:

ولیال عشر سے کیا مراد ہے؟

سورۂ وَالْفَجْرِ کے شروع میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قسم کھائی ہے، ﴿وَالْفَجْرِ ۝۱﴾ قسم ہے صبح کی، ﴿وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲﴾: اور دس راتوں کی۔ یہاں کون سی صبح مراد ہے؟ اس سلسلے میں تین باتیں کہی گئیں ہیں:

(۱) حضرت علی، عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے کہ اس سے روزانہ کی صبح صادق مراد ہے؛ اس لیے کہ روزانہ طلوع ہونے والی فجر ایک نیا پیغام اور نیا انقلاب لے کر آتی ہے اور اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی کی قسم کھائی ہے[۱]۔

(۲) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول منقول ہے، جو حضرت قتادہؒ سے بھی نقل کیا گیا ہے کہ اس سے مراد محرم کی پہلی تاریخ کی صبح صادق ہے۔ یعنی اسلامی سال کے پہلے دن کی صبح صادق مراد ہے[۲]۔

(۳) یہ بھی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، اور دیگر ائمہ کی تفسیر سے بھی یہ بات نقل کی گئی ہے کہ اس سے دسویں ذی الحجہ، یوم النحر کی صبح صادق مراد

---

①② تفسیر القرطبی۲۰/۳۸، تحت قولہ تعالیٰ: وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ

ہے[1]۔

اسلامی تاریخ کا اصول

اس لیے کہ اسلامی تاریخ اور کیلنڈر میں اصول یہ ہے کہ گذشتہ رات کو آنے والے دن کے تابع قرار دیا جاتا ہے، جیسے کل ۲۹ / ذوالقعدۃ ہے، تو آج کی رات ۲۹ / ذوالقعدۃ کی رات کہلائے گی۔ لیکن دسویں ذی الحجہ، یوم النحر سے پہلے والی رات اُس دن کے تابع نہیں ہے؛ بلکہ اس کو گذشتہ دن (۹ / ذی الحجہ یعنی یوم عرفہ) کے تابع قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ حجاج کا ۹ / ذی الحجہ کو عرفات میں وقوف ہوتا ہے، جس کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے۔

اس کا مسنون طریقہ تو یہ ہے کہ زوال کے بعد ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھ کر ۔اگر اس کے شرائط پائے جائیں۔ وقوف شروع کریں، غروبِ آفتاب تک۔ اور غروبِ آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ کے لیے چلیں لیکن اگر اللہ کے کسی بندے کو عرفات میں ٹھہرنے کا موقع نہ ملا، ہوائی جہاز لیٹ ہو گیا، اور وہ نویں ذی الحجہ کو مغرب کے وقت ہی جدہ اترا۔ جب کہ لوگ عرفات سے نکلتے ہیں۔ تو اس کے لیے شریعت نے رات ہو جانے کے باوجود اجازت دی ہے کہ وہ عرفات جائے، اگر اس نے صبح صادق سے پہلے پہلے عرفات میں وقوف کر لیا، تو اس کا حج درست ہو جائے گا۔

گویا ۹/ویں ذی الحجہ کے بعد کی رات کو حاجیوں کے حج کا لحاظ کرتے ہوئے

---

(۱) تفسیر القرطبی ۳۹/۲۰، تحت قولہ تعالیٰ: وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ

شریعتِ مطہرہ نے بہ جائے دسویں تاریخ کے تابع بنانے کے نویں کے تابع رکھا ہے۔ گویا ۹/ویں ذی الحجہ کو دو راتیں ملیں، ایک رات تو اس کی اپنی ہے ہی، اور دوسری جو دسویں ذی الحجہ کی رات ہے وہ بھی اس کو دے دی گئی۔ اور ۱۰/ویں ذی الحجہ کا دن بغیر رات کے رہ گیا اور اس کی صبح صادق ایک امتیازی صبح ہے، ایسی صبح کہ اس کو رات نہیں ملی (۱)، اسی امتیازی شان کے پیش نظر اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں اس صبح صادق کی قسم کھائی۔

کونسی راتیں مراد ہیں؟

اور قسم ہے دس راتوں کی۔ اب یہ دس راتیں کون سی ہیں؟ اس کے متعلق تقریباً سب کا اتفاق ہے کہ اس سے ذوالحجہ کی دس راتیں مراد ہیں۔

عربی زبان میں لفظِ لیل دن پر بھی بولا جاتا ہے۔ ہم جو بولتے ہیں کہ میں فلاں جگہ چار دن رہ کر آیا، تو ہم اردو اور گجراتی میں لفظِ دن بولتے ہیں، لیکن اہل عرب جب کسی جگہ چار دن کے قیام کو بتلانا چاہتے ہیں، تو وہ چار راتیں بولتے ہیں، ان کا عرف یہی ہے۔ بہر حال! یہاں ﴿وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲﴾ سے ذوالحجہ کے پہلے دس دن، عشرۂ ذوالحجہ مراد ہے (۲)۔ اسلام میں اس کی بڑی فضیلت ہے۔

مختلف مہینوں میں مختلف عبادات

دیکھو! اسلامی کیلنڈر کے مختلف دنوں اور مختلف مہینوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی

---

(۱) (۲) تفسیر القرطبی ۳۹/۲۰، تحت قوله تعالیٰ: وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ

طرف سے مختلف عبادات مشروع کی گئیں۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے نماز کو فرض کیا ہے، نماز کا تعلق تو اوقات سے ہے، روزے فرض کیے تو روزے کا تعلق دنوں اور مہینے سے ہے، رمضان کا مہینہ روزوں کی ادائیگی کے لیے خاص کیا گیا ہے، کوئی آدمی اگر فرض روزے کے طور پر رمضان کے مہینے کو چھوڑ کر شعبان، رجب، ذوالقعدۃ، ذوالحجہ چار۔ پانچ مہینے کے روزے رکھ لے، تب بھی فرض ادا نہیں ہوگا، فرض تو رمضان کے مہینے ہی میں ادا ہوتا ہے، فرض کی ادائیگی کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے رمضان کے مہینے کو مقرر کیا ہے۔ ہاں! اگر فوت ہو گیا ہے، تو بعد میں اس کی قضا کی جاسکتی ہے، لیکن ادائیگی کا وقت تو وہی ہے۔

اسی طرح رمضان کے مہینے میں دیگر عبادات بھی اللہ نے رکھی ہیں، جیسے رمضان کے آخری عشرہ میں نبیٔ کریم ﷺ نہایت اہتمام سے اعتکاف فرماتے تھے، آپ ﷺ نے اپنی پوری حیاتِ طیبہ میں بلا کسی عذر کبھی ترک نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس کا اہتمام کرتے رہے اور فقہا نے بھی رمضان کے آخری عشرے کے اعتکاف کو سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ قرار دیا ہے۔

اسی طرح رمضان کے آخری عشرے میں ایک رات ہے، جس کو لیلۃ القدر کہتے ہیں جس کی فضیلت میں قرآن پاک میں سورۂ قدر مکمل نازل ہوئی، جس میں بتلایا گیا کہ اس رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بھی بڑھ کر ہے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رات رمضان کے اخیری عشرے میں آتی ہے تو گویا مہینے کی خصوصیت، عشرے کی خصوصیت، رات کی خصوصیت۔

اسی طرح بعض دن اور بعض مہینے بھی ایسے ہیں جن میں شریعت نے بعض مخصوص احکام دئے ہیں، رمضان کے بعد تو شوال کا چاند طلوع ہوتے ہی حج کے مہینے شروع ہو جاتے ہیں، قرآن مجید میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ٱلۡحَجُّ أَشۡهُرٞ مَّعۡلُومَٰتٞ﴾ [البقرۃ۱۹۷] حج مقررہ مہینوں میں کیا جائے گا یعنی تین مہینے: شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ، یہ حج کے مہینے کہلاتے ہیں۔ (البتہ ذوالحجہ کے صرف ۱۳؍دن، اس کے بعد حج کے ایام ختم ہو جاتے ہیں۔ ان ۱۳؍دن کو ہی پورے مہینے کے حکم میں شمار کر لیا گیا ہے)۔

ازل سے ابد تک

میں نے آپ کے سامنے آیت کریمہ تلاوت کی کہ چار مہینے ایسے ہیں، جن کو اشہر حُرم قرار دیا گیا:﴿مِنۡهَآ أَرۡبَعَةٌ حُرُمٞ﴾، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قمری سال کو ۱۲؍مہینوں کا بنایا، قرآن میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿إِنَّ عِدَّةَ ٱلشُّهُورِ عِندَ ٱللَّهِ ٱثۡنَا عَشَرَ شَهۡرٗا﴾: مہینوں کی تعداد اللہ کے یہاں بارہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اسی کو فرمایا تھا: الزَّمَانُ قَدْ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضَ: اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو جب پیدا کیا تھا، اُس دن جو حساب مہینوں کا شروع ہوا، وہی حساب آج بیٹھا ہے اور فرمایا: السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ [۱]: سال بارہ مہینے کا ہے اور ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔

ہر تین سال میں ایک مہینے کا اضافہ

باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:﴿إِنَّ عِدَّةَ ٱلشُّهُورِ عِندَ ٱللَّهِ ٱثۡنَا عَشَرَ

شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ [التوبة۳٦] یعنی ازل سے اللہ نے یہ فیصلہ کر لیا ہے، بعد میں لوگوں نے سال کے حساب میں گڑبڑ کرنا شروع کیا تھا اور سال میں بارہ مہینوں کے بہ جائے ایک مہینے کا اضافہ کر دیتے تھے۔ جیسے ہمارے ہاں جو بکرمی کیلنڈر چلتا ہے، اس میں اَدھِک ماس کے نام سے ہر تین سال میں ایک مہینے کا اضافہ کر دیتے ہیں، ہمارا اسلامی کیلنڈر قمری ہے، بکرمی کیلنڈر بھی قمری ہے اور عیسوی کیلنڈر شمسی ہے۔ تو یہ عرب قمری کیلنڈر کو شمسی کیلنڈر کے مطابق بنانے کے لیے اس میں بھی اسی طرح گڑبڑ کرتے تھے اور ہر تین سال میں ایک مہینے کا اضافہ کیا جاتا تھا۔ قرآن نے اس کو منع کر دیا کہ نہیں!، سال تو بارہ مہینہ ہی کا رہے گا۔

عبادات کو قمری سال کے ساتھ متعلق قرار دینے کی حکمت

قرآن نے قمری سال چلایا ہی اس لیے کہ اللہ کی حکمت اور مصلحت اس بات کی متقاضی تھی کہ شریعت کے احکام کی ساری سہولتیں پورے سال میں گھومتی رہیں۔ دیکھو! انگریزی سال کا حساب تو ایسا ہے کہ گرمی کے مہینے متعین ہیں: مئی، جون اور جولائی۔ جب سے یہ کیلنڈر چل رہا ہے، یہی تین مہینے گرمی کے کہلاتے ہیں۔ سردی کے مہینے دسمبر، جنوری اور فروری، چناں چہ شمسی سال میں موسم متعین ہے۔

قمری سال میں متعین نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے رمضان قمری سال کے اعتبار سے رکھا، اس میں اچھا نظام ہے اس طرح کہ قمری سال گھومتا رہتا ہے، لہٰذا رمضان کبھی گرمیوں میں آئے گا، کبھی سردیوں میں آئے گا، کبھی بارش میں آئے گا۔ گویا روزوں کی

فضیلت مختلف موسموں کے اعتبار سے حاصل ہوگی۔

اسی طرح حج کے مہینے بھی شوال، ذوالقعدۃ اور ذوالحجہ رکھے۔ ذوالحجہ میں حج کے ایام بھی ہیں، اس کے پانچ دنوں میں حج ہوتا ہے اور ذوالحجہ قمری مہینہ ہونے کہ وجہ سے حج بھی سال بھر میں گھومتا رہتا ہے تو حج کبھی گرمیوں میں، کبھی سردیوں میں اور کبھی بارش کے زمانے میں آئے گا، گویا ہر موسم کا لطف اُس عبادت میں حاصل ہوگا۔

مان لیجیے کہ اگر ماہِ رمضان گرمیوں میں ہی آتا، تو لوگ پریشان ہوجاتے، ہر سال لمبے روزے اور گرمی برداشت کرنی پڑتی، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے عبادات کا نظام قمری حساب کے ساتھ جوڑا ہے۔

اسلام میں قمری کیلنڈر کا اعتبار کرنے کی ایک اور حکمت

قمری مہینے میں دوسری حکمتیں بھی ہیں، شمسی مہینے کا حساب کوئی جاہل آدمی سمجھ نہیں سکتا ہے، کوئی اس کو کیلنڈر بتائے گا کہ یہ مہینہ شروع ہوا اور یہ ختم ہوا تو اس کو پتا چلے گا۔ قمری مہینے کا حساب سیدھا ہے، چاند نکلا، پہلی تاریخ ہوگئی، اب وہ ایک مہینہ تک چلے گا۔ مہینہ کے آخری حصے میں ایک یا دو دن چاند چھپا رہتا ہے، پھر نیا چاند شروع ہوا تو نیا مہینہ شروع ہوا۔ گویا یہ چاند کا مہینہ قدرت نے ایسا رکھا ہے کہ جاہل لوگ، جو حساب و کتاب جیسی چیزوں سے واقف نہیں ہیں، وہ بھی آسانی سے اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

سبحان تیری قدرت!

دوسری بات کہ جن علاقوں میں ٦-٦ ؍مہینے کے دن اور ٦-٦ ؍مہینے کی راتیں

ہیں، وہاں کیا ہوتا ہے؟ وہاں بھی چاند روزانہ دکھے گا، سورج تو ۶؍ مہینے تک نظر نہیں آتا، لیکن چاند کا چکر اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے اور اس کو اس طرح گھمایا ہے کہ وہ وہاں بھی برابر نظر آتا رہتا ہے تو ۶؍ مہینے کی راتوں میں بھی لوگوں کو پتا چلے گا کہ تاریخ کون سی چل رہی ہے؟ یہ اللہ کا ایک نظام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی حساب کو قمری حساب کے ساتھ اسی لیے جوڑا ہے تاکہ لوگوں کو آسانی ہو جائے۔ دیہات کے رہنے والے بھی اس کو آسانی سے معلوم کر سکتے ہیں۔

ایامِ حج اور ایامِ قربانی

ذوالحجہ کے اِن دس دنوں کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے۔ ان ہی دنوں میں حج کے ایام بھی آتے ہیں: ۸؍ ذی الحجہ سے ۱۲؍ ذی الحجہ تک، اور قربانی کے دن بھی اسی میں آتے ہیں: ۱۰؍ ۱۱؍ اور ۱۲؍ ذی الحجہ۔ دیکھو! نماز اللہ نے پانچ وقت کی فرض کی ہے: فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء؛ لیکن ان فرائض کے علاوہ کوئی آدمی نفل جب چاہے، پڑھ سکتا ہے: دن میں، رات میں؛ البتہ دو، تین وقت ایسے ہیں، جو تھوڑی دیر کے لیے مکروہ قرار دیے گئے ہیں، ان میں نفل نہیں پڑھ سکتے، بقیہ چوبیس گھنٹوں میں آپ جب چاہیں نفل پڑھ لیں۔ فرض روزے اللہ تعالیٰ نے رمضان میں رکھے لیکن رمضان کے علاوہ سال بھر میں (ایام منہیہ کو چھوڑ کر) کوئی روزے رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے۔

حج اور قربانی اوقات متعینہ میں ہی عبادت ہیں

حج کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو پانچ دن متعین کیے ہیں، جس پر حج فرض ہے؛ وہ بھی

ان ہی دنوں میں کرے گا اور جس کو نفل حج کرنا ہے، وہ بھی ان ہی پانچ دنوں میں کرے گا، حج اِن پانچ دنوں کے علاوہ نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح قربانی کے لیے تین دن متعین کیے گئے تو قربانی ایک ایسی عبادت ہے کہ سال بھر میں اِن تین ہی دنوں میں ادا کی جاسکتی ہے۔ جن پر واجب ہے، وہ بھی اور جو نفل قربانی کرنا چاہتے ہیں، وہ بھی ان تین دنوں میں ہی قربانی کر سکتے ہیں، ایسا نہیں کہ نفل قربانی آپ سال بھر میں جب چاہو، تب کرو اور نفل حج آپ سال بھر میں جب چاہو تب کرو۔

وقوفِ عرفات کا وقت مقرر ہے، ۹؍ویں ذی الحجہ کو زوال کے بعد سے وقوف کرنا ہے، اس کے علاوہ سال کے ۳۵۹؍دنوں میں عرفات کا میدان خالی پڑا ہوا ہے، آپ وہاں خیمے ڈال کر پڑے رہیں، تب بھی وقوف کے نام سے ایک نیکی بھی نہیں ملے گی۔

اسی طرح جمرات: شیاطین کو ۱۰؍۱۱، اور ۱۲؍ذی الحجہ، میں کنکریاں ماری جاتی ہیں، ان تین دنوں کے علاوہ بھی وہ کھمبے وہیں موجود ہوتے ہیں، کوئی ڈھیر ساری کنکریاں لے کر مارے، تب بھی ایک نیکی ملنے والی نہیں ہے۔

ذوالحجہ کا پہلا عشرہ جامع العبادات ہے

بہرحال! حج کی عبادت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقت مقرر ہے، فرض حج کا بھی اور نفل حج کا بھی اور قربانی کا بھی وقت مقرر ہے، فرض کا بھی، نفل کا بھی۔ تو یہ دو عبادتیں ایسی ہیں کہ ان کے مقررہ اوقات کے علاوہ نہیں ہوسکتی ہیں لیکن ذوالحجہ کا عشرہ

ایسا ہے کہ اس میں ہم نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھ سکتے ہیں، اور قربانی کے دن آئیں گے، تو قربانی بھی کر سکتے ہیں، اور حج کے دنوں میں حج بھی کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، گویا تمام عبادتیں ان دنوں میں کی جا سکتی ہیں۔

رمضان کا مہینہ اپنی جگہ پر کتنا ہی برکت و عظمت والا ہو؛ لیکن اس میں کوئی حج اور قربانی کرنا چاہے، تو نہیں کر سکتا، گویا یہ دن ایسے ہیں کہ ساری عبادتیں ان میں ادا ہوتی ہیں۔ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ اِن دنوں کو سال کے تمام دنوں پر فضیلت حاصل ہے۔

ہر عمل اللہ کو محبوب

بخاری شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نقل فرماتے ہیں کہ سال کے کسی بھی دن میں اللہ کو نیک عمل اتنا پسند نہیں، جتنا اِن دس دنوں میں پسند ہے۔ آپ کوئی بھی نیک عمل کرو، عمل کی بھی تعیین نہیں، روزہ رکھو، نماز پڑھو، صدقہ و خیرات کرو، قرآن کی تلاوت کرو، تسبیح پڑھو، حتیٰ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! اللہ کے راستے میں جہاد کرنا؟ ۔ چوں کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا بڑا اونچا عمل ہے۔ کیا اِن دنوں میں کوئی آدمی قرآن کی تلاوت کرے گا، تو اس کی تلاوت دیگر ایام میں اللہ کے راستے میں کیے گئے جہاد سے بھی بڑھ کر ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آپ اِن دنوں میں قرآن پڑھیں گے، تسبیح پڑھیں گے، تو اس کا ثواب، اور دنوں کے جہاد سے بھی بڑھ کر ملے گا، البتہ کوئی آدمی اپنی جان اور مال لے کر یعنی گھوڑا وغیرہ لے کر جہاد میں نکلا، اور خود بھی شہید ہو گیا، اور اپنے مال کو بھی قربان کر دیا، کچھ واپس لے

کر نہیں آیا، اس آدمی کا عمل اتنا اونچا ہے کہ اِن دنوں کا کوئی عمل اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بہر حال! اس سے معلوم ہوا کہ اِن دنوں میں ہر عمل اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

ہر شب شبِ قدر، ہر روز روزِ عید

ترمذی اور ابن ماجہ شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی بھی دن میں اللہ کو اپنی عبادت اتنی پیاری نہیں ہے، جتنی ان دنوں میں یعنی دیگر ایام کے مقابلے میں ان دنوں میں کوئی بندہ اللہ کی عبادت کرے، تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آتی ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ان دنوں میں سے ہر دن کے روزے کا ثواب سال بھر کے روزوں کے برابر ہے۔ ان میں سے ۹/دنوں میں روزہ رکھا جا سکتا ہے، دسواں دن عید کا ہے، اس میں روزہ نہیں رکھ سکتے۔ اور ان راتوں میں سے ہر رات کی عبادت کا ثواب شبِ قدر کی عبادت کے برابر ہے[۱]۔

دیکھو! رمضان میں تو ایک شبِ قدر آتی ہے اور یہاں دس راتوں میں عبادت کر سکتے ہیں اور رمضان میں شب قدر کو ڈھونڈنا پڑے گا، رمضان میں تو ہم اس کی جستجو میں رہتے ہیں، پتا نہیں، ملی یا نہیں ملی اور یہاں تو ملنا طے شدہ ہے۔ آپ رات بھر عبادت کریں، آپ کے نام شبِ قدر کے برابر عبادت کا ثواب لکھ دیا جائے گا۔ کتنی بڑی فضیلت ہے!!۔

---

① سنن الترمذی، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَبْوَابُ الصَّوْمِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي العَمَلِ فِي أَيَّامِ العَشْرِ، ر:۷۵۸.

ایک خاص تسبیح

مسند احمد میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کو سال کے کسی دن میں بھی بندے کی عبادت اتنی عظمت والی اور پیاری نہیں ہے، جتنی ان دنوں میں ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: فَأَكْثِرُوا فِيهِنَّ مِنَ التَّهْلِيلِ وَالتَّكْبِيرِ وَالتَّحْمِيدِ: ان دنوں میں تم لا إله إلا الله، الله أكبر اور الحمد لله کثرت سے پڑھو۔

اور تکبیر تشریق میں یہ کلمات آجاتے ہیں: اللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ. اس میں تہلیل، تکبیر اور تحمید آگئی۔ تو ان دنوں کے لیے یہ خاص تسبیح حدیث میں آئی ہے۔

معدودات و معلومات کی تفسیر

بخاری شریف میں روایت ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿لِّيَشْهَدُواْ مَنَٰفِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُواْ ٱسْمَ ٱللَّهِ فِىٓ أَيَّامٍ مَّعْلُومَٰتٍ﴾ [الحج۲۸] (لوگ حج کے زمانے میں اپنے فائدے کی چیزیں حاصل کرنے کے لیے مقررہ دنوں میں بیت اللہ میں حاضری دیں، اور اللہ کا ذکر کریں) تو یہاں مَعْلُومَٰتٍ سے ذوالحجہ کے دس دن مراد ہیں۔ اور ﴿وَٱذْكُرُواْ ٱللَّهَ فِىٓ أَيَّامٍ مَّعْدُودَٰتٍ﴾ [البقرة۲۰۳] (گنتی کے دنوں میں اللہ کو یاد کرو) بھی آیا ہے، چناں چہ اس کی شرح میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس سے ایام تشریق مراد ہیں یعنی ایام معدودات

= سے ایام تشریق مراد ہیں اور ایام معلومات سے یہ دس دن مراد ہیں [۱] ، ان دنوں میں اللہ کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیے۔

……مسلمانوں کی شان ظاہر ہو

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان دس دنوں میں گھر سے باہر نکلتے تھے تو زور سے تکبیر پڑھتے تھے، اور ان کی تکبیر سن کر لوگ بھی زور سے تکبیر پڑھتے تھے [۲] اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا تو معمول تھا کہ اٹھتے، بیٹھتے، چلتے، پھرتے، لیٹے ان دنوں میں کثرت سے تکبیر پڑھتے تھے [۳]۔

ہمارے یہاں وہ رواج نہیں ہے، حالاں کہ فقہ کی کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ جب عیدالاضحیٰ کی نماز کے لیے جائے، تو زور سے تکبیر تشریق پڑھتا ہوا جائے اور عیدالفطر کی نماز کے لیے جائے تب بھی تکبیر پڑھے [۴] لیکن آہستہ پڑھے؛ تاکہ مسلمانوں کی شان ظاہر ہو، آج کوئی تکبیر پڑھنے کا اہتمام ہی نہیں کرتا، حالاں کہ ان چیزوں کا اہتمام کرنا چاہیے اور یہ وہ عبادتیں ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔

تکبیر تشریق کا حکم اور اس کے ایام

ان دنوں میں ایک اور عبادت ہے جو باقاعدہ واجب کی گئی ہے کہ ۹/ویں ذی الحجہ

---

①② صحيح البخارى فى التعليقات، بَابُ فَضْلِ العَمَلِ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ، أَبْوَابُ العِيدَيْنِ.

③ صحيح البخارى فى التعليقات، بَابُ التَّكْبِيرِ أَيَّامَ مِنًى إلخ، أَبْوَابُ العِيدَيْنِ.

④ مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح، ص١٩٩، باب صلاة العيدين.

یعنی عرفہ کے دن کی فجر کی نماز سے لے کر ۱۳/ ویں ذی الحجہ کی عصر کی نماز تک کل ۲۳/ فرض نمازوں میں سے ہر نماز کے بعد ایک مرتبہ تکبیر تشریق کہنا واجب ہے۔ مرد ہو یا عورت، مقیم ہو یا مسافر، ہر ایک کے لیے واجب ہے: اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ، اللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ. ہم تو مسجد میں ہوتے ہیں، کوئی پڑھتا ہے تو سب کو یاد آجاتا ہے۔ اس کو واجب قرار دیا گیا ہے[1]۔ اس کا اہتمام ہونا چاہیے۔

قربانی اور زکوٰۃ کا نصاب الگ الگ

ذی الحجہ کے ان دنوں ہی میں ۱۰/ ۱۱، اور ۱۲/ ویں تاریخ کو قربانی کی جاتی ہے، جو صاحب نصاب ہیں ان پر واجب ہے۔ بہت سے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ جس پر زکوٰۃ فرض ہے، اسی پر قربانی واجب ہے، حالاں کہ قربانی کا نصاب زکوٰۃ کے نصاب سے قدرے ہلکا ہے، بہت سے لوگوں پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے؛ لیکن قربانی واجب ہے، صدقۃ الفطر واجب ہے۔ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے نصاب یہ ہے کہ کوئی آدمی ۶۱۲/ گرام ۳۶۰/ ملی گرام چاندی یا اس کی قیمت کے بہ قدر سونے یا تجارت کے سامان کا مالک ہو۔

ثمن خلقی

زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے، مالِ نامی یعنی بڑھنے والا مال ہونا چاہیے۔ اب بڑھنے والے مال میں ایک قسم کا مال تو بڑھتا ہوا نظر آتا ہے، جیسے مویشی، چوپائے،

---

(۱) مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص:۲۰۵، باب صلاة العيدين

گائے، بکریاں، اونٹ وغیرہ، جو قدیم زمانے میں ہوا کرتے تھے۔ اور دوسرا بڑھنے والا مال وہ ہے جس میں تجارت کی صلاحیت ہے۔ اس میں سے دو مال تو ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تجارت کے لیے پیدا ہی کیا ہے: سونا اور چاندی۔ ان کو ثمنِ خلقی کہتے ہیں۔

تو جس کے پاس سونا اور چاندی ہو، چاہے ان میں تجارت کی نیت کرے یا نہ کرے، ان کے ثمن خلقی ہونے کی وجہ سے ان میں زکوٰۃ فرض ہے۔

سونے چاندی کا کمال

قدرت کا نظام دیکھو! جب سے دنیا پیدا ہوئی تب سے آج تک لوگوں کی محبتیں ان میں برقرار ہیں اور اس کی قیمت کا آج تک ڈی ویلیوایشن (devaluation) نہیں ہوا، نوٹوں کا ہو جائے؛ لیکن ان کا نہیں ہوسکتا۔ بلکہ لوگ تو حفاظت کے لیے ان ۔سونے چاندی۔ کو ہی خرید کر محفوظ رکھتے ہیں، ان کو جمع کرنے والے کو کبھی گھاٹا نہیں ہوا ہوگا۔ ان دو دھاتوں کو اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔ اسی لیے فقہا کہتے ہیں کہ یہ ثمن خلقی ہیں۔ خلقی یعنی اس سے خرید فروخت کرے یا نہ کرے، وہ تجارت کے حکم میں ہی ہے۔ اُس میں تو زکوٰۃ فرض ہو جائے گی۔

ثمن عرفی

کرنسی اور نوٹ کو فقہا نے ثمن عُرفی کہا ہے یعنی حکومت نے اس کو خرید فروخت کرنے کے لیے چھاپا ہے، جب تک کرنسی جاری ہے تو وہ بھی اسی حکم میں ہے۔

اس کے علاوہ باقی جو بھی مال ہو، جب تک کہ اس میں تجارت کی نیت نہ ہو تب

تک اس میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے، تجارت کی نیت سے ہی وہ بڑھنے والا مال بنے گا۔ میں دس لاکھ کرسیاں لاکر اپنے گھر میں رکھ لوں تو پڑے پڑے اس میں سے دوسری کرسیاں پیدا ہونے والی نہیں ہیں لیکن میں یہ کرسیاں تجارت کے لیے لایا ہوں، تو اس میں نفع ملے گا۔ تجارت کی نیت ایک ایسی نیت ہے کہ جو اِن چیزوں کی بڑھوتری کا ذریعہ بنتی ہے، مٹی میں بھی اگر تجارت کی نیت کی ہو، تو اس میں بھی اس کو کچھ نہ کچھ ملے گا۔ گویا دوسرے تمام اموال، نامی اسی وقت بنتے ہیں، جب کہ ان میں تجارت کی نیت ہو۔

مویشی کو چھوڑ کر ان چار اموال میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے: (۱) سونا (۲) چاندی، یہ تو قدرتی طور پر تجارت کے لیے ہیں ہی (۳) کرنسی، جو عرفی اعتبار سے ہے (۴) ان کے علاوہ جتنے بھی اموال ہیں، ان میں اگر تجارت کی نیت ہے تو زکوۃ فرض ہوگی۔

ضرورت سے زائد گھریلو سامان کا حکم

اب کسی کے پاس مال ہے؛ لیکن تجارت کی نیت نہیں کی ہے، جیسے: آپ کے پاس گھر میں دو لاکھ کے برتن ہیں، پتیلے، ہانڈے وغیرہ، جو آپ کے کام نہیں آتے؛ لیکن آپ نے اس میں تجارت کی نیت نہیں کی ہے، تو ان دو لاکھ کے ہانڈوں میں زکوۃ فرض نہیں ہے لیکن یہ آپ کی ضرورت سے زیادہ ہیں، اس لیے ان میں قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہے، دو لاکھ کے کیا؟ ۶۱۲ گرام، ۳۶۰ ملی گرام چاندی کے برابر بھی ہوں، تو اس میں قربانی واجب ہو جائے گی۔ آج کل لوگوں کے گھروں میں شوکیس

(Show case) کے نام سے ایک چھوٹی سی الماری ہوتی ہے، اس میں بہت سی فضولیات جمع کر دی جاتی ہیں، اس کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے! ہے کسی کام کی نہیں! لیکن بالفرض اگر ان کی قیمت شمار کی جائے تو پچاس ہزار ہے اور یہ سب ضرورت سے زیادہ ہیں، تو اس میں زکوٰۃ تو فرض نہیں؛ کیوں کہ تجارت کی نیت نہیں ہے، وہ تو شو (Show) کے لیے لائے ہیں، لیکن قربانی اور صدقۃ الفطر اس پر واجب ہوگا۔

زائد فلیٹ پر قربانی واجب

آپ جس مکان میں رہتے ہیں، اور دوسرا فلیٹ آپ کے پاس زائد ہے، جس میں رہائش کی ضرورت نہیں ہے، کبھی کوئی مہمان آیا تو استعمال ہوا، ورنہ کچھ نہیں! خالی پڑا ہے تو اس میں بھی قربانی واجب ہو جائے گی؛ حالاں کہ وہ فلیٹ آپ نے آئندہ ضرورت کے لیے رکھا ہے، ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے، تو اس پر زکوٰۃ تو فرض نہیں ہے؛ لیکن قربانی واجب ہے۔

توبہ قلمِ خود مفتی بن گیا......

بہت سے لوگ غلط فہمی کے شکار ہیں، وہ یوں سمجھتے ہیں کہ ہم پر زکوٰۃ تو فرض نہیں ہے، اس لیے قربانی بھی نہیں ہے۔ نہیں! بہت سے ایسے لوگ ہیں جن پر قربانی واجب ہے؛ چاہے زکوۃ فرض نہ ہو، ان پر صدقۃ الفطر بھی واجب ہے۔ چناں چہ بہت سے لوگ صدقۃ الفطر ادا کرتے ہیں، ان کو پوچھیں کہ صدقۃ الفطر ادا کیا؟ تو کہیں گے: ہاں! ہاں! ادا کر دیا۔ پھر پوچھیں: قربانی؟ تو کہیں گے: وہ واجب نہیں ہے۔ ارے بھائی! توبہ قلمِ

خود مفتی بن گیا؟ صدقۃ الفطر واجب ہے اور قربانی واجب نہیں ہے!، کون سی کتاب میں تجھے یہ مسئلہ ملا؟ لوگ بھی اپنے طور پر فیصلہ کر لیتے ہیں۔

جیسے بہت سے لوگ کرسی پر نماز پڑھتے ہیں، وہ اپنے طور پر طے کر لیتے ہیں، ارے بھائی! آپ کو ایسا کوئی عذر پیش آئے، تو پہلے مفتیوں سے ملو اور خوب تحقیق کر لو، وہ اجازت دیں تو کرسی پر نماز پڑھو، ایسا نہیں کہ کرسی پڑی ہوئی ہے تو آ کر بیٹھ گئے اور نماز شروع کر دی۔

حاصل یہ ہے کہ قربانی بہت سے لوگوں پر واجب ہوتی ہے؛ اگر چہ ان پر زکوٰۃ فرض نہ ہو، اس لیے اس ماہ میں قربانی کی بڑی تاکید آئی ہے۔

یہ تو گھر کی چیز ہے

قربانی کے سلسلے میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا هَذِهِ الْأَضَاحِيُّ؟ اللہ کے رسول! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: سُنَّةُ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ۔ چوں کہ سب عرب حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد ہیں۔ یہ تو تمہارے ابا ابراہیمؑ کی سنت ہے، گویا ان کو اور زیادہ مانوس کرنے کے لیے کہا کہ یہ تو گھر کی چیز ہے۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: فَمَا لَنَا مِنْهَا؟ ہم کو کیا ملے گا؟ فرمایا: بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ[۱]: قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی۔ کتنے بال ہوتے ہیں!!۔

---

[۱] سنن ابن ماجه، عن زيد بن أرقم رضي الله عنه، كتاب الأضاحي، باب ثواب الأضحية، ر:۳۱۲۷.

قربانی کے فضائل

حدیث شریف میں وارد ہے کہ آدمی جب قربانی کا جانور ذبح کرتا ہے تو اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے یہاں مقبول ہو جاتی ہے، حدیث میں یہ بھی ہے کہ قربانی کے اِن تین دنوں میں قربانی کے جانور کا خون بہانے سے بڑھ کر کوئی عبادت اللہ کو پسند نہیں ہے[۱]۔

...... ہماری عیدگاہ میں نہ آئے

بہرحال! قربانی واجب ہے، اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث شریف میں فرمایا: مَنْ وَجَدَ سَعَةً فَلَمْ يُضَحِّ، فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا: جس نے قربانی کرنے کی طاقت (واجب) ہونے کے باوجود قربانی نہیں کی، وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے[۲]۔ گویا اس کو عید کی خوشی منانے کا حق نہیں ہے، تم پر قربانی واجب ہے، پھر بھی نہیں کرتے!، قربانی کرنی پڑے گی۔ لہٰذا قربانی کی بڑی اہمیت ہے اس کا اہتمام ہونا چاہیے۔

قربانی کرنے کی نیت رکھنے والے کے لیے ایک مستحب عمل

جن پر قربانی واجب ہے اور جن پر واجب نہیں ہے، لیکن نفل قربانی کرنے والے

---

① سنن ابن ماجه، عن زيد بن أرقم رضي الله عنه، كتاب الأضاحي، باب ثواب الأضحية، ر:٣١٢٦.

② سنن ابن ماجه، عن أبي هريرة رضي الله عنه، كتاب الأضاحي، باب الأضاحي واجبة هي أم لا، ر:٣١٢٣.

ہیں، ان کے لیے حکم یہ ہے کہ چاند ہوتے ہی جب تک قربانی نہ کریں، تب تک ناخن اور بال نہ کٹوائیں۔ امام احمدؒ کے نزدیک تو یہ حکم واجب ہے، حنفیہ کے ہاں سنت ہے؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا حکم دیا۔

مستحب عمل کی حکمت

علماء لکھتے ہیں کہ اس میں کیا حکمت ہے؟ دراصل ان ہی دنوں ایک عبادت مکہ مکرمہ میں ادا کی جاتی ہے، حج کی عبادت، حج کی جگہوں میں۔ تو آدمی جب احرام باندھتا ہے تو احرام باندھنے والے کو منع کر دیا گیا کہ تم نہ ناخن کٹوا سکتے ہو، نہ بال کٹوا سکتے ہو، اور بھی بہت ساری پابندیاں ہیں، ان میں سے یہ دو پابندیاں ہیں۔ گویا اللہ تبارک وتعالیٰ اس حکم کے ذریعے قربانی کرنے والوں کو حاجیوں کے مشابہ بناتے ہیں۔ اور جو رحمتیں حاجیوں پر اللہ تعالیٰ وہاں نازل فرماتے ہیں، اس میں سے کچھ حصہ یہاں بیٹھے بیٹھے اللہ میاں ہم کو بھی دینا چاہتے ہیں؛ اس لیے یہ حکم ملا ہے، اس لیے اس کا بھی اہتمام ہونا چاہیے۔

بہر حال! ان احکام کا اہتمام کیا جائے، ان کی ادائیگی کی طرف خود توجہ دیں، گھر کی عورتوں اور بچوں کو بھی یہ باتیں بتائی جائیں؛ تاکہ بچپن سے ان کی تربیت ہو، روزوں کا بھی اہتمام ہو اور دیگر عبادات کا بھی۔

اس سے بڑا محروم کون؟

یہ دن بڑی برکتوں والے ہیں، کم سے کم اپنے آپ کو ان دنوں میں گناہوں سے

بچانے کا اہتمام ہو۔ایسے برکت والے دنوں میں اگر کوئی آدمی گناہ کر لے تو اس سے بڑا محروم اور کون ہوسکتا ہے؟ ان دنوں میں گناہ کرنے کی نحوست یہ ہوتی ہے کہ انسان سال بھر گناہوں سے بچ نہیں پاتا ہے اور اگر ان دنوں میں اپنے آپ کو گناہوں سے بچا لے گا تو اللہ تعالیٰ دیگر ایام میں بھی گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں گے؛ لٰہذا ان مبارک دنوں کی قدر کرنی چاہیے۔

نیکیوں کے دو سیزن

علماء نے لکھا ہے کہ نیکیوں کے دو سیزن ہیں: ایک رمضان کا مہینہ، جس میں اللہ تعالیٰ بہ کثرت نیکیاں عطا فرماتے ہیں: ایک فرض کا ثواب ستر (۷۰) فرض کے برابر اور نفل کا ثواب فرض کے برابر، گویا اس میں لوہا سونے کے بھاؤ بکتا ہے۔

اور دوسرا موسم عشرۂ ذی الحجہ ہے، اس میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بڑا ثواب دیا جاتا ہے۔اس لیے ان سیزنوں کو ہم وصول کر لیں اور جتنا زیادہ وصول کریں گے، اتنا ہمارے لیے فائدہ ہی فائدہ ہے۔اللہ تعالیٰ مجھے بھی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو بھی عطا فرمائے۔

پیغام

کوشش کرو، اللہ سے دعاؤں کا اہتمام کرو۔اور اپنے گھر میں بھی ایسا ماحول بناؤ، روزانہ اسی ارادے سے عمل کرو کہ حضور ﷺ نے یہ بات فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان دنوں کا عمل بہت محبوب ہے، اس لیے میں یہ عمل کرتا ہوں، اسی لیے قرآن پڑھتا ہوں،

اسی لیے تسبیح پڑھتا ہوں۔اس کی وجہ سے ہمیں اس کا مزید فائدہ حاصل ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰىنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔